اِنَّ اللّٰہَ لَطِیْفٌ خَبِیْرٌ

علمی، دینی، اصلاحی اور معلوماتی

اللطیف

دار العلوم لطیفیہ، مکانِ حضرت قطب ویلور



بسم اللہ الرحمن الرحیم

الطیف

۴۷ واں شمارہ

سالنامہ ۱۴۲۹ھ م 2008ء ویلور



بیادگار

شیخ المشائخ اعلیحضرت مولانا مولوی ابوالنصر قطب الدین سید شاہ محمد باقر قادری

رحمۃ اللہ علیہ سجادہ نشین مکان حضرت قطب ویلور

مولانا مولوی ابوصالح عماد الدین سید شاہ محمد ناصر قادری

رحمۃ اللہ علیہ المعروف بہ میراں پاشاہ

مدیر موسس

حضرت اقدس مولانا مولوی ابوالحسن صدر الدین سید شاہ محمد طاہر قادری

رحمۃ اللہ علیہ

تاریخ اجراء:- ۱۰؍ شعبان المعظم ۱۴۲۹ھ م 13؍ اگست 2008ء بروز چہارشنبہ

- سرپرست

مولانا مولوی ڈاکٹر ابو محمد سید شاہ محمد عثمان قادری یم اے، پی ایچ ڈی، بی کام
ناظم دارالعلوم لطیفیہ، حضرت مکان۔ ویلور

- معاون

سید شاہ محمد طاہر قادری

- مدیران مسئول

حضرت مولانا مولوی پی۔ محمد ابوبکر ملیباری لطیفی قمری مدرس دارالعلوم لطیفیہ ویلور

مولانا مولوی حافظ ڈاکٹر ابو النعمان بشیر الحق قریشی یم اے، پی ایچ ڈی، مدرس دارالعلوم

- نمائندگانِ طلبہ

۱	حافظ مظفر بیگ	گڑیاتم
۲	حافظ جیلانی باشاہ	بلاری
۳	نواز خان	بنگلور
۴	حافظ شبیر احمد	ویلور
۵	حافظ نظام الدین	ویلور
۶	نثار خان	حیدرآباد
۷	ایچ۔ عباس	کیرلا
۸	یم۔ پی۔ اشرف	کیرلا

فہرستِ مضامین سالنامۂ اللطیف ۱۴۲۹ھ 2008ء

منظومات

حضرت مولانا قدوۃ السالکین

رکن الدین سید شاہ ابوالحسن قربی ویلوری

علیہ الرحمہ

نعت سید المرسلین

سید محمد طاہر قادری

شہِ دوسرا ہیں تمہارا چہ ہوں
بھلا ہور بھرا ہیں تمہارا چہ ہوں
کرم تم کریں نا تو کاں جاؤں میں
بجز در تمہارے کدر دھاوں میں
بھکاری ہوں میں حق کے درگاہ کا
وسیلا مجے تم سے ہے شاہ کا
تمارے شہ شہ خدا واسطے !
خدا سوں کہو اس گدا واسطے
کرم کی نظر اس بھکاری پو کر
دلا بھیک اس کی بھوت جلد تر
یو میں بھیک لے شاکراں میں اچھوں
تمن دین کے ناصراں میں اچھوں
کیا میں تمام آپنا مدعا
مرے حق میں بھی ایک کرنا دعا
کہ یارب تو قربی پو کر یک نظر
دے بھیک اس کے ہور خاتمہ خیر کر
کہ تیرے کہے ہور میسر کیسے !
اچھے دو جہاں بیچ مرضی انے

رباعیاتِ امجد

امجد حیدرآبادیؒ

ھو الباقی

واجب ہی کو ہے دوامِ باقی فانی
قیوّم کو ہے قیام باقی فانی
کہنے کو زمین و آسماں سب کچھ ہے
باقی ہے اُسی کا نام باقی فانی

وتعز من تشآء وتذل من تشآء

ہر ذرّہ پہ فضلِ کبریا ہوتا ہے
اک چشم زدن میں کیا سے کیا ہوتا ہے
اصنام دبی زباں سے یہ کہتے ہیں
وہ چاہے تو پتھر بھی خُدا ہوتا ہے

ولا تخزنا یوم القیامۃ

ضائع فرما، نہ سرفروشی کو مری
مٹی میں ملا نہ گرم جوشی کو مری
آیا ہوں کفن پہن کے لیے ربِّ غفور
دھبہ نہ لگے سپید پوشی کو مری

فاذکرونی اذکرکم

غم سے ترے اپنا دل نہ کیوں شاد کروں
جب تُو سنتا ہے۔ کیوں نہ فریاد کروں
میں یاد کروں تو، تُو مجھے یاد کرے
تُو یاد کرے، تو میں نہ کیوں یاد کروں

افتتاحیہ

ادارہ

موجودہ دور میں ذرائع ابلاغ (میڈیا) کی وسعت اور ہمہ گیری کے باعث ساری دنیا کے ممالک اور اقوام ایک دوسرے سے بے انتہا قریب ہوتے جا رہے ہیں۔ اس قرب و اتصال نے ساری دنیا کو ایک عالمی شہر "گلوبل ویلیج" میں تبدیل کر دیا ہے۔ قوموں اور ملکوں کا یہ ایسا باہمی ربط و ضبط اور قرب و جذب ہے کہ چشم فلک نے کبھی ایسا نظارہ نہیں دیکھا۔ اس قرب و اتصال کی وجہ سے ایک دوسرے کے اوپر جغرافیائی، علاقائی، لسانی، تہذیبی، ثقافتی، سماجی، تمدنی، علمی، ادبی، مذہبی سماجی اثرات مرتب ہو رہے ہیں اور آج لوگوں کے درمیان مذہبوں، فلسفوں اور تہذیبوں کے مطالعہ اور تحقیق کا رجحان بڑھ رہا ہے۔ اور وہ ایک دوسرے کے نظریات، خیالات، جذبات، احساسات اور اعمال کو جاننے، سمجھنے، دیکھنے اور جانچنے کی طرف مائل اور متوجہ ہو رہے ہیں اور ان کے اس اقدام اور عمل میں پرنٹ میڈیا اور الیکٹرانک میڈیا انتہائی موثر کردار ادا کر رہا ہے اور آج ساری دنیا پر میڈیا ہی کی حکمرانی اور فرمانروائی ہے اسی کے چشم و ابرو کے ایک اشارہ پر حکومتوں کی بساط بچھائی جا رہی ہے اور لپیٹ دی جا رہی ہے اور اس کی ایک جنبش ابرو سے فکر و نظر کے زاویے اور پیمانے بدل جا رہے ہیں۔ اور نئی سمتیں اور جہتیں متعین ہو رہی ہیں۔ اور یہ میڈیا ہی ہے جس کی مدد سے آج امریکی اور مغربی سامراجی قوتیں اپنے گھروں میں بیٹھے ہوئے دنیا کے کسی بھی ملک و قوم میں فکری اور سیاسی انقلاب برپا کر رہی ہیں۔ ان کا یہ کردار کہیں تعمیری ہے تو کہیں تخریبی ہے۔ اسلام اور مسلمان کے تعلق سے ان کا کردار تعمیری کم اور تخریبی زیادہ ہے۔

اس مقام پر خوشتر نورانی کی کتاب "قلم کی جسارت" کا ایک طویل اقتباس نقل کرنا فائدہ سے خالی نہیں ہے۔ جس کے مطالعہ سے یہ حقیقت آشکار ہو جائے گی کہ آج عالمی صحافت اور میڈیا پر کس کی گرفت مضبوط ہے۔

"عالمی صحافت پر یہودیوں کے تسلط کا منصوبہ کوئی نیا نہیں ہے۔ عالم انسانیت پر سیادت کے لیے 1897ء میں سوئٹزرلینڈ کے شہر بال میں ان کے تین سو دانشوروں اور مفکروں پر مشتمل ایک اجتماع ہوا۔ جس میں انھوں نے منصوبے اور ترجیحات متعین کیں۔ اس اجتماع میں پوری دنیا میں پھیلی تینتیس ۳۳ یہودی تنظیموں کے اعلیٰ دماغ کارکنوں نے شرکت کی۔ جہاں انھوں نے تمام اقوام عالم پر حکومت کے لیے دو چیزوں کو بنیادی حیثیت

قرار دیا۔ (۱) دنیا کے تمام سونے کے ذخائر پر قبضہ۔ (۲) ذرائع ابلاغ اور خبر رساں ایجنسیوں پر مکمل گرفت، میڈیا کی ہمہ گیر افادیت اور اس کے عالمگیر اثرات پر تبصرہ کرتے ہوئے یہودیوں نے اپنے بارہویں دستاویز میں کہا:

اگر ہم یہودی پوری دنیا پر غلبہ حاصل کرنے کے لیے سونے کے ذخائر پر قبضہ کو مرکزی اور بنیادی اہمیت دیتے ہیں تو ذرائع ابلاغ بھی ہمارے مقاصد کے حصول کے لیے دوسرا اہم درجہ رکھتا ہے۔

ہم میڈیا کے سرکش گھوڑے پر سوار ہو کر اس کی باگ کو اپنے قبضہ میں رکھیں گے۔ ہم اپنے دشمنوں کے قبضے میں کوئی ایسا مؤثر اور طاقتور اخبار رہنے نہیں دیں گے کہ وہ اپنی رائے کو مؤثر ڈھنگ سے ظاہر کر سکیں اور نہ ہی ہم اس کو اس قابل رکھیں گے کہ ہماری نگاہوں سے گزرے بغیر کوئی چیز سماج تک پہنچ سکے۔ ہم ایسا قانون بنائیں گے کہ کسی ناشر اور پریس والے کے لیے یہ ناممکن ہوگا کہ وہ پیشگی اجازت لیے بغیر کوئی چیز چھاپ سکے۔ اس طرح ہم اپنے خلاف کسی بھی سازش یا معاندانہ پروپیگنڈے سے باخبر ہو جائیں گے۔ ہمارے قبضہ و تصرف میں ایسے اخبارات و رسائل ہوں گے جو مختلف گروہوں اور جماعتوں کی تائید و حمایت کریں گے۔ خواہ یہ جماعتیں جمہوریت کے داعی ہوں یا انقلاب کے حامی، حتیٰ کہ ہم ایسے اخبارات کی بھی سرپرستی کریں گے جو انتشار و بے راہ روی اور جنسی و اخلاقی انارکی، استبدادی حکومتوں اور مطلق العنان حکمرانوں کی مدافعت اور حمایت کریں گے۔ ہم جب اور جہاں چاہیں گے قوموں کے جذبات مشتعل کریں گے اور جب مصلحت دیکھیں گے انہیں پرسکون کر دیں گے۔ اس کے لیے صحیح اور جھوٹی خبروں کا سہارا لیں گے۔ ہم ایسے اسلوب سے خبروں کو پیش کریں گے کہ قومیں اور حکومتیں ان کو قبول کرنے پر مجبور ہو جائیں۔ ہمارے پریس کا یہ بنیادی کام ہوگا کہ وہ اپنے مختلف موضوعات اور کالموں کے ذریعہ رائے عامہ کی نبض پر ہاتھ رکھے رہے۔

یہودیوں نے اپنے انسانیت سوز منصوبے کی تکمیل کے لیے یکے بعد دیگرے عالمگیر شہرت رکھنے والی خبر رساں ایجنسیوں، اخبارات و رسائل کو سرمایہ کے بل پر خریدنا شروع کیا۔ دنیا کے تمام اخبارات اور ٹی۔ وی۔ چینلوں کو اپنا تابع و محکوم بنا لیا۔ چند مثالیں ملاحظہ فرمائیے:

(۱) **رائٹر:** جرمنی کے ایک یہودی جولیس رائٹر نے 1816ء میں اس خبر رساں ایجنسی کو قائم کیا۔ جس پر دنیا کے بیشتر اخبارات اور ٹی۔ وی چینلز بھروسہ کرتے ہیں۔ اور نوے (90%) فیصد خبریں اسی سے حاصل کرتے ہیں۔

(2) **اسوسی ایٹیڈ پریس:** امریکہ کے پانچ بڑے اخبارات نے ایک ساتھ مل کر ایسوسی ایٹیڈ پریس نام سے ایک خبر رساں ایجنسی کی بنیاد رکھی جو ۱۹۰۰ء تک ایک عالمی ایجنسی کے طور پر نمایاں ہوئی۔ جس نے امریکی براعظم سے نکلنے والے تمام اخبارات کو نہ صرف خبریں فراہم کرنے کی ذمہ داری سنبھالی بلکہ انھیں پوری دنیا میں پھیلانے کا بیڑا بھی اٹھایا۔ اس ایجنسی میں نوے فیصد (۹۰) حصہ یہودی سرمایہ داروں کا ہے۔

یونائیٹیڈ پریس: امریکہ کے دو یہودیوں اسکرا پیٹس اور ہوارڈ نے مل کر ۱۹۰۷ء میں یونائیٹڈ پریس کے نام سے ایک ایجنسی قائم کی اور ۱۹۰۹ء میں ایک اور یہودی ہیرسٹ ...

نے انٹرنیشنل نیوز سروس کی تشکیل دی۔ کچھ سالوں بعد دونوں ایجنسیاں آپس میں مل کر نیویارک ٹائمز کی ملکیت میں آ گئیں جو ایک یہودی کے ماتحت ہے۔ 1982ء ان سبھوں کو میڈیا نیوز کارپوریشن میں ضم کر دیا گیا۔

(۴) **فرانسیسی نیوز ایجنسی:** فرانس کے ایک یہودی خاندان ہاواس نے نیوز ایجنسی کے نام سے ایک خبر رساں ایجنسی تشکیل دی جو بعد میں فرانس پریس کے نام سے جانا گیا۔ فرانس میں تقریباً ۷ لاکھ یہودی آباد ہیں۔ مگر وہاں سے شائع ہونے والے ۸۵ فی صد اخبارات، ٹی۔وی اور رسائل پر انہیں کا قبضہ ہے۔

(۵) **برطانوی صحافت:** بی بی سی لندن کے سربراہ تقریباً تین دہائیوں سے یہودی ہیں۔ اس کے علاوہ برطانیہ کے اہم اخبارات و رسائل کی ایک لمبی فہرست ہے جو یہودیوں کے زیر تصرف ہے۔

(۶) **امریکی صحافت:** 1885ء تک امریکہ کے پرنٹ میڈیا اور الیکٹرانک میڈیا پر اہل یہود کی گرفت مضبوط ہو چکی تھی۔ آج سے دس سال قبل ایک سروے کے مطابق پوری ریاست امریکہ سے تقریباً ایک ہزار سات سو انسٹھ روزنامے اور چھ سو اڑسٹھ ہفت روزے شائع ہوتے ہیں۔ یہ سروے ٹی۔وی چینلوں، ریڈیو، فلم، ڈرامے ماہنامے، پندرہ روزے، سہ ماہی، ششماہی اور سالنامے کے علاوہ ہیں۔ جن میں ۹۹٪ نو فیصد یہودیوں کے زیر تسلط ہیں۔ کمیونزم کے سقوط اور ۱۱ ستمبر 2001ء کے حملے کے بعد اسلام کو دہشت گرد ثابت کرنے میں اپنی پوری توانائیاں صرف کر رہے ہیں۔"

سیاق میں پیش کی گئی تفصیلات سے یہ حقیقت واضح ہو رہی ہے کہ آج عالمی صحافت پر یہودیوں نے اپنی گرفت مضبوط کر لی ہے اور اسی کے بل بوتے پر اسلام اور مسلمانوں کی کردار کشی پر کمر کس لی ہے۔ یہود کی اسلام دشمنی کوئی نئی بات نہیں ہے۔ اس کا آغاز تو بعثت نبوی کے ساتھ ہی ہو چکا ہے۔ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دنیا میں تشریف لانے سے پہلے یہ لوگ آپ کی ذات گرامی کے ساتھ والہانہ محبت و الفت رکھتے تھے اور بڑی بے چینی سے آپ کی آمد کے منتظر تھے۔ اور اس وقت سے انتظار کر رہے تھے، جب ان کے پیغمبر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ بشارت سنائی تھی کہ اللہ تعالیٰ موسیٰ کے بھائیوں میں سے موسیٰ جیسا نبی پیدا کرے گا۔ یہ پیشین گوئی توراۃ استثناء کے اٹھارہویں باب میں درج ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی متعدد پیشین گوئیوں، بشارتوں اور مذہبی روایتوں کی وجہ سے یہودی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے بارے میں تفصیلی معلومات رکھے ہوئے تھے۔ چناں چہ یمن کا بادشاہ شاہ حمیری مشرقی ممالک کا دورہ کرتے ہوئے مدینہ منورہ (یثرب) آپہنچا تو اس کے ہم سفر و ہمراہ چار سو یہودی علماء و فضلاء نے بادشاہ سے عرض کیا: اے بادشاہ! اب یہاں سے آپ اپنا سفر جاری رکھیے۔ ہم لوگ اسی شہر میں سکونت پذیر رہیں گے۔ یہ سن کر بادشاہ کو بڑی حیرت ہوئی اور اس نے پوچھا: تم لوگ اپنے وطن سے دور دراز سنگلاخ پتھریلی زمین میں کیوں رہنا چاہتے ہو؟ انھوں نے

عرض کیا: اے بادشاہ! جس نبی موعود کے ظہور کی بشارتیں ہمیں ملی ہیں، ان کا وردِ مسعود اسی شہر میں ہوگا۔
اس موقعہ پر یہودی علماء نے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے فضائل و مناقب اور اوصاف و کمالات بھی بیان کیا۔ بادشاہ یہ سُن کر بہت متاثر ہوا اور ان علماء کو رہائش کی اجازت دیتے ہوئے ان کی ضروریات و حاجات کی تکمیل کے لیے کافی روپیہ پیسہ عنایت کیا اور اسی کے ساتھ ساتھ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی رہائش و سکونت کے لیے ایک مکان تعمیر کرنے کا حکم دیا۔ اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے نام ایک مکتوب لکھا جس میں آپؐ کو پیغمبر تسلیم کرتے ہوئے آپؐ کی خدمتِ اقدس میں جلد حاضر ہونے کا خیال ظاہر کیا۔ اور خط میں یہ بھی لکھا کہ اگر عمر نے وفا نہ کی اور میں آپؐ کی زیارت و ملاقات کی سعادت سے محروم رہ گیا تو آپؐ روزِ قیامت میری شفاعت فرمائیے۔ اس کے بعد شاہ حمیری وہاں سے اپنے وطن واپس لوٹ گیا۔ حمیری حضور اکرمؐ کی بعثت تک دنیا میں زندہ نہ رہ سکا۔ لیکن اس کا مکتوب نبی کریمؐ کی خدمت میں اس وقت پیش ہوا جب آپؐ مدینہ فروکش ہوئے چند ہی گھنٹے گزرے تھے اور آپؐ کی اونٹنی حمیری کے حکم سے تعمیر کردہ مکان کے سامنے جا رکی اور آپؐ نے اسی مکان کو اپنی سکونت گاہ قرار دیا۔ اس موقعہ پر آپؐ نے حمیری کی شان میں یہ کلمات ارشاد فرمایا: لاتسبوا تبعا فانه کان قد اسلم حمیری کا ذکر خیر و بھلائی کے ساتھ کرو۔ وہ پہلا مسلمان ہے۔

یہود نہ صرف نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی آمد کے منتظر تھے بلکہ اللہ تعالٰے سے دعا بھی مانگتے تھے کہ اے اللہ! جس نبیؐ کے ظہور کی تو نے ہمیں بشارت دی ہے اسے جلد بھیج دے اور آپؐ کا وسیلہ لے کر اللہ تعالٰے سے فتح و نصرت کی دعائیں مانگتے تھے۔ سورۂ بقرہ میں ہے: وکانوا من قبل یستفتحون علی الذین کفروا۔

امام سدّی کا بیان ہے کہ یہودیوں کا جب بھی کافروں کے ساتھ مقابلہ ہوتا تو وہ عین لڑائی میں توراۃ اٹھا لاتے اور اس آیتِ کریمہ پر انگلی رکھتے جس میں نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا ذکرِ مبارک ہوتا۔ پھر اللہ تعالٰے سے دعا کرتے تھے کہ الٰہی بحرمت محمدؐ ہمیں فتح و نصرت عطا فرما تو اللہ تعالٰے ان کی دعا قبول فرماتا تھا۔

مولانا عبدالماجد دریا آبادی اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں:

یستفتحون اپنے عام اور مشہور معنی کے لحاظ سے مفہوم طلب فتح و نصرت کا رکھتا ہے۔ اس صورت میں مراد یہ ہوگی کہ اس کے قبل یہود اس پیمبر نبیؐ کا واسطہ دلا دلا کر خدا سے مدد چاہا کرتے تھے۔ اور ائمہ تفسیر کی اکثریت نے یہی مراد لی ہے۔ یستنصرون اللّٰہ ببعثۃ محمد صلے اللہ علیہ وسلم۔

ایک نومسلم انصاری صحابی سے روایت ہے کہ زمانۂ قبل اسلام میں جب ہم یہود کو شکست دیتے تھے تو وہ کہا کرتے تھے کہ اچھا ٹھہر جاؤ، عنقریب ایک نبی ظاہر ہونے والا ہے۔ ہم اس کے ساتھ ہو کر تمہیں قتل کر کے رکھ دیں گے۔

یہ ایک عظیم تاریخی حقیقت ہے کہ جزیرۃ العرب کے باشندوں نے یہودیوں کو ملکِ شام سے مار بھگایا تو انھیں کہیں بھی پیر ٹکانے کے لیے تھوڑی سی زمین نہ تھی اور وہ دربدر بھٹکتے ہوئے ذلت و غلامی کی زندگی گزار رہے تھے۔ اس کسمپرسی اور غریب الوطنی کی حالت میں ان کی نگاہیں نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا انتظار کررہی تھیں۔ ان کے بعض قبائل مدینۂ منورہ میں آباد تھے۔ اور یہ امید لگائے بیٹھے رہے کہ بنی اسماعیلؑ میں پیدا ہونے والا نبی (محمد صلے اللہ علیہ وسلم) ہمارے لیے فرشتۂ رحمت ہوگا اور وہ ہمیں ذلت و مسکنت کے دلدل سے نکالے گا۔ اور ہمیں دوبارہ حکمرانی اور سلطانی کا زمانہ دکھلائیگا۔ انہی تمناؤں اور آرزوؤں کا نتیجہ تھا کہ نبیؐ کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے یہودی بہت خوش ہوے۔ لیکن بہت جلد ان کی آرزوؤں پر پانی پھر گیا جب انہوں نے دیکھا کہ یہ نبی تو عیسیٰؑ کی نبوت کو تسلیم کرتا ہے اور ان پر ایمان لانے کو اسلام کا ایک ضروری جز قرار دیتا ہے۔ یہ بات یہودیوں کے عقیدہ اور عمل سے متصادم تھی۔ کیوں کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کے نہ صرف منکر تھے بلکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ایک نیک اور شریف انسان کا درجہ دینے کے لیے بھی تیار نہ تھے۔ چناں چہ اسی فکری تصادم کے باعث یہود نبیؐ کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے مخالف اور دشمن بن گئے۔ اس کے علاوہ نبیؐ کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے مدینۂ منورہ فروکش ہونے کے بعد وہاں کے قبیلوں پر یہودیوں کی تھوڑی بہت جو حکمرانی اور سلطانی قائم تھی، وہ خطرہ میں پڑ گئی۔ آپؐ نے مدینہ اور اس کے اطراف واکناف میں رہائش پذیر مختلف نسلوں اور قبیلوں کے درمیان ایک بین الاقوامی امن معاہدہ قائم کیا اور اس معاہدہ میں خود یہودی قبائل میں سے بنو عوف وغیرہ شامل ہوگئے۔ اس طرح سے مدینہ منورہ اور اس کے گردونواح پر یہودیوں کا بلا شرکت غیرے اقتدار کا جو خواب تھا وہ چور چور ہوگیا۔ کچھ ہی عرصہ بعد یہودیوں نے اس معاہدہ کی خلاف ورزی شروع کردی۔

ہجرت کے چوتھے سال کا ذکر ہے کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کسی ضرورت کے تحت یہودیوں کے محلہ بنو نضیر میں تشریف لے گئے تو انھوں نے آپؐ کو ایک دیوار کے نیچے بٹھادیا اور خفیہ طور پر تدبیر یہ کی کہ دیوار کے اوپر سے ایک بھاری پتھر آپؐ پر گرادے۔ اس کام کے لیے ابن جحاش کو مامور اور متعین کیا گیا تھا۔ آنحضرتؐ دیوار کے پاس جا بیٹھے تھے کہ اسی وقت اللہ تعالےٰ نے بذریعہ وحی یہودیوں کی اس سازش سے آپؐ کو مطلع فرمادیا اور آپؐ وہاں سے بسلامت واپس چلے آے۔

یہودیوں نے ایک مرتبہ دعوت کے موقعہ پر آپؐ کے کھانے میں زہر ملادیا تھا۔ جسے آپؐ نے تناول فرمایا، لیکن اللہ تعالےٰ نے آپؐ کی حفاظت فرمائی۔

آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے قتل کے مختلف انفرادی کوششوں کے ناکام ہونے کے بعد یہودیوں نے عرب کے تمام قبیلوں کو مسلمانوں کے خلاف جنگ پر ابھارا اور ایک متحدہ محاذ قائم کیا۔ چناں چہ ہجرت کے پانچویں سال میں

مختلف مذاہب اور قبائل کے دس ہزار جنگجو افراد کی جمعیت کے ساتھ پوری قوت اور طاقت کے ساتھ مدینۂ منورہ پر حملہ آور ہوئے۔ قرآن میں اس جنگ کو غزوۂ احزاب کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔

مذکورہ تخریبی اور ہلاکتی کوششوں اور سازشوں کے علاوہ یہودیوں نے آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو ہلاک کرنے کے لیے سحر اور جادو سے بھی کام لیا۔ جس کے اثر سے آپؐ بیمار ہو گئے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم پر ایک یہودی نے سحر کیا تو آپؐ پر اس کا یہ اثر ہوا کہ بعض اوقات آپ محسوس کرتے تھے کہ فلاں کام کر لیا گیا ہے لیکن وہ نہیں کیا گیا ہوتا۔ امام بخاری کی روایت کے مطابق نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو خواب کے ذریعہ یہ اطلاع دی گئی کہ لبید بن اعصم نے آپؐ پر سحر کیا ہے۔ پھر سورۃ الفلق اور سورۃ النّاس کے ذریعہ اس سحر کو باطل کر دیا گیا۔ ابنِ کثیر اور دیگر مفسرین نے لکھا ہے کہ فلق اور ناس یہ دو سورتیں سحر، جادو، بدنظر اور دیگر انسانی اور آسمانی بلاؤں سے تحفظ کے لیے بہت مفید اور موثر ہیں۔

یہودیوں کی اسی اسلام دشمنی کے پیشِ نظر آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی کے آخری ایام میں یہ وصیت کر دی تھی کہ یہودیوں کو جزیرۃ العرب میں بسنے نہ دو۔ **اخرجوا الیھود من جزیرۃ العرب**

خلفائے راشدین کے بعد برسرِ خلافت آنے والے حکمرانوں کی نگاہوں سے یہ وصیت اوجھل ہو گئی۔ جس کا نتیجہ آج یہ سامنے آ گیا ہے کہ یہودیوں نے عربوں کی زمین پر غاصبانہ قبضہ جما لیا ہے اور آج پھر سے ان کی اسلام دشمنی کا تاریخی کردار اور نمایاں ہو گیا ہے اور اس کردار میں دنیا کی دوسری قومیں بھی شامل ہو گئی ہیں۔ اس کردار میں عیسائیوں کی شمولیت بڑی تعجب خیز اور حیرت انگیز ہے۔ یہود تو ان کے پیغمبر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کو ہی کو تسلیم نہیں کرتے ہیں۔ اور یہ عیسائی ہیں جو ان کے ہمنوا اور ہم خیال بنے بیٹھے ہیں : ؏

ناطقہ سر بگریباں کہ اسے کیا کہیے

ایک حدیث شریف میں ہے کہ امتِ مسلمہ پر ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ دنیا جہاں کی قومیں اس پر ایسا ٹوٹ پڑیں گی جیسے کئی دن کے بھوکے لوگ انواع و اقسام کے کھانوں پر ٹوٹ پڑتے ہیں۔ گویا امتِ مسلمہ ایک لقمۂ تر ہوگی۔ شاید یہ وہی زمانہ ہے۔ امتِ مسلمہ پر اقوامِ عالم کے ٹوٹ پڑنے کی کوئی واضح اور متعین شکل نہیں ہے۔ بلکہ اس کی متعدد شکلیں ہو سکتی ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ عالمی میڈیا مسلمانوں کو دہشت گرد ثابت کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کر رہا ہے۔ ۱۱ ستمبر ۲۰۰۱ء میں پیش آنے والے ورلڈ ٹریڈ سنٹر پر ہونے والے حملے کو لیجیے۔ اس انسانیت سوز سانحہ کے ذمہ دار عرب مسلمانوں کو ٹھہرایا گیا ہے اور دن رات اس بات کی برابر مسلسل تشہیر کی جاتی رہی ہے۔ یہاں تک کہ ساری دنیا کے انسان یہ سمجھ بیٹھے کہ یہ واقعہ مسلمانوں کے ہاتھوں پیش آیا۔ حالاں کہ حقیقت اس کے بالکل برعکس تھی جو بعد میں ظاہر ہوئی۔ لیکن یہ

حقیقت عالمی صحافت میں ذیلی اور ضمنی سرخیوں میں جلوہ نما ہوی ۔ پھر دیکھتے ہی دیکھتے میڈیا سے اس طرح غائب ہی ہوگئی، پھر کبھی اس کے جلوؤں کی بات ہی نہ ہوی اور آج بھی عام انسانوں کی نگاہوں سے یہ حقیقت مستور ہے۔ اس واقعہ کے بعد بھی عالمی صحافت مسلسل یہ تاثر دنیا کو دے رہی ہے کہ جہاں کہیں بھی دہشت گردی اور تخریب کاری کے واقعات رونما ہور ہے ہیں ان کے اندر بلا واسطہ یا بالواسطہ مسلمانوں کا ہاتھ ہے۔ کردارکشی کی یہ مہم ختم ہوتی نظر نہیں آرہی ہے۔ سمعی اور بصری صحافت کا یہ طلسماتی اثر کہیئے کہ ساری دنیا اس پروپگنڈا سے متاثر ہورہی ہے۔

دوسری شکل یہ ہے کہ آے دن مسلمانوں کے مذہبی جذبات واحساسات کے ساتھ یہ خطرناک کھیل کھیلا جارہا ہے کہ کسی نہ کسی عنوان سے انہیں مشتعل اور برانگیختہ کیا جارہا ہے تاکہ وہ ہمیشہ اشتعال و اضطراب میں مبتلا رہیں اور نفسیاتی سرد جنگ میں پھنسے رہیں اور جذبات سے بے قابو اور مغلوب ہوکر تشدد پر آمادہ ہوجائیں اور تعلیم وتعمیر اور ترقی کی جانب قدم نہ اٹھائیں۔ چناں چہ یہ واقعات اسی سلسلہ کی کڑیاں ہیں۔

30 ڈسمبر 2005ء کو ڈنمارک کے ایک اخبار جیلانڈ پوسٹن JYLLAND POSTEN نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک درجن کارٹوں شائع کئے جو انتہائی توہین آمیز، شرانگیز اور تحقیر خیز تھے۔ ان میں سے ایک اس قدر فتنہ انگیز تھا کہ آپ صلے اللہ علیہ وسلم کے عمامہ شریف میں بم رکھا ہوا اظاہر کیا گیا تھا۔ مسلمان سب کچھ برداشت کرسکتا ہے لیکن اپنے پیارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس پر ایک آنچ آنے نہیں دیتا۔ چناں چہ آخر کار یہی ہوا۔ احتجاج اور غم وغصہ میں کئی ایک تشدد خیز واقعات پیش آئے۔ عالم اسلام کی طرف سے اس نازیبا اور ہتک آمیز حرکت پر پُرامن احتجاج کیا گیا تو ڈنمارک کی طرف سے یہ جواب دیا گیا کہ یہ تو پریس اور عوام کا حق ہے کہ وہ اپنی رائے کا اظہار پوری آزادی کے ساتھ کرسکتے ہیں۔ ڈنمارک کی حمایت وتائید میں جرمن، فرانس، اٹلی، اسپین اور ناروے کے اخبارات نے بھی ان ہی کارٹونوں کی اشاعت کی اس طرح سے ان ملکوں نے بھی مسلمانوں کے مخالف مسئلہ میں اپنے اتحادی ہونے کا ثبوت فراہم کیا۔ ان اتحادیوں کی فتنہ سامانیاں یہاں تک ہیں کہ فراش اسلام پر پیدا ہوئے افراد کو بھی اپنے تصرف میں لیتے ہیں۔ اوران کی زبان سے اپنی بات کہلواتے ہیں۔ اس کی زندہ مثالیں سلمان رُشدی اور تسلیمہ نسرین وغیرہ ہیں۔

تیسری شکل یہ ہے کہ اسلامی تعلیمات واحکامات، عقائد وافکار اور اعمال وافعال کے خلاف ایک طوفان کھڑا کردیا جاتا ہے۔ تاکہ لوگ اسلام سے متنفر ہوجائیں اور کبھی تحقیق وتدقیق کے نام پر اس خوبصورتی کے ساتھ مغالطہ آمیز پیرایہ میں علمی کام کیا جاتا ہے کہ لوگ غیر دانستگی اور سادہ لوحی کے باعث اسلام اور

پیغمبر اسلامؐ سے متعلق شکوک وشبہات میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ اس طرح کی علمی و تحقیقی کارگردگی کے لیے مستقل طور پر ایک گروہ ہی سرگرم رہتا ہے۔ جسے مستشرقین کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

اور ہمارے ملک ہندوستان میں جو کہ ایک غیر مذہبی اور جمہوری حکومت ہے۔ جس میں مختلف نسلیں، ذاتیں اور برادریاں رہتی ہیں۔ جن کے مذاہب وعقائد اور رسوم ایک دوسرے سے مختلف اور متفرق ہیں ان سب کے لیے دستورِ ہند میں اُن اُن کے مذاہب و مسالک اور مناہج پر چلنے کی پوری آزادی اور خود مختاری دی گئی ہے۔ لیکن یہاں بھی میڈیا کا رویہ اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ معاندانہ اور منافقانہ اور بسا اوقات جارحانہ رہتا ہے۔ جس کے باعث وقفہ وقفہ سے فتنے ابلتے رہتے ہیں۔ چناں چہ کبھی مغالطہ آمیز اسلوب میں آیات قرآنی کے ذریعہ یہ باور کرانے کی کوشش کی جاتی کہ اسلام اپنے متبعین کو غیر مسلموں کے ساتھ جنگ و جدال کی ترغیب و تشویق اور تحریص دلاتا ہے اور دوسرے مذاہب کے لوگوں کے ساتھ ربط وضبط اور دوستی سے منع کرتا ہے! اور غیر مسلموں پر تشدّد و سختی کو جائز قرار دیتا ہے۔ اور کبھی قرآن کریم کو ممنوع کتاب قرار دینے کے لیے عدالتوں کے دروازے کھٹکھٹائے جاتے ہیں تو کبھی یہ آواز اٹھائی جاتی ہے کہ اسلام کی بعض اصطلاحات کا مفہوم بدل دینا ہوگا جن سے ہندوستانی سماج کے مختلف طبقات میں کشیدگی پیدا ہو سکتی ہے اور امن میں خلل واقع ہو سکتا ہے اور تشدّد کو فروغ مل سکتا ہے۔ اور کبھی وندے ماترم کو موضوعِ بحث بنا کر مسلمانوں کی حب الوطنی پر سوالیہ نشان کھڑا کر دیا جاتا ہے اور کبھی دینی درس گاہوں کو تشدّد آمیز سرگرمیوں کے مراکز اور دہشت گردوں کی پناہ گاہیں قرار دیا جاتا ہے تو کبھی قانون وضابطہ اور تحقیق و تحفظ کے عنوان سے مسلم تنظیموں اور اداروں کی زندگی کے لیے خطرات اور مسائل پیدا کئے جاتے ہیں اور حد تو یہ ہے کہ سیکولر اور جمہوری نظام تعلیم کی سرپرستی میں تعصب و تفرقہ اور عناد پر مشتمل مواد شائع کیا جاتا ہے اور اسکول و کالج کے نصابی کتابوں کے ذریعہ بچوں اور بچیوں اور نوجوانوں کے صاف و شفاف دماغوں میں اسلام اور مسلمانوں سے متعلق غیر تحقیقی اور غیر تاریخی زہر آلود باتیں بٹھائی جاتی ہیں۔

حاصلِ کلام!

عالمی صحافت نے اسلام سے متعلق بدگمانی و سوء فہمی اور مسلمانوں کی کردار کشی و غلط تصویر کشی کی جو تیز رفتار مہم چلا رکھی ہے اس سے ساری دنیا متاثر ہو رہی ہے۔ اگر اس فضا کو سنجیدگی و اثباتی اور تعمیری پہلو کے ساتھ نہیں بدلا گیا تو یہ ایک ایسی تاریخی غلطی ہوگی کہ اس کا خمیازہ ملتِ اسلامیہ کی نئی نسل کو بھگتنا ہی پڑے گا۔ لہذا زمانے کے تغیرات و ترقیات کے مفید پہلوؤں کو تلاش کرنا اور ان سے استفادہ کی راہیں متعین کرنا یہ وقت کی ایک اہم ترین ضرورت ہے۔ پرنٹ میڈیا اور الیکٹرانک میڈیا جس نوع کی گہرائی وگیرائی اور تیز رفتاری کے ساتھ سرگرم عمل ہے اسی نوع کی گہرائی وگیرائی اور تیز رفتاری کے ساتھ ہمیں بھی سرگرم عمل رہنے کی ضرورت ہے۔

(بقیہ صـ 18 پر ملاحظہ ہو)

روئداد دار العلوم لطیفیہ

ادارہ

اللہ تعالےٰ نے اس کائنات میں بے شمار لوگوں کو پیدا فرمایا۔ ان میں سے ایک گروہ ایسا ہے جس کا مقصد صرف قوم کی اصلاح اور قوم کی بہبودی ہے۔ انسان کا دُنیا میں زندگی گزارنا کوئی بڑی بات نہیں۔لیکن حقِ انسانیت کو ادا کرنا بڑی بات ہے۔ ؎

چمن میں پھول کا کِھلنا تو کوئی بات نہیں رہے وہ پھول جو گلشن بنائے صحرا کو

انسان کی سب سے بڑی حقیقت اس کی انسانیت ہے اگر انسان اپنے لیے جیتا ہے تو کوئی کمال نہیں، لیکن اپنی زندگی کو صرف قوم کے لیے صرف کردے یہی کمالِ زندگی ہے۔ اصلاحِ قوم کے لیے کسی نے تقریر و تحریر کا سہارا لیا تو کسی نے اخلاق و تدبیر سے کام لیا۔ یہ اللہ کا خاص فضل ہے کہ جس سے جیسا چاہے اپنے دین کا کام لے۔ ایسے ہی لوگوں میں سے عالی جناب سید شاہ ہلال احمد قادری شطاری نور اللہ مرقدہ بھی ہیں۔ جن کی جواں سال موت نے ہمیں گہرے غم و صدمہ میں مبتلا کردیا۔ جو آج تک ہمیں اس صدمۂ جانکاہ سے چھٹکارہ نہیں ملا۔ موصوف کی بے لوث خدمات جو دار العلوم کے طلباء و اساتذۂ کرام کے لیے رہیں، کبھی نہیں بُھلا سکتے۔ آپ اپنے اخلاق و تدبیر کی وجہ سے ایک منصبِ جلیلہ پر فائز رہے۔ آپ کی ذاتِ گرامی ہمارے لیے ایک مشعلِ راہ ثابت ہوی۔

آغازِ سال نو

طلبۃ العلوم کا داخلہ مورخہ ١١ر شوال المکرم ١٤٢٨ھ مطابق 24ر اکٹوبر 2007ء بروز چہار شنبہ ہوا۔

دورۂ حدیث

بحمد اللہ ٨ر ذیقعدۃ الحرام ١٤٢٨ھ مطابق ١٩ر نومبر 2007ء بروز پیر دار العلوم کے وسیع ہال میں بخاری شریف اور مسلم شریف دورۂ حدیث کا آغاز بدستِ عالی جناب ڈاکٹر مولانا حضرت ابو محمد سید شاہ عثمان قادری صاحب ایم اے، پی، ایچ ڈی، ناظم دار العلوم لطیفیہ کی دعاؤں سے ہوا۔ اور ناظم موصوف کی دعاؤں سے مورخہ ٢٧ر رجب المرجب ١٤٢٩ھ مطابق 31ر جولائی 2008ء بروز جمعرات پایۂ تکمیل کو پہنچا۔

انجمن دائرۃ المعارف کا افتتاحی اجلاس

مورخہ 22 ر نومبر 2007ء روز پنجشنبہ بعد نماز ظہر انجمن دائرۃ المعارف کا افتتاحی اجلاس منعقد ہوا۔ جس کی صدارت عالی جناب حضرت ڈاکٹر مولانا ابو محمد سید شاہ عثمان قادری صاحب ناظم دارالعلوم نے فرمائی۔ جلسہ کا آغاز قرأت کلام پاک و نعتِ رسول ؐ سے ہوا۔ بعد ازاں دارالعلوم کے استاذ محترم حضرت مولانا مولوی حافظ الحاج ڈاکٹر بشیر الحق قریشی قادری صاحب نے آئے ہوئے مہمانِ خصوصی کا تعارف کرایا۔ صدر جلسہ کی اجازت سے مہمان خصوصی حضرت مولانا مولوی حافظ قاری محمد کمال الدین صاحب لطیفی، امام و خطیب مسجد ارکونم نے طلبۃ العلوم سے خطاب فرمایا۔ دورانِ خطاب آپ نے طلبائے عزیز کو تقویٰ، پرہیزگاری اور حصولِ علم کی ترغیب دلائی۔ یہ جلسہ حاضرین کا شکریہ اور صدر جلسہ کی دعاؤں کے ساتھ اختتام پذیر ہوا۔

اسبابِ صحت

دارالعلوم کے وسیع و عریض میدان میں طلبۃ العلوم بعد نمازِ عصر مختلف قسم کے گیمس کھیلتے ہیں اور اپنے دل و دماغ کو ترو تازہ کر لیتے ہیں۔

نویدِ مسرت

بحمداللہ! دارالعلوم کے اکثر طلباء ترولور یونیورسٹی ویلور سے افضل العلماء، منشی فاضل، ادیب فاضل وغیرہ کے امتحانات میں شرکت کر کے نمایاں کامیابی حاصل کی۔

دارالعلوم کے امتحانات

اساتذۂ کرام کی نگرانی میں مورخہ ۲۸ ربیع الاول ۱۴۲۹ھ سے ششماہی امتحان شروع ہوئے۔ مسلسل ایک ہفتہ تک جاری رہے۔ نیز مورخہ 29 رجب المرجب ۱۴۲۹ھ مطابق 2 ر اگسٹ 2008ء سالانہ امتحانات شروع ہوئے۔ مورخہ ۱۳ ر اگسٹ چہارشنبہ تک جاری رہے۔

عبا پوشی و اعطائے اسناد

فضیلت مآب عالی جناب ڈاکٹر مولانا ابو محمد سید شاہ عثمان پاشاہ قادری صاحب ناظم دارالعلوم لطیفیہ کے زیر اہتمام مورخہ ۱۰ ر شعبان المعظم ۱۴۲۹ھ مطابق ۱۳ ر اگسٹ 2008ء بروز چہارشنبہ دارالعلوم کا سالانہ اجلاس بڑے پیمانے پر منعقد ہوا۔ جس میں مقتدر علمائے کرام اور قابل ترین علم دوست حضرات مدعو تھے۔ ناظم موصوف نے اپنے دستِ فیض اقدس سے فارغین کو عبا اور اسناد عطا فرمایا۔

تقسیم انعامات

اسی دن شام میں ایک دوسری نشست منعقد ہوئی جس میں درسیات، مقالہ نویسی، مقابلہ تحریر و تقریر اور

گیمس و اسپورٹس میں اول و دوم آنے والے طلباء کو انعامات سے نوازا گیا۔ نیز عہدیداروں کو ان کی خدمات کے صلہ میں مختلف قسم کے انعامات دیے گئے۔

ھدیۂ تشکر

ادارہ ان اطباء اور ڈاکٹروں کی خدمت میں تہِ دل سے ہدیۂ تشکر پیش کرتا ہے جنہوں نے طلباء کی صحت و تندرستی کا خاص خیال رکھا۔ نیز ادارہ ان تمام مدیرانِ اخبارات کا بھی تہِ دل سے مشکور و ممنون ہے، جنہوں نے دار العلوم کی تمام کارروائیوں کی رپورٹ کو اپنے موقر جریدوں میں اولین وقت میں شائع فرمایا۔

بالخصوص ادارہ جناب کاتب محمد شریف برکاتی صاحب آمبور اور عالی جناب شاعرِ اعظم سید علیم الدین المعروف علیم صبا نویدی صاحب مدراس کا تہِ دل سے شکریہ ادا کرتا ہے اور ان کی اہلیۂ محترمہ کے انتقالِ پُر ملال پر تعزیت پیش کرتا ہے اللہ تعالیٰ مرحومہ کی مغفرت فرمائے اور اعلیٰ علیین میں جگہ عطا فرمائے۔ اور جناب علیم صبا نویدی اور ان کی اکلوتی بیٹی ڈاکٹر جاویدہ حبیب کو صبرِ جمیل اور اجرِ جزیل عطا فرمائے۔

ہم اللہ رب العزت سے دست بہ دعا ہیں کہ ان تمام حضرات اور عوام و خواص، جو دار العلوم سے عقیدت رکھتے ہیں ان دنیا و آخرت میں سرخروئی عطا فرمائے۔ آمین بجاہِ سید المرسلین صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ ●●●

بقیہ افتتاحیہ 18 سلسلہ

ہمارے احتجاجات و دفاعی اقدامات اور ہمارے ہی ماحول میں بلند ہونے والی آوازوں اور ہمارے ہی حلقہ میں پھیلنے والی اردو صحافت سے تغیرات و اصلاحات اور مفید اثرات کی امید لیے بیٹھے رہنا یہ کوئی زمانہ شناسی نہیں ہے۔ خذما صفا ودع ما کدر (مفید چیز لے لو اور مضر چھوڑ دو) کے اصول پر عمل کرنے ہی میں سلامتی اور ترقی ہے: ؎

آئینِ نو سے ڈرنا طرزِ کہن پہ اڑنا ۔۔۔ منزل یہی کٹھن ہے قوموں کی زندگی میں

بقیہ صفحہ 67 کا "جواھر السلوک"

میں ظہور پذیر ہیں اور یہ بھی فرماتے ہیں کہ ودین الحق لیظہرہٗ علی الدین کلہ ۔ اللہ کا ظہور ہر وہ دین جو اس عالم میں ہے۔ اس پر پوری طرح سے قادر ہے اور عمل میں لاتا ہے۔ اس طرح ہر دو اعتبارات میں اس کی وجہ کمال کا ثبوت موجود ہے اور اسی وجدان کے لحاظ سے نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم خاتم النبیین کی حیثیت میں اس دنیا میں نمودار ہوئے اور یہ عجوبۂ روزگار ہے کہ دورانِ عمل نیکی اور ابطال میں عقاید کے پیشِ نظر ہر وہ عمل جو بشر سے صادر ہو رہا ہے۔ منشاءِ الٰہی کے تابع ہے۔ ●●●



جواہر القرآن

مولوی حافظ ابوالنعمان ڈاکٹر بشیر الحق قریشی ایم اے، پی ایچ ڈی؛

المطففین، قرآن کریم کی تراسیویں (۸۳) سورۃ طیبہ ایک رکوع اور چھتیس (۳۶) آیات پر مشتمل ہے اور اس کے نزول سے متعلق مفسرین کرام کی دو (۲) رائیں ہیں۔ ایک رائے یہ کہ یہ سورۃ مکۂ مکرّمہ میں نازل ہوی۔ دوسری رائے یہ ہے کہ یہ مدینۂ منوّرہ میں نازل ہوی۔ تیسری رائے یہ ہے کہ نبیٔ کریم صلے اللہ علیہ وسلم جب سوئے مدینہ چل پڑے تو اثنائے راہ میں نازل ہوی۔ اس سورۃ کی ابتدائی چھ آیتوں میں سماج کی اندر پھیلی ہوی ایک غیر اخلاقی عادت اور برائی بیان کی گئی ہے۔ اس کے بعد دس آیتوں میں جرائم پیشہ اور بدکردار انسانوں کے اعمال و افعال ایک دفتر میں درج ہونے کی صراحت کی گئی ہے اور انھیں آگاہ اور مطلع کیا گیا ہے کہ ان کی یہ روش آخرت میں ان کے لیے نقصان و خسران کا باعث ہوگی۔ اس کے بعد دس آیتوں میں نیک اور صالح افراد کے اعمال و افعال کے دفتر میں اندراج اور ان کی کتابِ اعمال کے تحفظ اور آخرت میں ان کو ملنے والی عنایات و نوازشات کا بیان ہے۔ اس کے علاوہ جنّت کی بے پناہ نعمتوں پر چند کی مختصر وضاحت اور اہلِ ایمان کے لیے خوش خبری و تسلی اور ان کے لیے کامیابی و کامرانی کی بشارت ہے۔ اور اہلِ کفر کے لیے تذلیل و پشیمانی اور عتاب و عذاب کی صراحت ہے۔

اس سورۃ کی ابتداء میں جس برائی اور بدی کی مذمت کی گئی ہے وہ ہے ناپ تول میں کمی۔ یہ اخلاقی مرض مکۂ مکرمہ میں بھی پایا جاتا تھا۔ لیکن مدینۂ منوّرہ میں اس کی کثرت تھی۔ مدینۂ منوّرہ ایک تجارتی اور بین الاقوامی شہر تھا۔ یہاں یہود و نصاریٰ اور مختلف قبائل آباد تھے۔ یہودیوں کی پکڑ تجارت پر بڑی مضبوط تھی اور وہ ناپ تول میں کمی اس ہشیاری اور مکاری کے ساتھ کیا کرتے تھے کہ لوگوں کو ان کے ہاتھ کی صفائی کا پتہ بھی نہیں چلتا تھا۔ نبیٔ کریم صلے اللہ علیہ وسلم جب مدینۂ منوّرہ فروکش ہوئے تو آپؐ نے دیکھا کہ یہاں کے لوگ دوسروں سے سودا لیتے ہیں تو پورا پورا لے رہے ہیں اور جب خود سودا دیتے ہیں تو اس میں کمی کر رہے ہیں۔ اس صورت حال کی اصلاح و تبدیلی اور درستگی کے لیے آپؐ نے مرنے کے بعد کی زندگی اور اس زندگی میں اعمال باز پرسی، حساب و کتاب اور سزا کی تفصیلات بیان کیں تاکہ لوگ اس غلط روش سے باز آجائیں۔

چناں چہ مدنی دور کی اصلاحات اور تعلیمات میں سے اولین تعلیم ناپ تول کی کمی کا انسداد ہے۔ آپؐ نے سب سے پہلے مدینۂ منوّرہ میں سورۃ المطففین کی تعلیمات و تاکیدات کی نشر و اشاعت کی۔

مفسرِ قرآن عبداللہ بن عباسؓ کا بیان ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ پہنچنے کے بعد سب سے پہلی سورۃ جو نازل ہوئی وہ المطففین ہے۔ حضرت قتادہؓ اور حضرت ضحاکؒ کا بیان ہے کہ یہ سورۃ مدنی ہے۔ اس کی صرف چند آیات مکی ہیں۔ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی ہدایات و تعلیمات اور تنبیہات کا اثر اس قدر ہوا کہ سارا سماج اس برائی اور گناہ سے دُور ہو گیا اور لوگوں میں ایک ایسا انقلاب آگیا کہ اس کے اثرات آج بھی باقی ہیں اور مدینۂ منورہ کے باشندوں کے ناپ تول میں توازن اور صحت و درستگی ایک مثالی حیثیت رکھتی ہے۔

مطففین، تطفیف سے مشتق ہے۔ اس کا معنی ہے ناپ تول میں کم کرنا اور مطفف وہ شخص ہے جو غلّہ و اناج کے تولنے ناپنے میں کمی کرے اور اپنا حق پورا پورا حاصل کرے اور دوسروں کا حق مارے۔ قدیم زمانہ میں عام طور پر معاملات ناپ تول کے ذریعے طے پاتے تھے۔ لیکن موجودہ زمانہ میں فروخت اور لین دین کے طریقوں میں جدید آلات کے ذریعہ بڑی وسعت پیدا ہو گئی ہے۔ لیکن ان آلات کے ذریعہ کسی صاحبِ حق کے حق میں کمی ہو جائے تو حق بجانب قرار نہیں دیا جا سکتا اور اس کو تطفیف ہی کہا جائے گا۔ تطفیف خرید و فروخت کی چند اشیاء میں کم کرنے کا نام نہیں ہے بلکہ لوگوں کے حقوق میں کمی کرنا بھی تطفیف ہے۔ اور لوگوں کا اپنے فرائض و واجبات اور ذمہ داریوں کو ادا نہ کرنا بھی تطفیف ہے۔ اس موضوع کی جامع وضاحت صاحبِ "معارف القرآن" علّامہ مفتی محمد شفیع پاکستانی کی زبان سے سُنیے:

موطا امام مالک میں ہے کہ حضرت عمرؓ بن الخطاب نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ نماز کے رکوع، سجدے وغیرہ پورے نہیں کرتا۔ جلدی جلدی نماز ختم کر ڈالتا ہے۔ تو اس کو فرمایا: **لقد طففت** یعنی تو نے اللہ کے حق میں تطفیف کر دی۔

فاروقِ اعظم کے اس قول کو نقل کر کے حضرت امام مالکؒ نے فرمایا: **لکل شیء وفاء و تطفیف**:

یعنی پورا حق دینا یا کم کرنا، ہر چیز میں ہے۔ یہاں تک کہ نماز، وضو طہارت میں بھی۔ اور اسی طرح دوسرے حقوق اللہ اور عبادات میں کمی کوتاہی کرنے والا تطفیف کرنے کا مجرم ہے۔ اسی طرح حقوق العباد میں جو شخص مقررہ حق سے کم کرتا ہے وہ بھی تطفیف کے حکم میں ہے۔ مزدور ملازم نے جتنے وقت کی خدمت کا معاہدہ کیا ہے اس میں سے وقت چرانا اور کم کرنا بھی اس میں داخل ہے۔

ناپ تول میں کمی دوسرے لفظوں میں حق دار کے حق میں کمی کے مترادف اور ہم معنی ہے۔ انسانوں کے حق کو ادا نہ کرنا اور دانستہ طور پر اُن کا حق مارنا، یہ ایک ایسا گناہ ہے جس کی معافی اللہ کی بارگاہ میں بھی نہیں۔ جب تک کہ صاحبِ حق خود ہی اپنے حق سے دست بردار نہ ہو جائے۔

اسی لیے نبیؐ کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے بندوں کے حقوق کی ادائیگی کے باب میں بڑی تاکیدات فرمائی اور لوگوں کو نصیحت کی کہ دنیا ہی میں حق داروں کا حق ادا کر دو اور ان سے لین دین، صلح صفائی اور معافی کے ذریعہ اپنا دامن پاک کر لو اور اللہ تعالے کے حضور اس حال میں پہنچو کہ تمہارے کندھوں پر کسی کے حق کا بوجھ نہ رہے اور آخرت کا دن ایسا دن ہوگا کہ کوئی بھی اپنا حق معاف کرنے کے لیے تیار نہ ہوگا۔ آپؐ نے اس شخص کو مفلس قرار دیا جس کے پاس نماز، روزہ اور حج وغیرہ جیسی عبادات کا ذخیرہ تو ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس نے کسی کا مال چھین لیا اور کسی صاحبِ حق کو اس کا حق ادا نہ کیا اور کسی پر ظلم وستم کو روا رکھا۔ لوگ اپنے حق کا مطالبہ کریں گے اور ظلم و زیادتی کا فیصلہ چاہیں گے۔ اس وقت بارگاہِ خداوندی سے یہ حکم صادر ہوگا کہ اس شخص کی نیکیاں ان لوگوں میں تقسیم کی جائیں اور جب نیکیاں ختم ہو جائیں گی لوگ اور رہ جائیں گی تو بارگاہِ الٰہی سے یہ فیصلہ سنا دیا جائے کہ ان لوگوں کے گناہ اس شخص کے نامۂ اعمال میں شامل کر دیا جائے پھر اس کے بعد وہ شخص حقوق تلفی اور ظلم وجور کی پاداش میں دوزخ کے حوالہ ہو جائے گا۔ ایسے ہی بدنصیب شخص کو نبیؐ کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی اُمّت کا مفلس کہا ہے۔

قرآن کریم کی متعدد آیات میں ناپ تول میں کمی کرنے کی ممانعت اور مذمت آئی ہوئی ہے۔ سورۂ بنی اسرائیل میں ہے: واوفوا الکیل اذا کلتم وزنوا بالقسطاس المستقیم ذلک خیر واحسن تاویلا ۔ یعنی پیمانہ بھر کر دو اور صحیح ترازو سے تولو۔ یہی روش صحیح ہے اور اس کا انجام بھی بہتر ہے۔

اور جو شخص اپنے تجارتی معاملات کو صحیح رکھتا ہے تو لوگ بھی اس پر اعتماد کرتے ہیں۔ اس سے کاروبار بھی خوب پھیلتا اور فائدہ بھی خوب ہوتا ہے اور آخرت میں بھی ثواب ملتا ہے۔ اس کے برعکس جو شخص اپنے تجارتی معاملات کو صحیح نہیں رکھتا وہ سماج میں قابلِ اعتماد نہیں رہتا اور اس عدم اعتماد کی وجہ سے اس کا کاروبار بھی نہیں پھیلتا اور وہ تجارتی فوائد و منافع سے محروم ہو جاتا ہے اور آخرت میں بھی عذاب و عتاب کا سزاوار ٹھہرتا ہے۔ اسی لیے قرآن کریم نے کہا: ذلک خیر واحسن تاویلا ۔

انسانی تاریخ میں جو قومیں جن گناہوں کی پاداش میں ہلاک ہوئیں ان میں سے ایک گناہ ناپ تول میں کمی بھی ہے۔ حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم جو مدین میں آباد تھی، وہ اسی ناپ تول میں کمی کے گناہ کی پاداش میں ہلاک ہوی۔ اس بستی کے سارے لوگ ناپ تول میں کم کرنے کے عادی ہو چکے تھے اور ان کے اندر یہ اخلاقی مرض اس قدر پھیل چکا تھا کہ ان کے ذہنوں میں ناپ تول میں کمی کے گناہ ہونے کا احساس بھی ختم ہو چکا تھا۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے انھیں پہلوؤں سے اس جرم سے باز آنے کی تلقین کی۔ لیکن قوم پر کوئی اثر نہیں ہوا۔ سورہ ہود کا مضمون ہے۔

والی مدین اخاھم شعیباً ۔ قال یقوم اعبدوا اللہ مالکم من الٰہ غیرہ ولا تنقصوا المکیال والمیزان انی ارٰکم بخیر وانی اخاف علیکم عذاب یوم محیط ۔ ویقوم اوفوا الکیل و المیزان بالقسط ولا تبخسوا الناس اشیاءھم ولا تعثوا فی الارض مفسدین ۔ بقیت اللہ خیر لکم ان کنتم مؤمنین وما انا علیکم بحفیظ ۔

اور ہم نے اہلِ مدین کی جانب ان کے بھائی شعیبؑ کو بھیجا ۔ انہوں نے کہا : اے میری قوم ! اللہ کی عبادت کرو ، اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں ہے اور ناپ تول میں کمی نہ کیا کرو ۔ آج میں تمہیں خوش حال اور آسودہ حال دیکھ رہا ہوں ۔ مگر مجھے خوف ہے کہ کل تم پر ایسا دن آئے گا جس کا عذاب تم سب کو گھیر لے گا ۔ میری قوم ! انصاف کے ساتھ پورا پورا ناپو اور تولو ۔ اور لوگوں کو ان کی چیزیں کم نہ دو اور زمین پر فساد پھیلاتے نہ پھرو ۔ اگر تم مؤمن ہو تو اللہ تعالیٰ کا حلال کیا ہوا جو بچ رہے وہ تمہارے لیے بہتر ہے اور میں تمہارے اوپر داروغہ نہیں ہوں ۔

مدین اور اہلِ مدین کے متعلق صاحبِ "تفہیم القرآن" کا یہ تحقیقی بیان ملاحظہ کیجیے :

"مدین کا اصل علاقہ حجاز کے شمال مغرب اور فلسطین کے جنوب میں بحرِ احمر اور خلیج عقبہ کے کنارے پر واقع تھا ۔ مگر جزیرہ نمائے سینا کے مشرقی ساحل پر بھی اس کا کچھ سلسلہ پھیلا ہوا تھا ۔ یہ ایک بڑی تجارت پیشہ قوم تھی ۔ قدیم زمانہ میں جو تجارتی شاہراہ بحرِ احمر کے کنارے یمن سے مکہ اور ینبوع ہوتی ہوئی شام تک جاتی تھی ۔ اور ایک دوسری تجارتی شاہ راہ جو عراق سے مصر کی طرف جاتی تھی اس کے عین چوراہے پر اس قوم کی بستیاں واقع تھیں ۔ اسی بنا پر عرب کا بچہ بچہ مدین سے واقف تھا اور اس کے مٹ جانے کے بعد بھی عرب میں اس کی شہرت برقرار رہی ۔ کیوں کہ عربوں کے تجارتی قافلے مصر اور شام کی طرف جاتے ہوئے رات دن اس آثارِ قدیمہ کے درمیان سے گزرتے تھے ۔

اہلِ مدین دراصل حضرت ابراھیم علیہ السلام کے صاحب زادے مِدْیان کی طرف منسوب ہیں جو اُن کی تیسری بیوی قطورا کے بطن سے تھے ۔ قدیم زمانہ کے قاعدے کے مطابق جو لوگ کسی بڑے آدمی کے ساتھ وابستہ ہو جاتے تھے ، وہ رفتہ رفتہ اسی کی آل اولاد میں شمار ہو کر بنی فلاں کہلانے لگتے تھے ۔ اسی قاعدے پر عرب کی آبادی کا بڑا حصہ بنی اسماعیل کہلایا ۔ اور اولادِ یعقوب کے ہاتھ پر مشرف باسلام ہونے والے لوگ سب کے سب بنی اسرائیل کے جامع نام کے تحت کھپ گئے ۔ اسی طرح مدین کے علاقہ کی ساری آبادی بھی جو مدیان ابن ابراھیم علیہ السلام کے زیرِ اثر آئی ۔ بنی مدیان کہلائی اور اُن کے ملک کا نام بھی مدین یا مدایان کے نام سے مشہور ہو گیا ۔"

ناپ تول میں کمی کرنے سے آدمی کو بظاہر فائدہ معلوم ہوتا ہے اور وہ اپنے اس عمل سے خوش ہوجاتا ہے کہ میں نے اتنا غلّہ واناج اور چیزوں کو بچا لیا ہے۔ لیکن یہ قلیل ترین فائدہ اپنے جلو میں کثیر نقصانات لے آتا ہے اور جب یہ اخلاقی مرض ایک فرد سے دوسرے فرد اور دوسرے سے تیسرے فرد کو اپنے پیٹ میں لیتا ہے تو اس کا دائرہ پھیلتے پھیلتے پوری قوم اور پورے سماج کو گھیر لیتا ہے۔ اس کے بعد ساری قوم قحط کا شکار ہوجاتی ہے۔

امام قرطبیؒ نے ذکر کیا ہے کہ نبئ کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: پانچ گناہ ایسے ہیں جن کے ارتکاب سے پانچ مصیبتیں پہنچتی ہیں۔ (1) وہ قوم جو وعدہ خلافی اور عہد شکنی کرتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے دشمن کو اس کے اوپر مسلط اور غالب کر دیتا ہے۔ (2) اور جو قوم اللہ کی شریعت کو پس پشت ڈال دیتی ہے اور انسانوں کے وضع کردہ قانون پر عمل کرتی ہے تو اس میں فقر اور احتیاج عام ہوجاتا ہے۔ 3۔ اور جو قوم زناکاری اور بدکاری میں مبتلا ہوجاتی تو اللہ تعالےٰ اس کو مہلک امراض میں مبتلا کر دیتا ہے۔ 4۔ اور جو قوم ناپ تول میں کمی کرتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس قوم کو قحط میں مبتلا کر دیتا ہے۔ 5۔ اور جو قوم زکوٰۃ ادا نہیں کرتی تو اللہ تعالےٰ بارش کا نزول بند کر دیتا ہے۔

ناپ تول میں کمی یا برابری کا مسئلہ ایسا ہے کہ صرف اسی ایک عمل سے کسی قوم اور سماج کے اچھے یا برے ہونے کا فیصلہ کیا جا سکتا ہے اور یہ ایک روشن اور معلوم حقیقت ہے کہ جس سماج کے اندر ناپ تول میں کمی نہیں ہے تو ایسے سماج میں امانت داری، دیانت داری، وعدہ وفائی، زبان کی سچائی اور اعتمادِ باہمی کی فضا پھیلی رہتی ہے اور جس سماج کے اندر ناپ تول میں کمی ہے تو ایسے سماج میں لوگوں کے درمیان معاملات صحیح نہیں رہتے۔ زبانیں سچی نہیں رہتیں۔ لین دین میں درستگی اور صفائی نہیں رہتی امانتیں محفوظ نہیں رہتیں۔ چیزوں میں ملاوٹ رہتی ہے۔ لوگوں کے درمیان ایک دوسرے پر اعتماد نہیں رہتا اور ہر وقت دھوکہ دہی کا خدشہ پھیلا رہتا ہے۔ اور یہ ساری خرابیاں اور برائیاں ناپ تول میں کم کرنے کے باعث پیدا ہوجاتی ہیں۔ اسی لیے قرآن کریم نے آخرت کا تصور دلاتے ہوئے اور ایک عمل کے حساب کی بات کہتے ہوئے لوگوں کو اس مذموم اور نقصان دہ عمل و کردار سے دور رہنے کی ہدایت فرمائی اور اس مرض سے نجات دلانے والی چیز صرف حساب کتاب اور سزا و جزا کا عقیدہ ہے اس کے لیے اور کوئی اصلاحی اور تادیبی کارروائی سود مند اور نتیجہ خیز ثابت نہ ہوگی۔ چناں چہ نبئ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طریقۂ تعلیم و اصلاح سے مدینۂ منورہ کے سماج کو بدل دیا۔ جو اس دور میں ایک بین الاقوامی اور تجارتی و مرکزی سماج تھا۔ آپ صلے اللہ علیہ وسلم کی تعلیم و تربیت اور صحبت کی برکت سے ایک عظیم انقلاب برپا ہوا اور لوگوں کے معاملات درست ہوگئے اور وہ تعمیر و ترقی

اور تمدن کے میدانوں میں آگے بڑھتے چلے گئے۔ مدینۂ منوّرہ کے باشندوں کی غیر معمولی ترقی نے دوسری قوموں اور ملکوں کے لیے غور و فکر کرنے پر مجبور کر دیا۔ چناں چہ روم کی حکومت نے اپنے ایک قاصد کو مدینۂ منوّرہ بھیجا تاکہ مخفی طور پر حالات کی تحقیق کرے۔ یہ ایلچی مدینۂ منوّرہ پہنچا تو وہاں کے بازاروں اور تاجروں کو اپنی تحقیق کا مرکز اور محور بنایا اور کئی دن تک گھوم پھر کر خاموشی اور پوشیدگی کے ساتھ لوگوں کے معاملات کا بڑی گہرائی کے ساتھ جائزہ لیا اور اپنے وطن واپس چلا گیا اور سربراہانِ مملکت کے سامنے صرف دو جملوں میں رپورٹ دے دی لَا یَخْدَعُ وَلَا یُخْدَعُ : مسلمان نہ دھوکا دیتے ہیں اور نہ دھوکہ کھاتے ہیں۔ ایک غیر مسلم سراغ رساں محقق کے جملوں سے یہ حقیقت آشکار ہو جاتی ہے کہ صحابۂ کرامؓ کا دھوکا نہ دینا، ان کے معاملات درست ہونے کی علامت ہے اور دھوکہ سے محفوظ رہنا ان کی فراست کی علامت ہے اور ان ہی دو باتوں میں ان کی دینی اور دنیاوی ترقی کا راز پنہاں تھا۔

چھوٹے ناپ سے اوروں کو دینا اور بڑے ناپ سے خود لینا بظاہر یہ ایک معمولی سا عمل نظر آتا ہے لیکن یہی ایک عمل کسی مسلمان کے لیے سوءِ خاتمہ کا سبب بن سکتا ہے۔ اور ایک مسلمان کے لیے سوءِ خاتمہ سے زیادہ تباہ کن اور ہلاکت خیز بات اور نہیں ہو سکتی۔ اسی لیے ہر مسلمان کی خواہش اور دعا یہی رہتی ہے کہ اسے حسنِ خاتمہ کی دولت حاصل ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ یہ دولت ہر مسلمان کو نصیب کرے۔

شاہ بلیغ الدین نے اپنی مدون کتاب "روشنی" میں دو واقعات نقل کیے ہیں جو بڑے عبرت خیز ہیں: ملاحظہ کیجیے:

"ایک شخص تھا ابو جہینہ، بڑا چلتا پرزہ۔ اس نے اپنے پاس دو طرح کے بٹ اور ناپ رکھے تھے۔ لین دین میں کھلا دھوکا کرتا تھا۔ رب العزت نے سورۃ المطففین میں اسی کی طرف اشارہ کیا ہے۔

وہ شخص جو سکرات کے عالم میں اپنے بستر پر پڑا ایڑیاں رگڑ رہا تھا۔ جب اس کی تکلیف دیکھی نہ گئی تو کسی نے کہا: کوئی جائے اور حضرت مالک بن دینار کو اپنے ساتھ لائے۔ وہ اللہ کے نیک بندے ہیں، شاید ان کی دعا سے یہ اس مصیبت سے چھوٹ جائے۔ تیمارداروں میں سے ایک شخص دوڑا دوڑا ان کی خدمت میں پہنچا۔ آپ اس کے ساتھ چلے آئے اور بیمار کو دیکھا۔ ایک لمحہ اس کی حالت جو سنبھلی تو مالک بن دینار نے پوچھا: تمہارا کیا حال ہے؟ ٹوٹتی سانس میں بڑی مشکل سے بولا: آگ، آگ، دو پہاڑ، دو پہاڑ۔

معلوم ہوا کہ آگ کے دو پہاڑ اس کے سامنے تھے اور ان پر چڑھنے کا حکم تھا۔ جیسے ہی وہ ایک قدم اوپر رکھتا آگ میں کھبن جاتا۔ سکرات کے عالم میں یہ ہولناک منظر اس کی آنکھوں میں تھا اور اس کی نبض ابھرتی ڈوبتی تھی۔ معلوم ہوتا اب دم توڑ دے گا۔ لیکن سانس پھر لوٹ آتی۔

مالک بن دینار نے پوچھا: یہ کیا کام کرتا تھا؟ کسی نے کہا: بیوپار۔ اس کی کوئی ترازو کوئی پیمانے ہیں؟ گھر والوں نے کہا: دو پیمانے ہیں۔ ایک بڑا جس سے وہ خود مال لیتا تھا اور ایک چھوٹا جس سے ناپ کر وہ مال بیچا کرتا تھا۔

حضرت مالک نے کہا: ان دونوں پیمانوں کو فوراً لے آؤ۔ وہ پیمانے آئے تو آپ نے انھیں وہیں توڑ دیا۔ پھر اس کے سرہانے پہنچے: پوچھا: اب کیا حال ہے؟ وہ رک رک کر بولا وہی حال ہے بلکہ شدت بڑھتی جا رہی ہے معلوم ہوا کہ ناپ تول میں گڑبڑ کرنے والوں کا عذاب بڑا سخت ہے۔

مالک بن دینار نے بہت کوشش کی کہ توبہ کے دو بول اس کی زبان سے نکل جائیں۔ لیکن جس عذاب میں وہ مبتلا تھا اس نے اُسے کہیں کا نہ رکھا۔

ارض الریاض میں ہے: ایک اور ایسا ہی بدنصیب تھا۔ وہ کم تولتا تھا لیکن ترازو، بٹ اور پیمانے گرد سے اٹے رہتے۔ ان کی مٹی نہ جھاڑتا۔ مرنے لگا تو اسی طرح سکرات کی مصیبت میں مبتلا ہو گیا۔ بار بار اُسے کلمے کی تلقین کی جاتی مگر زبان سے کلمہ نہ نکلتا تھا۔ اس سے پوچھا گیا: کیا بات ہے؟ کلمہ کیوں نہیں پڑھتے۔ بڑی مشکل سے اس نے بتلایا کہ جب کلمہ پڑھنا چاہتا ہوں، ترازو کا کانٹا میری زبان پر لگ جاتا ہے۔ بیوی، بچے حسرت سے دیکھتے اور دعا مانگتے تھے کہ اس کا دم نکل جائے لیکن اس کا دم حلق میں اٹک جاتا آر ہوتا نہ پار ہوتا۔"

حاصل کلام! سورۃ المطففین کی ابتدائی آیات ہی ہماری اس تحریر کا کلیدی اور مرکزی موضوع ہے۔ وہ آیات اور ان کا مفہوم خیز ترجمہ بھی پڑھ لیجیے:۔

ویل للمطففین الذین اذا اکتالوا علی الناس یستوفون ○ واذا کالوھم او وزنوھم یخسرون الا یظن اولئک انھم مبعوثون لیوم عظیم یوم یقوم الناس لرب العالمین ○

ناپ تول میں کمی کرنے والوں کے لیے بڑی خرابی اور بڑی تباہی ہے۔ جب کہ وہ لوگوں سے اپنا حق ناپ تول کر لیتے ہیں، تو پورا پورا لیتے ہیں اور جب لوگوں کو ناپ تول کر دیتے ہیں تو گھٹا دیتے ہیں۔

کیا ایسے لوگوں کو اس بات کا یقین نہیں ہے انھیں مرنے کے بعد دوبارہ جی اٹھنا ہے۔

انھیں اس دن سے خوف کھانا چاہیے، جس دن سارے انسان اللہ تعالےٰ کے سامنے کھڑے ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہم سب کو دوسروں کے حق مارنے سے محفوظ رکھے۔

آمین بجاہ سید المرسلین وآلہٖ وصحبہٖ اجمعین ○

جواہر الحدیث

مرض اور مریض احادیث کی روشنی میں

مولوی حافظ ڈاکٹر بشیر الحق قریشی یم،اے، پی، ایچ ڈی،

مرض اور صحت ایک دوسرے کی ضد ہیں اور یہ دونوں بیک وقت جمع نہیں ہوسکتے۔ صحت ہے تو مرض نہیں۔ مرض ہے تو صحت نہیں۔ ہر شخص کی زندگی میں ولادت سے لے کر وفات تک یکے بعد دیگرے مرض وصحت کی آمد ورفت کا سلسلہ چلتے رہتا ہے۔ زندگی میں صحت کی بڑی اہمیت ہے بلکہ صحت ہی زندگی ہے۔ اسی لیے صحت کو برقرار اور باقی رکھنے کے لیے ہر ممکن جدوجہد اور تدبیر کرنی چاہیے۔ اگر کسی آدمی کو صحت نہ ہو اور وہ معذور ہوجاے تو روزمرہ کی ذاتی ضروریات کھانا پینا، چلنا پھرنا، اٹھنا بیٹھنا اور دیگر ضروریات وحاجات کو پورا کرنے سے قاصر رہتا ہے۔ ایسی صورت میں وہ بیوی بچوں، رشتہ داروں و دوستوں اور پڑوسیوں اور عام انسانوں کے کیا کام آسکتا ہے۔ اسی لیے شریعتِ مطہرہ میں صحت کی بقا وحفاظت اور مرض کے ازالہ کی بڑی تاکید آئی ہے۔ تاکہ ایک مسلمان حج وروزہ اور جہاد جیسی عبادات کو حسن و خوبی کے ساتھ ادا کرسکے اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر جس پر سارے سماج کی صحت اور بقا کا انحصار ہے، اس کو عزم وحوصلے اور قوت وطاقت کے ساتھ انجام دے سکے اور لوگوں کو نفع پہنچانے میں سرگرمِ عمل رہ سکے اور ان کو ضرر اور شر سے محفوظ رکھنے میں کوشاں رہ سکے۔ لوگوں میں سب سے اچھا آدمی وہی ہے جو دوسروں کے لیے نفع بخش ہو: **خیر الناس من ینفع الناس**: فیض رساں آدمی بننے کے لیے صحت ایک ضروری چیز ہے۔ حضرت ابوہریرہ کی روایت ہے: **المومن القوی خیر واحب الی اللہ من المومن الضعیف وفی کل خیر** نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں ضعیف وکمزور مومن کے مقابلہ میں طاقتور مومن اللہ تعالےٰ کے نزدیک زیادہ محبوب اور پسندیدہ ہے اور خیر ہر ایک میں موجود ہے۔

ہر آدمی موسمیات، ماحولیات، ماکولات، مشروبات اور خونی وضمنی اثرات وغیرہ کی وجہ سے مرض کا شکار ہوتے رہتا ہے۔ موجودہ زمانہ میں صنعت وحرفت کی نئی نئی ایجادات اور زہریلے جنگی ہتھیارات اور مصنوعی

غذاؤں، دواؤں کے باعث آئے دن نئے نئے مہلک اور متعدی امراض پیدا ہو رہے ہیں۔ جن کی وجہ سے انسانی زندگی کو ان گنت خطرات لاحق ہو رہے ہیں اور امراض کی کثرت اور عمومیت کا عالم یہ ہے کہ کوئی ایسا خاندان مشکل ہی سے مل سکتا ہے کہ اس کے افراد مرض کے چنگل سے آزاد ہوں۔ آج انسان کی زندگی ایک ایسی راہ پر آکھڑی ہے کہ زندگی کے لیے غذا سے کہیں زیادہ دوا ضروری بن چکی ہے۔ انسانی تاریخ کے ہر دور میں مختلف امراض پیدا ہوتے رہے ہیں اور انسان ان کے ازالہ اور خاتمہ کے لیے مسلسل دوائیں تلاش کرتے آرہا ہے اور علاج و معالجہ کی راہیں نکال رہا ہے۔ سائنسی اور طبی ایجادات نے ایسے ایسے امراض کی دوائیں بھی ڈھونڈ نکالی ہیں جو کبھی لاعلاج تصور کیے گئے تھے۔ اسلامی نقطۂ نظر سے کوئی مرض لاعلاج نہیں ہے۔ اللہ نے کسی ایسے مرض کو پیدا نہیں کیا ہے جس کی دوا نہ ہو۔ البتہ اس دوا کی تحقیق و یافت اور علاج کی شکل و صورتیں انسان کی ذہنی صلاحیتوں اور جسمانی کاوشوں اور حکیمانہ تدبیروں اور ترکیبوں پر منحصر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ زمانہ کی رفتار کے ساتھ ساتھ علاج و معالجہ کے نت نئے طریقے سامنے آرہے ہیں۔ بدلتے ہوئے زمانے کے ساتھ نئے طریقہائے علاج کو اختیار کرتے ہوئے امراض کا علاج کروانا چاہیے۔

نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے ان الفاظ میں دوا کے استعمال کی ہدایت دی: ان اللہ انزل الداء والدواء وجعل لکل داء دواء، فتداووا، ولا تداووا بالحرام: (ابوداؤد) اللہ نے بیماری اور اس کی دوا دونوں نازل کی ہے اور ہر مرض کی دوا رکھی ہے۔ لہٰذا تم مرض کے ازالہ کے لیے دواؤں کا استعمال کرو اور حرام چیز کو دوا نہ بناؤ۔

نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے ایسی عبادتوں اور ریاضتوں سے منع فرمایا ہے جن کی وجہ سے آدمی کی صحت متاثر ہو جائے اور وہ بیمار ہو جائے۔ عبداللہ بن عمرؓ کی روزہ داری اور شب بیداری کا علم ہوا تو آپؐ نے انھیںؓ طلب فرمایا اور یہ نصیحت کی: صم وافطر وقم ونم فان لجسدک علیک حقاً وان لعینک علیک حقاً وان لزوجک علیک حقاً وان لزورک علیک حقاً: (بخاری) روزے بھی رکھو اور روزے چھوڑ بھی دو۔ رات میں عبادت بھی کرو اور سو بھی جاؤ۔ اس لیے کہ تمہارے نفس کا بھی تمہارے اوپر حق ہے اس کو ادا کرو۔ تمہاری آنکھوں کا بھی تم پر حق ہے اور تمہاری بیوی کا بھی تم پر حق ہے اور تمہارے مہمانوں کا بھی تم پر حق ہے۔ سب کے حقوق ادا کرو۔

اس حدیث میں اعمال میں توازن اور اعتدال کی تعلیم موجود ہے اور اس کے ذریعہ یہ ہدایت بھی ہے کہ صحت و تندرستی کا خاص خیال رکھو۔ صحت ہے تو حقوق کی ادائیگی ہو سکتی ہے۔ خواہ وہ حقوق اللہ ہوں یا حقوق العباد۔ انسان کی زندگی میں بعض ایسی چیزیں ہیں۔ جن کی موجودگی کو غنیمت جانتے ہوئے اپنی دنیا اور آخرت کو بہتر بنا لینا چاہیے۔ اس کے پہلے کہ وہ چیزیں چھین لی جائیں۔ جیسے شباب ہے۔ بڑھاپا آنے سے پہلے اس نعمت سے جتنا فائدہ حاصل کر سکتے ہیں فائدہ حاصل کر لینا چاہیے۔ اسی طرح صحت ہے۔ بیماری آنے سے پہلے صحت سے جو فائدے حاصل کر سکتے

ہیں حاصل کرلینا چاہیے ورنہ صحت چلی جانے کے بعد کف افسوس ملتے رہ جاؤگے۔ اس طرح فرصت کے لمحات کوکام میں لانا چاہئے۔

مرض خواہ کسی نوعیت کا ہو، وہ ایک تکلیف دہ چیز ہے۔ مریض ذہنی وجسمانی تکلیف کے علاوہ خارجی تکالیف اور مسائل سے بھی دوچار ہوجاتا ہے۔ اس کی خدمت کے لیے افراد واشخاص کی ضرورت ہوتی ہے اور علاج کی سہولت اور دوا کی تحصیل کے لیے روپیوں کی سخت ضرورت ہوتی ہے۔ موجودہ زمانہ میں ہر مرض کی تحقیق اور تشخیص کے لیے مختلف گوناگوں ٹسٹوں کا ایک ایسا طویل سلسلہ قائم ہوچکا ہے کہ ایک متوسط اور غریب آدمی ان ٹسٹوں ہسپتالوں اور قیمتی دواؤں کا بوجھ برداشت نہیں کرسکتا۔ ایسے حالات میں ایک مومن کے لیے بڑی آزمائشوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اسی لیے حضور اکرمؐ نے بیماری، غم وحزن، تکلیف ومصیبت پر صبر وضبط کی ہدایت فرمائی اور مرض وغیرہ کو گناہوں کا کفارہ قرار دیا۔

حضرت ابوسعیدؓ اور حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک مسلمان کو جوبھی مصیبت وتکلیف پہنچتی ہے اور غم وحزن لاحق ہوتا اور مرض لاحق ہوجاتا ہے، یہاں تک کہ اس کے پیروں میں ایک کانٹا بھی چبھ جائے تو اللہ تعالیٰ ان مصیبتوں اور تکلیفوں کے ذریعہ اس کی خطاؤں ولغزشوں اور گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔

عن ابی سعید وابی ھریرۃ رضی اللہ عنھما عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: مایصیب المسلم من نصب ولا وصب ولا ھم ولا حزن ولا اذی ولا غم حتی الشوکۃ یشاکھا الا کفر اللہ بھا من خطایاہ (متفق علیہ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ جب کسی بندے کے ساتھ خیر کا ارادہ فرماتا ہے تو اس بندہ کی جانب مصیبت رُخ کرتی ہے اور جب یہ مصیبت اس کے جسم پر واقع ہوتی ہے تو یہ مرض اس کے گناہوں کے لیے کفارہ بن جاتا ہے۔ عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم من یرد اللہ بہ خیرا یصیب منہ: (رواہ البخاری)

مرض کی مصیبت وتکلیف میں صبر وضبط کا مظاہرہ کرنا انتہائی ہمت اور حوصلہ کی بات ہے اور یہ ایمان میں کمالیت اور مضبوطی کی نشانی اور اللہ کے فیصلہ سے راضی رہنے کی نشانی ہے۔ ہر آدمی کے دل کی کیفیت یکساں نہیں ہوتی۔ بعض آدمی کے دل مصیبت وتکلیف سے بے چین اور مضطرب ہوجاتے ہیں اور بسااوقات مرض وغیرہ کی مصیبتوں سے آدمی موت کی تمنا کرنے لگتا ہے اور خود کو ہلاک کرنے کے درپے ہوجاتا ہے۔ اسی لیے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے موت کی تمنا کرنے سے منع فرمایا۔ ایسے حالات میں زندگی یا موت کا اختیار اللہ تعالےٰ کو سونپ دینا چاہیے اور اس کی رضا کو پیش نظر رکھنا چاہیے اور تسلیم کا شیوہ اختیار کرنا چاہیے اور دعا میں یوں عرض کرنا چاہیے کہ: اے

اللہ تعالیٰ! زندگی میرے لیے بہتر ہے تو زندہ رکھ اور اگر موت میرے لیے بہتر ہے تو مجھے دنیا سے اٹھا لے۔

عن انس رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم لا یتمنین الموت لضر اصابہ فان کان لابد فاعلاً فلیقل اللّٰھم احینی ما کانت الحیاۃ خیرا لی وتوفنی اذا کانت الوفاۃ خیراً لی: (متفق علیہ)

موت کی تمنّا کا مسئلہ مذکورہ حالات میں ناپسندیدہ قرار پاتا ہے تو بعض دوسرے حالات میں پسندیدہ قرار پاتا ہے۔ جیسے کوئی بندہ اللہ تعالےٰ کے شوقِ دیدار میں موت کی تمنّا کرے، یا اللہ تعالےٰ کی راہ میں شہید ہونے کی تمنّا کرے۔ یا مقدس شہروں جیسے مکۂ مکرمہ، مدینۂ منورہ اور یروشلم (بیت المقدس کے جوار) میں دفن ہونے کی تمنّا کرے یا حضرات انبیاء اور حضرات اولیاء کے قریب و پہلو میں دفن ہونے کی تمنّا کرے یا دین میں فتنہ کے خوف سے موت کی تمنّا کرے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ فرماتی ہیں: میں نے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سُنا: اللّٰھم اغفرلی وارحمنی والحقنی بالرفیق الاعلیٰ: ایک قول کے مطابق رفیق اعلیٰ سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذاتِ اقدس ہے اور ایک قول کے مطابق مقرب فرشتے، انبیاء، شہداء اور صالحین ہیں۔ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ آرزو بھی احادیث میں ملتی ہے: اقتل ثم احیی: میں راہِ خدا میں مارا جاؤں پھر زندگی ملے تو شہید ہو جاؤں پھر زندگی ملے تو پھر شہادت پاؤں۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے یہ تمنّا کی: توفنی مسلما والحقنی بالصٰلحین: اے اللہ! مجھے ایمان کی حالت میں موت دے اور مجھے صالحین کے ساتھ ملا دے۔

حضرت سعدؓ مکہ مکرمہ میں بیمار تھے۔ فتح مکہ کے موقعہ پر نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم ان کی عیادت کے لیے گھر تشریف لے گئے۔ اس موقعہ پر حضرت سعد نے آنحضرتؐ کے سامنے اپنی یہ تمنّا ظاہر کی کہ: اللہ کے رسولؐ! آپؐ دعا فرمائیے میری موت مکہ مکرمہ میں واقع نہ ہو۔ میں مدینۂ منورہ میں مرنا چاہتا ہوں۔ آنحضرتؐ نے فرمایا: اللہ نے چاہا تو تمہاری تمنّا پوری ہوگی۔

دین میں فتنہ سے محفوظ رہنے کے لیے موت کی تمنّا کی مثال حضرت ابوہریرہؓ سے ملتی ہے: چنانچہ آپؓ نے دعا فرمائی: اے اللہ! میں نوخیز کمینے چھوکروں کی حکومت سے پناہ مانگتا ہوں۔ صحابہؓ نے ان کی زبان سے یہ بات سُنی تو پوچھا: کم عمر کمینے چھوکروں کی حکومت کے کیا معنی ہیں؟ جواب دیا: اگر تم نے ان کی اطاعت کی تو ہلاک ہو گئے۔ یعنی تمہارا دین و ایمان تباہ ہو جائے گا۔ اور اگر تم نے ان کی اطاعت نہ کی تو وہ تمہیں ہلاک کر ڈالیں گے۔

حضرت ابوہریرہؓ کا اشارہ یزید کے فتنہ کی طرف ہے۔ یزید سن ۶۰ ہجری میں منصب خلافت پر فائز ہوا۔

اس کا خلیفہ بن جانا ہی دین میں ایک عظیم فتنہ تھا۔ اور اس فتنہ کے اثرات آج بھی موجود ہیں۔ اس فتنہ سے محفوظ رہنے کے لیے حضرت ابوہریرہؓ نے موت کی تمنا کی جو پوری ہوی۔ اللّٰھم لا تدرکنی سنۃ ستین ولا امارۃ الصبیان (فتح الباری) اے اللہ! ساٹھ ہجری کا زمانہ شروع ہونے سے پہلے مجھے دنیا سے اٹھالے اور میں ان کمینہ چھوکروں کی حکومت کا دور نہ پاؤں۔

مرض کے تعلق سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم یہ ہے کہ حرام چیزوں کے ذریعہ علاج نہ کیا جائے۔ آپؐ نے صاف صاف لفظوں میں فرمایا: فتداووا، ولا تتداووا بحرام: تم بیماریوں کا علاج ضرور کرو لیکن اس چیز کو دوا نہ بناؤ جسے اللہ نے حرام قرار دیا ہے۔

شراب کے بارے میں امام ابوداؤد اور امام ترمذی کی روایت میں یہ وضاحت موجود ہے کہ ایک سائل نے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: خدا کے رسولؐ! کیا ہم شراب کو علاج اور دوا کے طور پر استعمال کر سکتے ہیں؟ آپؐ نے جواب دیا: نہیں! شراب تو خود ہی ایک بیماری ہے۔ پھر وہ کیسے مرض کا مداوا بن سکتی ہے! انہ لیس بدواء ولکنہ داء۔

عبداللہ بن عمرؓ کے بارے میں امام بیہقی کا بیان ہے کہ وہ اپنے گھر والوں اور متعلقین میں سے کسی کے علاج کے لیے حکیم کو بلاتے تو اس پر یہ پابندی عائد کرتے تھے کہ اللہ نے جن چیزوں کو حرام قرار دیا ہے ان میں سے کسی کو آپ دوا میں شامل نہیں کریں گے۔ کان ابن عمرؓ اذا دعا طبیبا یعالج بعض اصحابہ اشترط علیہ ان لا یداوی بشئ مما حرم اللہ عزوجل۔

عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں: ان اللہ لم یجعل شفاءکم فیما حرم علیکم: اللہ نے حرام چیز میں شفا تم نہیں رکھی ہے۔

علامہ ابن قیم فرماتے ہیں:

کسی حرام چیز کو دوا بنانے کے لیے ترغیب دلانا بھی مقصود شرع کے خلاف ہے۔ کیوں آدمی علاج اور دوا کے خیال سے اس کی طرف مائل ہوتے چلے گئے تو ان کے لیے لذت اور شہوت کا دروازہ کھل جائے گا اور اس کے علاوہ کسی حرام چیز کے استعمال سے جب آدمی کے ذہن میں یہ تصوّر قائم ہوجائے کہ اس کے اندر شفاء موجود ہے تو لامحالہ اسی خیال کے ساتھ یہ تصوّر بھی اس کے سطح ذہن پر ابھر سکتا ہے کہ یہ چیز کتنی نفع بخش ہے۔ جس کو اسلام نے بلاوجہ حرام قرار دے دیا۔ ایک معمولی بات پر آدمی کے ایمان اور عقیدہ کی بنیاد بھی متزلزل ہوجائے گی۔ لہٰذا اسلام میں جو چیز حرام ہے، اس سے ہر طریقہ اور ہر زاویہ سے اجتناب ہی بہتر ہے۔

اس مقام پر یہ وضاحت بھی ضروری معلوم ہوتی ہے کہ علاج اور دوا کے معاملہ میں کبھی ایسی صورت حال

پیش آجائے کہ دوائیں تیار کرتے میں کسی حرام چیز کو شامل کئے بغیر کوئی چارہ ہی نہ ہو تو اس وقت مسلمان کیا قدم اٹھائیں؟ اس کا حل یہ نکالا جا سکتا ہے کہ ایسی صورت حال کو "ضرورت" قرار دیا جائے اور "ضرورت" ایک ایسی وقتی مجبوری ہے کہ اس کی وجہ سے حرام چیز بھی عارضی طور پر حلال ہو جاتی ہے۔ اور جیسے ہی وہ ضرورت ختم ہو جائے وہ حرام چیز دوبارہ حرمت کے دائرہ میں لوٹ جاتی ہے۔ الضرورات تبیح المحظورات۔

لفظ "ضرورت" اپنے اندر بڑی گہرائی اور وسعت رکھتا ہے۔ چنانچہ شریعت نے خود اس کی تعریف بھی کی ہے کہ آدمی کے لیے کسی حرام چیز کا استعمال انتہائی ناگزیر ہو اور اس کے استعمال کے بغیر زندگی کا بچنا ناممکن دکھائی دے تو ایسی نازک صورتِ حال میں محض بقائے زندگی کی خاطر حرام چیز کو بقدر ضرورت استعمال کرنے کی اجازت ہے۔ اور اس میں یہ شرط بھی ملحوظ رکھی گئی ہے کہ وہ حرام چیز ضرورت سے زیادہ استعمال نہ ہونے پائے اور اس کے استعمال میں بھی تحصیل لذت اور خواہش کا کوئی پہلو نہ ہو۔ یہی وجہ ہے کہ قرآنِ کریم نے خنزیر، خون اور مردار کے استعمال کی اجازت دی بھی تو یہ شرط لگائی کہ کھانے میں لذت اور خواہش نہ ہو اور ضرورت سے بڑھ کر استعمال نہ کیا جائے، ورنہ گناہ گار ہوگا۔ فمن اضطر غیر باغ ولا عاد (البقرہ) یہی وجہ تھی کہ فقہاء نے فرمایا: الضرورۃ تتقدر بقدرھا: ضرورت کی شرعی حیثیت واضح کرنے کے بعد یہ بات صاف ہو گئی کہ "ضرورت" سے مراد وہ ضرورت نہیں جسے ہر کوئی ضرورت سمجھے اور اپنے مفاد اور منفعت کی خاطر کسی حرام چیز کو "ضرورت" کا سہارا لے کر حلال قرار دینے لگے تو شریعت میں یہ اسی قسم کا عمل قرار دیا جائے گا جس کی مرتکب قومِ موسیٰ ہو چکی ہے۔ اسی لیے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو یہ نصیحت فرمائی: لا ترتکبوا کما ارتکب الیھود ولا تستحلوا محارم اللہ بادنی الحیل: تم یہودیوں کی طرح اللہ کی حرام کردہ چیزوں کو حیلہ کے ذریعہ حلال بنانے کی کوشش مت کرو۔

علاج و دوا کے لیے حرام اشیاء استعمال کرنے کے مسئلہ میں علماء اور فقہاء کے درمیان بڑی بحثیں ہوئیں۔ ان میں سے اکثریت کا موقف یہ ہے کہ علاج اور دوا کے لیے محرمات کا استعمال ناجائز ہے۔ علمائے احناف کا موقف بھی یہی ہے: لایجوز التداوی بالمحرم: (رد المختار) حرام اشیاء کے ذریعہ علاج جائز نہیں۔ بعض فقہاء نے بیماری کو "ضرورت" اور اضطرار کی نگاہ سے دیکھا ہے۔ جس کی وجہ سے ان کے نزدیک حرام چیز کو دوا بنانے کی اجازت ہے۔

موجودہ زمانہ میں یوروپی اور امریکی قومیں دواساز کمپنیوں پر پوری طرح سے حاوی اور قابض ہیں۔ اور وہی نئے نئے امراض کی تحقیق کر رہے ہیں۔ اور ان کے لیے مختلف دوائیں تیار کر رہی ہیں۔ اور عام طور پر جو بھی نئی نئی دوائیں اور انجکشن وغیرہ مارکیٹ میں آ رہے ہیں وہ سب ان کی تیار کردہ ہوتی ہیں اور مسلمانوں کے پاس عالمی سطح

پر کوئی ایسی دواساز کمپنی نہیں ہے۔ جو حلال اور حرام کے مسئلہ کو سامنے رکھتے ہوئے دوائیں تیار کرسکے۔ اس صورتِ حال کا نتیجہ یہ ہے کہ آج مسلمان بعض ایسی دوائیں استعمال کر رہے ہیں، جن میں حرام اشیاء کی شمولیت ہے۔ اس حالت کو "ضرورت" کی نگاہ سے دیکھنا شاید صحیح نہ ہوگا۔ کیوں کہ شریعت کا تو مطالبہ یہ ہے کہ مسلمان خود ہی ایسی دواساز کمپنیاں قائم کریں جن میں تیار ہونے والی دوائیں حرام چیزوں کی آمیزش سے پاک وصاف ہو۔

نبیٔ کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: العلم علمان، علم الادیان وعلم الابدان: علم دو ہیں ایک ادیان کا علم دوسرا ابدان کا علم۔ یہ حدیث ادیان کا علم حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ ابدان کا علم حاصل کرنے کی ترغیب دے رہی ہے تاکہ علم ابدان (سائینس، میڈیکل، سرجری وغیرہ) سے غفلت اور بے توجہی کی وجہ سے مسلمانوں کے دین وایمان میں فساد کی صورت پیدا نہ ہو اور وہ جسمانی صحت کے حصول کے لیے ایسی چیزوں کا استعمال نہ کر بیٹھیں جن سے ان کی روحانی زندگی فوت ہوجاے۔ موجودہ زمانہ میں کسی حد تک یہ صورتِ حال پیدا ہوچکی ہے۔ مسلمان علم ابدان سے غافل ہونے کی وجہ سے دوا وعلاج کے معاملہ میں مغربی اور یوروپی قوموں کے محتاج نظر آرہے ہیں اور دانستہ وغیر دانستہ طور پر ایسی دوائیں استعمال کرنے پر مجبور نظر آرہے ہیں اس طرح کی صورتِ حال کو فقہ کی زبان میں "عموم بلویٰ" کہا جاتا ہے۔

امراض کے علاج کے معاملہ میں نبیٔ کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی یہ بھی ہدایت ہے کہ مریض کا علاج ماہر ڈاکٹر سے کیا جاے۔ چناں چہ ایک حدیث شریف میں ذکر ہے کہ ایک صحابی بیمار ہوے تو آپؐ اُن کی عیادت کے لیے اُن کے گھر تشریف لے گئے اور افرادِ خانہ سے پوچھا: تمہارے محلہ میں کوئی حکیم ہے؟ جواب ملا: دو تین حکیم ہیں۔ آپؐ نے فرمایا: ان میں جو زیادہ تجربہ کار اور ماہر ہے اسی کو بلاؤ۔

امراض کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ بعض امراض متعدی ہیں اور بعض امراض متعدی نہیں ہیں اور ان میں سے کون کون سے امراض متعدی اور غیر متعدی ہیں۔ ان کی صحیح صورتِ حال تو تحقیق وریسرچ کی مدد سے سامنے آسکتی ہے۔ لہٰذا مریض اور صحت مند آدمی ہر دو کے لیے احتیاطی طبی تدابیر اختیار کرنا چاہیے۔ عدم احتیاط کی صورت میں کسی بیماری کے جراثیم سے ایک طرف مریضوں کے لیے صحت وشفا مشکل بن جاے تو دوسری طرف تندرستوں کو بیماری گھیر نہ لے۔ احتیاط ایک محمود روش ہے۔ لیکن اس احتیاط میں مرض کی چھوت چھات کا عقیدہ رکھنا غیر محمود روش ہے۔ ہر حال میں اللہ پر نظر اور توکل ہونا چاہیے۔ خالق الاسباب کے ارادے کے بغیر اسباب کا کوئی اثر نہیں۔ اسی لیے نبیٔ کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لاعدویٰ (بخاری) بیماری لگ جانے کا اعتقاد نہ رکھو۔ بیماریوں کے جراثیم پھیل جانے کے باعث لوگوں کا بیمار ہونا ایک الگ چیز ہے اور عقیدہ ایک دوسری چیز ہے۔ لہٰذا اس حدیث سے یہ مفہوم اخذ

کرنا شاید صحیح نہیں کہ بیماریوں کے جراثیم سے صحت مند افراد متاثر نہیں ہوسکتے۔ جب کہ آج جدید طبی آلات کی مدد سے یہ حقیقت مشاہدہ میں آچکی ہے کہ بعض امراض متعدی ہیں۔ ایسی صورت میں حدیث کے مفہوم کی تحدید ہوسکتی ہے کہ اس میں چھوت چھات کی جاہلانہ اور مشرکانہ عقیدہ کی تردید ہے تاکہ لوگ مریض کے ساتھ دل آزار دوری اور دل شکن رویہ اختیار نہ کریں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

امراض کا علاج صدقہ کے ذریعہ کرنے کا حکم ہے۔ نبیٔ کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی حدیث: داووا مرضاکم بصدقة: اپنے مریضوں کا علاج صدقہ سے کرو۔

عبداللہ بن مبارک کے پاس ایک شخص آیا اور ان سے عرض کیا کہ میرے گھٹنے میں ایک زخم ہے اور میں سات سال سے ہر قسم کا علاج کروا رہا ہوں لیکن کسی سے فائدہ نہیں ہوا۔ یہ سن کر آپ نے فرمایا: جس علاقہ میں پانی کی قلت اور تکلیف ہے، وہاں ایک کنواں بنوا دو۔ اس آدمی نے ایسا ہی کیا تو اس کا زخم اچھا ہوگیا۔

ابوعبداللہ حاکم جو دنیائے حدیث کے معروف محدث ہیں۔ ان کے چہرے پر کاری زخم ہوگیا تھا انھوں نے بہت کچھ علاج کروایا۔ لیکن وہ زخم اچھا نہیں ہوا۔ ایک مرتبہ انھوں نے اپنے استاذ حضرت ابوعثمان صابونی سے اس زخم کا ذکر کیا۔ اور اس کے چنگا ہونے کے لیے دعا کی درخواست کی۔ یہ جمعہ کا دن تھا۔ حضرت صابونی نے بہت دیر تک دعا کی۔ حضرت ابوعبداللہ حاکم ان کے پاس سے واپس ہو گئے۔ دوسری جمعہ آپہنچی۔ ایک خاتون حضرت صابونی کی خدمت میں حاضر ہوی اور ایک پرچہ ان کی خدمت میں پیش کی۔ جس میں یہ لکھا تھا کہ میں نے اپنے گھر میں ابوعبداللہ حاکم کی صحت کے لیے دعا کی۔ میرے خواب میں سرکار دوعالم صلے اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور فرمایا: حاکم سے کہو کہ وہ مخلوق پر پانی کی وسعت کرے۔

حضرت صابونی نے اس ہدایت نبوی کو حاکم تک پہنچایا۔ تو انھوں نے پانی کی سبیل قائم کی۔ جس کے بعد ان کا زخم خود بخود اچھا ہوگیا۔

ایک اور حدیث شریف میں ہے کہ صدقہ بلا کو دور کردیتا ہے: الصدقة تدفع البلاء بعض بیماریاں بھی کسی حد درجہ میں بلا ہیں۔ ایسی صورت میں صدقہ و خیرات کے ذریعہ بیماری کو دور کرنا چاہیے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت ہے: قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم بادروا بالصدقة فان البلاء لا یتخطاها (مشکوٰۃ) نبیٔ کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: صدقہ کرنے میں جلدی کرو کیوں کہ بلا اور آفت صدقہ کو پھاند نہیں سکتی۔

اس حدیث سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ ایک بیماری ہی کیا بلکہ ہر کام اور ہر معاملہ میں پہلے پہل

اللہ کی راہ میں صدقہ کرنا چاہیے۔ کیوں کہ کوئی بلا آنے والی ہو تو وہ صدقہ کی وجہ سے رک جاتی ہے۔

ایک اور حدیث شریف میں ہے: الصدقۃ تدفع غضب الرب: صدقہ اللہ کے غضب کو دور کردیتا ہے۔ بیماری کی حالت میں صدقہ کرنے سے اس کی ایک تاثیر یہ ہو سکتی ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ مریض کے کسی عمل سے ناراض ہے تو صدقہ سے اس کا غضب دور ہو جائے گا اور اللہ تعالیٰ کی رحمت مریض کو گھیر لے گی۔

ایک اور حدیث شریف میں ہے کہ صدقہ آدمی کو سوء خاتمہ سے محفوظ رکھتا ہے۔ بیماری ہی میں صدقہ کرنے کی ایک تاثیر یہ بھی سامنے آتی ہے کہ اگر مریض اس مرض میں فوت ہونے والا ہو تو اسے صدقہ کی وجہ سے حسنِ خاتمہ نصیب ہوگا۔ صدقہ کی تاثیر سے آدمی اپنی موت کے وقت شیطان کے وسواوس وخطرات سے محفوظ رہے گا اور مرض کی شدّت وتکلیف میں کلماتِ کفر کہنے سے محفوظ رہے گا اور ناگہانی موت سے محفوظ رہے گا اور سوء خاتمہ سے محفوظ رہے گا۔

"کنز العمال" کی ایک حدیث میں یہ ذکر ملتا ہے کہ مریضوں کا علاج صدقہ سے کرو کیونکہ صدقہ بیماریوں کو دور کرتا ہے اور عمر میں اضافہ کرتا ہے۔

صدقہ سے عمر میں اضافہ کا مسئلہ محل نظر ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ قرآن کریم کی رُو سے عمر میں نہ زیادتی ہو سکتی ہے اور نہ کمی ہو سکتی ہے۔ اذا جاء اجلھم لا یستاخرون ساعۃ ولا یستقدمون لیکن بعض احادیث کی رو سے نہ صرف صدقہ سے عمر میں اضافہ ہوتا ہے۔ بلکہ والدین کے ساتھ حسنِ سلوک سے بھی عمر میں اضافہ ہوتا ہے: لایرد القضاء الا الدعا ولایزید العمر الا فی برالوالدین قضا وقدر میں کوئی تبدیلی نہیں لیکن دعا سے تقدیر بدل جا سکتی ہے۔ عمر میں اضافہ نہ ہوگا لیکن والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کی وجہ سے عمر بڑھادی جائے گی۔

عمر میں زیادتی کے دو مفہوم اخذ کئے جا سکتے ہیں: ایک مرادی اور دوسرا حقیقی

عمر کی درازی کا مرادی مفہوم یہ ہے کہ عمر میں خیر وبرکت بڑھادی جاتی ہے اور یہ ایک معنوی چیز ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کوئی شخص اپنی مختصر عمر میں ایسے ایسے حیرت انگیز اور کثیر اعمال وافعال کو انجام دیتا ہے کہ دوسرے اشخاص طویل عمر نصیب ہونے کے باوجود انجام نہیں دے سکتے۔

درازئ حیات کا دوسرا مفہوم حقیقی معنی میں بھی لیا جا سکتا ہے۔ کہ صدقہ کی وجہ سے کسی شخص کی عمر میں حقیقتاً اضافہ ہو جائے اس مفہوم کے لیے قرآنِ کریم کی ان آیتوں سے تائید ملتی ہے۔

یمحوا اللہ ما یشاء ویثبت وعندہ ام الکتاب ان اللہ یحکم ما یرید۔

استاذ محترم حضرت مولانا سید حمید اشرف کچھوچھوی علیہ الرحمہ اپنے ایک مضمون "صدقہ کی اہمیت اور فضیلت" میں رقمطراز ہیں :۔

درازی عمر سے خاص عمر ہی کی زیادتی مراد ہو اور اس کا تعلق تقدیر مطلق سے ہو۔ جس میں کمی یا زیادتی فرشتوں کے علم کے اعتبار سے ہوتی ہے۔ فرشتے سمجھتے ہیں کہ فلاں نیکی کی وجہ سے بندہ کی عمر میں اضافہ ہوگیا، حالاں کہ اللہ تعالیٰ کے علم میں پہلے ہی سے اس کی عمر مشروط تھی کہ اگر بندہ نے فلاں نیکی کرلی تو اس کی عمر مقررہ میں اضافہ کردیا جائے گا اور اللہ تعالیٰ کو یہ بھی معلوم ہے، بندہ نیکی کرے گا یا نہیں کرے گا۔ لہذا باری تعالیٰ کے علم کے لحاظ سے کوئی تبدیلی نہیں ہوگی۔

بعض روایات میں آیا ہے کہ ایک دن حضرت داؤد علیہ السلام کے پاس ملک الموت علیہ السلام بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک خوب صورت و نیک سیرت جوان وہاں آیا۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے اس کی بڑی تعریف کی۔ حضرت ملک الموت نے کہا: آپ کا ارشاد بجا ہے لیکن اب اس کی عمر پوری ہوچکی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حکم دیدیا ہے کہ سات دن گزرنے کے بعد اس کی روح قبض کرلی جائے۔ حضرت داؤد علیہ السلام کو اس خبر سے بڑا غم ہوا۔ سات دن کے بعد آپ نے دیکھا کہ وہی جوان خوش و خرم چلا آرہا ہے۔ بہت متعجب ہوئے۔ دل میں خیال کیا: شاید مجھ کو سننے میں غلطی ہوئی ہو! ملک الموت نے بجائے سات دن کے سات ماہ یا سات برس کہا ہو۔ پھر جب ملک الموت سے ملاقات ہوئی تو انھوں نے بتایا کہ جوان کی عمر واقعی ایک ہفتہ تک پوری ہوگئی تھی۔ لیکن اپنی وفات کے دن اس نے فقراء و مساکین پر صدقہ و خیرات کیا۔ فقراء نے اس کے لیے دعا کی۔ جس کی برکت سے اللہ نے اس کی سات دن کی عمر کو سات سال میں بدل دیا۔ (اللطیف: ۱۳۸۹ھ)

امراض کے علاج و معالجہ میں دواؤں کو موثر سمجھ لینا اور ان ہی پر کامل توجہ اور انہماک رکھنا یہ ایک غیر ایمانی روش ہے۔ دوائیں کتنی ہی صحیح اور قیمتی ہوں وہ مرض کو ختم نہیں کرسکتیں اور شفا دے نہیں سکتیں جب تک کہ ان دواؤں میں اللہ تعالیٰ تاثیر نہ دے اور مریض کے لیے صحت اور شفا کا ارادہ نہ کرے۔ اسی لیے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے امراض کی مصیبتوں کا دفاع دعاؤں سے کرنے کا حکم دیا ہے۔ اس لیے ایک مسلمان کو چاہیے کہ دواؤں کے استعمال کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ سے صحت کی دعا مانگتے رہنا چاہیے۔ عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم پر لازم ہے کہ شہد اور قرآن سے شفا چاہو: علیکم بالشفائین العسل والقرآن ٥

شہد ایک مادی چیز ہے اور قرآن ایک غیر مادی چیز ہے۔ اس حدیث سے ایک بات یہ سمجھ میں آتی ہے کہ مادیت اور روحانیت' دونوں کے ساتھ رشتہ قائم رکھنا چاہیے۔ اسباب میں الجھ کر خالق الاسباب کی جانب التفات نہ کرنا اور خالق الاسباب پر نظر کرتے ہوئے اسباب سے دست کش ہونا یہ دونوں چیزیں

شریعتِ مطہرہ میں غیر محمود ہیں۔ ہاں! اگر کسی بندۂ مومن کا قلب، قلبِ سلیم ہے اور وہ اسباب کی جانب چنداں التفات نہ کرے تو یہ اس کی انفرادی کیفیت اور تفرد ہے۔ جیسا کہ بعض اہل اللہ سے اس قسم کے فعل کا صدور رہا۔ لیکن یہ روشِ فکر و عمل، عام اہلِ ایمان کے لیے نہیں ہے۔ ان کے لیے اسباب بھی ضروری ہیں اور خالقِ اسباب کی جانب التفات بھی ضروری ہے۔ اسی لیے نبیٔ کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک طرف (تداووا، علاج کرواؤ) فرما کر مادی علاج کی طرف توجہ دلائی تو دوسری طرف روحانی علاج کا حکم دیا: من لم یستشفیٰ با لقرآن فلا شفاء اللہ تعالیٰ: جو شخص قرآن کریم سے شفاء حاصل نہ کرے اللہ تعالےٰ اسے شفاء نہ دے۔

قرآن کریم سے صحت یابی اور شفاء یابی کی ایک صورت یہ ہے کہ مریض قرآنِ کریم کی تلاوت کرے اور اپنے اوپر پھونک لے اور دوسرے لوگ بھی قرآن کریم پڑھ کر مریض پر دم کریں۔ سارا قرآن ذہنی، جسمانی روحانی اور قلبی امراض کے لیے شفاء ہی شفاء ہے۔ خصوصیت کے ساتھ سورۃ الفاتحہ کے بارے میں نبیٔ کریم صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: عن عبداللہ بن عمر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی فاتحۃ الکتاب شفاء من کل داء (مشکوٰۃ) سورۂ فاتحہ کا ایک نام سورۃ شفاء بھی ہے۔ حضرت عبداللہ رضؓ سے مروی ہے کہ فاتحہ میں ہر مرض کے لیے شفاء ہے۔ اس کے آغاز اور اختتام پر درود شریف پڑھ کر مریض خود پڑھ دم کرلے یا اس پر دم کیا جائے تو صحت اور شفاء حاصل ہوگی۔

حضرت عائشہ رضؓ فرماتی ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مزاج جب کبھی ناساز رہتا تو آپؐ معوذتین پڑھ کر اپنے ہاتھوں پر پھونک لیتے اور بدن پر پھیر لیتے۔ آپؐ کے مرضِ وفات پر معوذتین میں پڑھ کر آپؐ کے ہاتھوں پر پھونک دیتی۔ آپؐ کا دستِ مبارک آپؐ کے جسمِ مبارک پر پھیرتی تھی۔ اس لیے کہ آپؐ کا دستِ اقدس میرے ہاتھ کے مقابلہ میں مبارک تھا۔

عن ابی عبداللہ عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ انہ شکا الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وجعاً یجدہ فی جسدہ، فقال لہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ضع یدک علی الذی یألم من جسدک و قل بسم اللہ ثلاثاً وقل سبع مرات اعوذ بعزۃ اللہ وقدرتہ من شر ما اجد واحاذر۔ (مسلم)

عثمان بن العاص کا کہنا ہے کہ میرے جسم میں ایک مقام پر تکلیف تھی۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے عرض کی تو فرمایا: مقامِ تکلیف پر ہاتھ رکھ کر تین مرتبہ بسم اللہ پڑھو اور سات مرتبہ یہ دعا پڑھو۔ میں نے ایسا ہی کیا تو تکلیف ختم ہوئی۔ اس کے بعد میں نے دوسروں کو اس کی تلقین کی۔ وہ دعا یہ ہے:

اعوذ باللہ وقدرتہ من شر ما اجد واحاذر (مسلم) میں اللہ تعالےٰ کی ذات اور اس کی قدرت سے اس تکلیف سے پناہ طلب کرتا ہوں جو مجھے اس وقت موجود ہے اور جس سے میں خوف کھاتا ہوں۔

اس قسم کے عمل کو حدیث کی زبان میں "رقیۃ" کا لفظ آیا ہے جس کا متبادل مفہوم اردو زبان میں دم کرنا، پھونکنا وغیرہ ہے۔ آیاتِ قرآنی، ماثورات، اذکار اور اوراد پڑھ کر مریض اپنے جسم پر پھونک لینا یا دوسرے کے ذریعہ دم کروانا نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات صحابہؓ کا عمل رہا ہے۔ لہٰذا اس طریقہ کو غیر مسنون اور غیر محمود قرار دینا صحیح نہیں ہے۔

امام نوویؒ شرح مسلم میں فرماتے ہیں: وفی هذا الحديث استحباب الرقية بالقرآن وبالاذكار: حدیث کی رو سے قرآن کریم اور دیگر اوراد و وظائف پڑھ کر مریض پر دم کرنا مستحب ہے۔

اس عمل کے جائز ہونے پر تین شرطوں کے ساتھ علماء کا اجماع ہے۔ جیسا کہ نزهة المتقين شرح رياض الصالحين میں مرقوم ہے۔

١ ان تكون بكلام الله تعالىٰ او اسمائه او صفاته۔ ٢ وان تكون باللغة العربية وبما يعرف معناه من غيرها۔ ٣ وأن يعتقد ان الرقية لا تؤثر بذاتها، وانما تؤثر وتنفع بتقدير الله تعالىٰ ويستحب ان تكون بالالفاظ الواردة فى الاحاديث: (ص: ٦٨٨)

مریض خود ہی اپنے اوپر پھونکنے یا اس کے اوپر دوسرے افراد پھونکنے اور دم کرنے کی شرعی شکل و صورت یہ ہے کہ رقیت کا یہ عمل اللہ تعالیٰ کے کلام یا اس کے اسماء و صفات کے ذریعہ ہو اور جو کچھ پھونک ماریں اور دم کریں، یہ عربی زبان میں ہو۔ نیز یہ اوراد اور وظائف اور الفاظ احادیث سے اخذ کئے ہوں تو بہت ہی مفید اور مستحب ہے اور اگر عربی کے علاوہ دوسری زبانوں میں ہو تو اس کا معنی و مفہوم واضح ہو اور اس کے اندر شرک کا پہلو نہ ہو اور اس عمل میں یہ اعتقاد رہے کہ رقیت اپنی ذات سے موثر نہیں بلکہ اس کے اندر نفع و تاثیر اللہ تعالیٰ کی تقدیر سے ہے۔

امراض کا علاج نفل نمازوں کی ادائیگی کے ذریعہ کرنا چاہیے اور یہ عمل صحت و شفاء کے حصول میں بہت ہی مفید ہے۔ نماز، اللہ سے سرگوشی ہے۔ جس کے ذریعہ بندہ اپنے رب سے قریب ہو جاتا ہے اور اس قرب و وصال کی حالت و کیفیت میں قلب کی گہرائیوں کے ساتھ شفا طلب کی جائے تو رحمتِ خداوندی مریض کی جانب مائل ہو جاتی ہے۔ رحمتِ حق بہانہ می جوید۔ نبیٔ کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے بیماری کی حالت میں خصوصیت اور اہتمام کے ساتھ نماز پڑھنے اور دعا کرنے کا حکم دیا ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ کو ہدایت دی: فصل فان الصلوة شفاء: بیماری میں نفل نماز پڑھو اس میں شفاء ہے۔

نماز کے علاوہ کثرت سے دعاؤں کا اہتمام بھی کرنا چاہیے۔ مریض خود بھی دعا کرے اور دوسروں سے دعا کی درخواست بھی کرے اور دوسرے لوگوں پر مریضوں کا ایک حق بھی ہے کہ ان کی صحت کے لیے دعا کریں۔

خود نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ طریقہ تھا کہ آپؐ مریضوں کے لیے دعا فرماتے اور ان کے پاس تشریف لے جاتے تو ان کے روبرو صحت کے لیے دعا فرماتے۔ چنانچہ آپؐ سے بے شمار دعائیں منقول اور ثابت ہیں۔ ان میں سے یہ دو دعائیں بہت مشہور ہیں اور کتبِ حدیث میں منقول ہیں:

اَذْهِبِ الْبَاسَ، رَبَّ النَّاسِ، اشْفِهٖ اَنْتَ الشَّافِي لَا شِفَاءَ اِلَّا شِفَاءُكَ شِفَاءً لَا يُغَادِرُ سُقَمًا

اَسْأَلُ اللهَ الْعَظِيْمَ رَبَّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ اَنْ يَّشْفِيَكَ

سعد بن وقاصؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم میری مزاج پرسی کے لیے گھر تشریف لائے اور اس طرح دعا مانگی: اللّٰھم اشف سعد، اللّٰھم اشف سعدا، اللّٰھم اشف سعدا : (مسلم)
یا خدا سعد کو صحت دے۔ اے خدا سعد کو شفاء دے، یا اللہ سعد کو صحت عطا فرما۔

امراض سے صحت وشفاء پانے کے لیے دعائے یونسؑ بھی جو عرف عام میں ختم یونسؑ کے نام سے مشہور ہے بہت ہی موثر اور مفید ہے۔ حضرت یونس علیہ السلام جب مچھلی کے پیٹ میں تھے، آپؑ نے ان کلمات کے ذریعہ اللہ تعالیٰ سے دعا کی: لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ کوئی معبود نہیں ہے مگر تو ہی۔ تیری ذات ہر نقص وعیب سے پاک وصاف ہے۔ بلاشبہ میں ہی ظلم کرنے والوں میں سے تھا۔

تسبیح وتہلیل اور دعا وفریاد کا یہی وہ عاجزانہ انداز تھا کہ اللہ تعالیٰ کا غضب ان الفاظ کے ساتھ ٹھنڈا ہوا۔
فلولا کان من المسبحین للبث فی بطنہ الی یوم یبعثون اگر وہ (یونس علیہ السلام) یہ تسبیح نہ کرتے تو قیامت تک مچھلی کے پیٹ ہی میں رکھ دیا جاتا۔

امام ترمذیؒ نے روایت کی ہے کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو کوئی مسلمان اپنی کسی تکلیف میں حضرت یونس علیہ السلام کی یہ دعا پڑھے تو اللہ تعالیٰ اسے ضرور قبول فرمائے گا۔

دعوۃ ذی النون اذ دعا بہا وھو فی بطن حوت لا الٰہ الا انت سبحانک انی کنت من الظالمین۔ لم یدع بہا رجل مسلم فی شیئ قط الا استجاب اللہ لہ۔ (ترمذی)

موجودہ زمانے میں امراض کی کثرت ہوگئی ہے اور لوگوں کی مصروفیات اور مشغولیات کی بھی کثرت ہوگئی ہے۔ عموماً لوگ صحت اور فرصت دونوں سے محروم ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ ایسی صورت میں بیماروں کی مزاج پرسی کے لیے وقت نکالنا اور ان کے لیے طبی سہولت فراہم کرنا ہر مسلمان کی دینی اور اخلاقی ذمہ داری ہے جس کی طرف آج کل بہت کم توجہ دی جارہی ہے۔ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم اپنی بے پناہ مصروفیتوں اور مشغولیتوں کے باوجود مریضوں کے لیے بھی وقت نکال لیا کرتے تھے اور ان کے گھروں کو تشریف لے جاتے۔ علاج ومعالجہ اور دیگر

امور سے متعلق گفت وشنید فرماتے اور مریضوں کو تسلی دیتے ہوئے ان کے حق میں صحت وشفا کی دعا فرماتے تھے اور اس باب میں مسلمان، غیر مسلمان، نوکر چاکر، دوست دشمن کا کوئی فرق وامتیاز نہیں کرتے تھے۔ امام بخاری نے روایت کی ہے:

عن انس رضی اللہ عنہ قال: کان غلام یہودیّ یخدم النبی صلی اللہ علیہ وسلم فمرض فاتاہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم یعودہ فقعد عند راسہ۔ فقال لہ اسلم فنظر الی ابیہ وھو عندہٗ، فقال أطع ابا القاسم فاسلم۔ فخرج النبی صلی اللہ علیہ وسلم وھو یقول الحمد للّٰہ الذی انقذہ من النّار

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا ایک خادم یہودی غلام تھا۔ وہ بیمار ہوگیا تو آپؐ اس کے گھر تشریف لے گئے اور اس کے سرہانے بیٹھ گئے اور اس سے کہا: اسلام قبول کرلو۔ غلام نے اپنے باپ کی طرف دیکھا جو اس وقت اس کے قریب موجود تھا۔ باپ نے کہا: بیٹے! ابوالقاسم صلے اللہ علیہ وسلم کی بات مان لو غلام نے کلمۂ طیبہ پڑھا۔ نبیٔ کریم صلے اللہ علیہ وسلم وہاں سے یہ فرماتے ہوئے نکل کھڑے ہوئے کہ اللہ نے اس غلام کو دوزخ کی آگ سے بچالیا۔ الحمد للہ الذی انقذہ من النارہ

اس حدیث سے یہ بات روشن ہورہی ہے کہ غیر مسلموں کی عیادت کے لیے ان کے مکانات جانا چاہیے، اور موقعہ ومحل کی مناسبت اور رعایت کے ساتھ غیر مسلم مریضوں کو دینِ حق کی دعوت پیش کرنا چاہیے۔ عیادت کی اخلاقی ذمہ داریوں اور تبلیغ دین کی شرعی ذمہ داریوں کو نظم ونسق اور حسن وخوبی کے ساتھ ادا کرنے کی ایک مفید اور موثر شکل وصورت یہ ہے کہ ہسپتال قائم کئے جائیں۔ جن کے ذریعہ مریضوں کا علاج کیا جائے اور ان کی معاشی، اخلاقی اور روحانی حیثیت سے مدد اور خدمت کی جائے تو اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ مریض ڈاکٹر سے ذہنی اور قلبی طور پر متاثر ہوں گے اور ان کے دلوں میں یہ بات بیٹھ جائے گی کہ اس ڈاکٹر نے ہمیں زندگی دی اور وہ ڈاکٹر کے حسن سلوک اور حسنِ اخلاق کی وجہ سے اس کی ہر بات ماننے کے لیے آمادہ ہوجائیں گے۔ اس صورت حال سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ڈاکٹر مریضوں کے سامنے اسلام کی تعلیمات پیش کرتا چلا جائے تو وہ اسلام کی طرف مائل ہوتے چلے جائیں گے۔ موجودہ زمانہ میں تبلیغ اسلام کی کوششیں مختلف جہتوں سے کی جارہی ہیں۔ لیکن ہسپتالوں کے قیام اور مریضوں کی خدمت اور ان کے سامنے دعوت پیش کرنے کی جانب پیش رفت نہیں ہورہی ہے۔

سیرۃ نبویؐ کے مکی دور کا ایک مشہور واقعہ ہے کہ نبیٔ کریم صلے اللہ علیہ وسلم جب بھی ایک راستے سے گزرتے تو ایک یہودی اپنے گھر کی بالائی منزل سے آپؐ کے اوپر کوڑا کرکٹ اور گندگی پھینک دیتا تھا۔ لیکن آپؐ اس سے الجھتے نہیں تھے۔ اپنے کپڑوں کو جھٹک لیتے اور اپنی راہ لیتے۔ ایک روز آپؐ کا گزر اس یہودی کے گھر پر سے ہوا تو آپؐ کے جسم پر گندگی نہیں گری۔ آپؐ کے دل میں خیال آیا۔ یہودی گھر پر ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو

کہیں طبیعت توخراب نہیں ہے ؛ مجھے چل کر اس کی خیریت پوچھنی چاہیے! آپؐ اس کے گھر میں داخل ہوئے تو یہودی آپؐ کو اپنے گھر میں دیکھ کر حیران رہ گیا۔ اس نے دل میں سوچا ہوگا: میری ہمیشہ کی نازیبا حرکت سے متعلق ہی گفتگو کے لیے آئے ہوں گے۔ آپؐ نے فرمایا: آج آپ نے مجھ پر گندگی نہیں پھینکی تو مجھے خیال ہوا کہ کہیں آپ کا مزاج تو ٹھیک نہیں ہے! خیریت دریافت کرتا چلوں، اس لیے آپ کے گھر آ گیا۔ آپؐ کی اس خیرخواہانہ و ہمدردانہ گفتگو اور کریمانہ و شریفانہ سلوک و رویہ کو دیکھ کر یہودی بہت متاثر اور مانوس ہوگیا اور اپنے کئے پر ندامت کا اظہار کیا اور مشرف بہ اسلام ہوگیا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر پانچ حق ہیں ا۔ سلام کا جواب دینا۔ ۲۔ مریض کی عیادت کرنا۔ ۳۔ جنازہ کی نماز پڑھنا اور اس کے ساتھ چلنا۔ ۴۔ ولیمہ کی دعوت قبول کرنا۔ ۵۔ چھینکنے پر یرحمک اللہ کہنا۔

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال حق المسلم علی المسلم خمس رد السلام وعیادۃ المریض واتباع الجنائز واجابۃ الدعوۃ وتشمیت العاطس۔ (بخاری)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم اپنے گھر والوں کی مزاج پرسی کے لیے تشریف لے جاتے اور یہ دعا پڑھتے اور اپنا سیدھا ہاتھ ان کے سر اور جسم پر پھیرتے

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یعود بعض اھلہ یمسح بیدہ الیمنیٰ ویقول: اللّٰھم ربّ النّاس، اذھب الباس، أشف انت الشافی لاشفاء الاشفاءک لایغادر سقما

ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جو شخص کسی مریض کی عیادت کے لیے جائے تو اس کے پہلو میں بیٹھ کر سات مرتبہ یہ دعا پڑھے۔ اس مرض میں مریض کی موت نہیں ہے تو اللہ تعالےٰ ضرور مریض کو صحت عطا فرماتا ہے۔

عن ابن عباس رضی اللہ عنھما عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال من عاد مریضا لم یحضرہ اجلہ فقال عندہ سبع مرات: أسال اللہ العظیم، رب العرش العظیم ان یشفیک الاعافاہ اللہ من ذلک المرض۔ (ابوداؤد)

ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم کسی مریض کے پاس پہنچو تو (اپنی زبان سے اچھے کلمات کہو (راوی کو شک ہے کہ آنحضرتؐ نے مریض کہا یا میّت کہا۔) اچھے کلمات سے مراد یہ ہے کہ مریض سے بات چیت کریں تو ایسا کہیں کہ یہ مرض تو بہت معمولی اور چھوٹا ہے۔ انشاءاللہ بہت جلد ختم ہوجائے گا۔ فلاں فلاں غذاؤں اور فلاں فلاں باتوں سے پرہیز کیجیے گا مریض کو کارہائے خیر انجام دینے کی ہدایت

دیجیے گا اور اس کے لیے صحت وشفا کی دعا کیجیے گا اور سورہٗ یٰسٓ کی تلاوت اور کلمۂ شہادت کے ورد کی تلقین کیجیے گا۔ بے شک مریض سے ملنے کے لیے آئے ہوئے لوگوں کی دعاؤں پر فرشتے آمین کہتے ہیں۔

امّ سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: جب ابو سلمہؓ کی وفات ہوگئی تو نبیٔ کریم صلے اللہ علیہ وسلم تشریف لائے میں نے عرض کی: یارسول اللہ! ابو سلمہ چل بسے۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا: یہ کہو: اللّٰھم اغفرلی ولہ: اے اللہ! میری اور ان کی مغفرت فرما۔

عبداللہ بن عباسؓ کا بیان ہے کہ نبیٔ کریم صلے اللہ علیہ وسلم ایک اعرابی کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے اور اس سے فرمایا: لاباس طھور انشاء اللہ: غم اور فکر نہ کیجیے گا۔ اللہ نے چاہا تو اس مرض سے تمہارے گناہ دھل جائیں گے۔

علی ابنِ ابی طالب کرم اللہ وجہٗ کا بیان ہے کہ میں نے نبیٔ کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے سُنا: جو مسلمان کسی مسلمان بیمار کی عیادت صبح کے وقت کرے تو شام تک ستّر ہزار فرشتے عیادت کرنے والے کے حق میں رحمت کی دعا کرتے رہتے ہیں اور جو شام کے وقت مزاج پرسی کے لیے پہنچے تو صبح ہونے تک عیادت کنندہ کے حق میں ستّر ہزار فرشتے رحمت کی دعا کرتے رہتے ہیں اور عیادت کرنے والوں کو جنّت میں ان کے پسندیدہ پھلوں سے خاطر تواضع ہوگی۔

عن علی رضی اللہ عنہٗ قال: سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول: مامن یعود مسلما غدوۃ الاصلی علیہ سبعون الف ملک حتی یمسی وان عادہ عشیۃ علیہ سبعون الف ملک حتی یصبح وکان لہ خریف فی الجنۃ۔ (ترمذی)

امراض، گناہوں کی پاکی و صفائی کا سبب ہونے کے ساتھ ساتھ نفس اور روح کی طہارت ونظافت کا سبب بھی ہیں۔ اللہ تعالےٰ جب اپنے کسی بندے کے ساتھ رحمت ومغفرت کا ارادہ فرماتے ہیں اور اس کے اخروی درجات بلند کرنا چاہتے ہیں تو اس پر بیماری مسلط کر دیتے ہیں اور جب وہ بیماری کی تکلیفیں اور مصیبتیں جھیلتے ہوئے صبر وضبط کا دامن تھامے رہتا ہے اور اللہ سے راضی وخوشنود رہتا ہے تو اس کے گناہ دھل جاتے ہیں اور اللہ تعالےٰ اس کی موت کے وقت نزاع میں شدت کر دیتے ہیں تاکہ اس کی روح منوّر ہوجائے، جس طرح سونا بھٹی میں جل کر کندن بن جاتا ہے اور جب وہ پاک وصاف ہوکر نفسِ مطمئنہ کے ساتھ موت کی آغوش میں چلا جاتا ہے تو قیامت کے روز اسی حالت میں اٹھایا جاتا ہے کہ اس کی روح لطیف رہتی ہے۔ اگر مرض اور نزاع میں روح کو طہارت حاصل نہیں ہوی تو دوزخ کی آگ میں جل کر وہ پاک وصاف ہوجاتا ہے۔ جس کے بعد وہ جسم منور اور روح منوّر کے ساتھ جنّت میں داخل ہوجاتا ہے۔

حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر مومن دنیا سے جس حالت میں رخصت

ہوگا اسی حالت میں وہ اٹھایا جائے گا۔ یبعث کل عبد علی ماما ت علیہ ہ (مشکوٰۃ)

ایک اور حدیث میں ہے: المرء مع من احبہ: آدمی اسی کے ساتھ ہوگا۔ جس کے ساتھ اسے دنیا میں محبت ہوگی۔

ابن ماجہؒ کی روایت ہے کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لقنوا موتاکم لا الٰہ الا اللہ ہ اپنے مُردوں کو لا الٰہ الا اللہ کی تلقین کرو۔ اس حدیث میں مردوں سے مراد وہ زندہ اشخاص ہیں جو مرض وفات کی کیفیت اور حالت میں ہیں، جن پر چند لمحوں کے بعد مردوں کا اطلاق ہوسکتا ہے۔ ایسی حالت میں کلمہ کی تلقین کا فائدہ یہ ہوگا۔ اگر مرنے والے کا آخری جملہ لا الٰہ الا اللہ ہو تو وہ جنّت میں داخل ہوگا۔ (امام ابوداؤد)

امام ابوداؤد کی روایت ہے کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: من کان اٰخر کلامہ لا الٰہ الا اللہ دخل الجنّۃ۔

کلمہ کی "تلقین" میں بڑی احتیاط کی ضرورت ہے۔ کیونکہ مرض وفات میں آدمی کا تعلق دنیا سے بڑی حد تک منقطع ہوجاتا ہے اور اس کی نگاہوں کے سامنے عالمِ غیب کے احوال و کوائف اور مناظر کھول دیے جاتے ہیں اور وہ موجودہ دنیا سے دوسری دنیا کی طرف سفر کرنے والا ہوتا ہے۔ جس کے باعث اس کی ذہنی و قلبی کیفیت کا عجیب عالم رہتا ہے ایسی حالت میں کلمہ پڑھنے پر دباؤ ڈالنے اور اسے اصرار کرنے سے کہیں وہ انکار نہ کر بیٹھے۔ اس لیے مفید طریقہ یہی ہے کہ اس کے سامنے ایسا آدمی پہنچے جسے وہ دل سے چاہتا ہو اور یہ شخص خود کلمہ پڑھتے رہے اور موقعہ و محل دیکھ کر کلمہ کی تلقین کرے اور جب وہ کلمہ طیبہ پڑھ لے تو پھر اس کے ساتھ دنیاوی گفتگو نہ کرے۔ تاکہ یہی کلمہ اس کی زندگی کا آخری کلمہ قرار پائے اور وہ اس بشارت کا مستحق ٹھہرے۔ من کان اٰخر کلامہ لا الٰہ الا اللہ دخل الجنّۃ ہ

امراض ملک الموت کے قاصد ہیں۔ جن کے ذریعہ فرشتۂ اجل کی آمد آمد کی خبر ہوجاتی ہے اور مریض آخرت کی جانب متوجہ ہوجاتا ہے اور اسے موت کے وقت ترکِ دنیا کی فکر نہیں رہتی اور وہ ذہنی و قلبی اور روحی حیثیت سے اللہ کے دیدار اور ملاقات کو پسند کرنے لگتا ہے اور ایسے بندے سے اللہ تعالےٰ بھی ملاقات کو پسند کرتا ہے۔
من احب لقاء اللہ احب لقائہ ہ

امراض پیدا ہونے کے جہاں مختلف اور متعدد مادی اور جسمانی اسباب ہوا کرتے ہیں، وہاں روحانی اور معنوی اسباب بھی ہوا کرتے ہیں۔ ان میں سے ایک سبب یہ ہے کہ لوگ جب فسق و فجور اور گناہ و معصیت میں مبتلا ہوجاتے ہیں تو اللہ تعالےٰ مہلک وبائیں، آفتیں اور امراض پیدا فرماتا ہے اور یہ ایک روشن حقیقت ہے جس کا مشاہدہ لوگوں نے ماضی میں بھی کیا ہے اور آج بھی اس کا مشاہدہ "ایڈز" کے ذریعہ ہورہا ہے۔

مشہور محدث حاکمؒ نے مستدرک میں روایت کی ہے:

ماظہرت الفاحشۃ فی قوم حتی اعلنوا بھا الا ابتلوا بالطواعین والاوجاع التی لم تکن فی اسلافھم الذین مضوا۔

جب کسی قوم میں علانیہ طور پر برائیاں اور بدکاریاں پھیل جاتی ہیں تو اللہ تعالیٰ اس قوم میں مختلف بیماریاں طاعون، چیچک، ہیضہ وغیرہ پھیلا دیتا ہے۔ جو اس کے اسلاف میں نہ تھیں۔

امراض کا ایک دقیق پہلو یہ بھی ہے کہ وہ خوبی اور موروثی بھی ہوا کرتے ہیں۔ باپ، دادا اور ماں، نانا میں جو امراض تھے وہ اولاد میں بھی منتقل ہوتے ہیں۔ آج طبی اور سائنسی تحقیقات اور جدید آلات نے ثابت کر دیا ہے کہ مریضوں کے والدین اور والدین کے خاندان میں پائی جانے والی بیماریاں اور جراثیم منتقل ہو رہے ہیں۔ امراض میں "شوگر" سے متعلق موجودہ زمانہ کی تحقیق ہے کہ ذیابیطس موروثی بھی ہو سکتا ہے۔

امراض کا ایک پہلو والدین کے اعمال واخلاق سے بھی متعلق ہے اور ان کے اعمال کا اثر اولاد پر بھی واقع ہوتا ہے۔ اگر ان کے اعمال نیک ہیں تو اولاد پر بھی ان کے مفید اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ اور ان کی نیکیوں سے اولاد کو فوائد اور برکات حاصل ہوتے ہیں۔ اس نقطۂ نظر کی وضاحت کے لیے سورۂ کہف کی یہ آیت معاون اور مفسر ثابت ہو سکتی ہے: واما الجدار فکان لغلامین یتیمین فی المدینۃ وکان تحتہ کنز لھما وکان ابوھما صالحا فاراد ربک ان یبلغا اشدھما ویستخرجا کنزھما۔

اور دیوار کا معاملہ یہ ہے کہ یہ دو یتیم لڑکوں کی ہے، جو اس شہر میں رہتے ہیں۔ اس دیوار کے نیچے ان لڑکوں کے لیے ایک خزانہ مدفون ہے اور ان کا باپ نیک آدمی تھا۔ اس لیے تمہارے رب نے چاہا کہ یہ دونوں بچے بالغ ہو جائیں اور اپنا خزانہ نکال لیں۔

ان دونوں یتیموں کے لیے خزانہ کی حفاظت کی جو صورت پیدا ہوئی، یہ ان کے والدین کی نیکیوں کا نتیجہ تھا وکان ابوھما صالحا۔ اس سے یہ نتیجہ اخذ کرنا شاید غلط نہ ہوگا کہ جس طرح والدین کی نیکی سے اولاد کو فائدہ پہنچ سکتا ہے اسی طرح والدین کی بدی سے بھی اولاد کو نقصان پہنچ سکتا ہے۔

وما اصابکم من مصیبۃ فبما کسبت ایدیکم کی تفسیر میں ابن کثیر نے ایک واقعہ نقل کیا ہے ابو البلاد نے ایک مرتبہ علاء بن بدر کے سامنے یہ آیت پڑھی۔ وما اصابکم من مصیبۃ فبما کسبت ایدیکم جو کچھ تمہیں مصیبت پہنچے وہ تمہارے اعمال کا نتیجہ ہے۔ تو ابو البلاد نے کہا: میری بصارت تو اس وقت گئی جب کہ میں بچہ تھا۔ (یعنی معصوم) اس پر علاء بن بدر نے کہا: ہو سکتا ہے کہ آپ کے والدین کے گناہوں کے سبب اس آزمائش میں آپ مبتلا کئے گئے ہوں۔ (راہ اعتدال: مئی ۲۰۰۸ء)

صحت ایک دائمی چیز ہے اور مرض ایک عارضی چیز ہے ۔ اللہ نے اس دنیا میں اپنی طرف سے ایسے اسباب اور ایسی چیزیں پیدا کی ہے کہ ان کی وجہ سے خود بخود امراض کا خاتمہ ہوجاتا ہے اور صحت کو بقا اور دوام حاصل ہوجاتا ہے ایک نعمت صرف ہوا کو لیجیے ۔ صرف اس کی تبدیلی سے بغیر دوا کے بیمار صحت مند ہوجاتا ہے ۔ مفسر قرآن صاحب جلالین علامہ سیوطی کی سبا سے متعلق وضاحت ہے ۔ ان کے شہر کی آب و ہوا ایسی عمدہ اور لطیف اور پاک و صاف تھی کہ کوئی اجنبی مسافر آدمی وہاں سے صرف گزر جاتا تو اس کے جسم میں موجود جراثیم و امراض کا خاتمہ ہوجاتا تھا ۔

دنیا کے اس فطری اور طبعی نظام کے باعث ہی ہر شخص کی زندگی میں صحت کی مدت طویل رہتی ہے اور مرض کی مدت مختصر رہتی ہے ۔ چند ہی افراد ایسے ہوتے ہیں جن کی مدت صحت کے مقابلہ میں مرض کی مدت طویل ہوجاتی ہے ۔ قدیم زمانہ میں نود فی صد لوگ صحت مند رہتے تھے ۔ صرف دس فی صد لوگ مریض رہتے تھے ۔ لیکن موجودہ زمانہ میں اس کے برعکس صورت حال ہے ۔ اس غیر معمولی عدم توازن کا سبب خود انسان ہی ہے ۔ اسی نے تحقیقات و انکشافات، ایجادات و مصنوعات اور مہلک زہریلے ہتھیارات کے چکر میں الجھ کر زوال صحت کے لیے بے شمار اسباب پیدا کر لیے ہیں جس کی وجہ سے آج موسمیات، ماحولیات، نباتات، حیوانیات، آبیات، غذائیات غرض یہ کہ بر و بحر کی فضا مکدر اور مسموم ہوتی جارہی ہے اور زندگی کا فطری حسن زوال پذیر ہے ۔ یہ سچ ہے کہ سائنس اور میڈیکل نے انسان کی صحت کی واپسی اور اس کے تحفظ و بقا کے لیے نت نئی مفید راہیں روشن کرلی ہے اور مختلف و متعدد اور متعدی و لاعلاج امراض پر قابو پالیا ہے ۔ لیکن مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی کے مصداق انسان کی صحت کو خراب کرنے والی چیزوں میں روزانہ اضافہ ہورہا ہے اور نئے نئے امراض جنم لے رہے ہیں ۔ ایسی صورت حال میں صحت کی بقا کے لیے پیغمبرانہ طریق کار کو اختیار کرلینا نہایت سودمند ہے ۔

نبئ کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے طیب و طاہر غذاؤں اور حلال جانوروں کو کھانے کا حکم دیا ۔ مردار اور حرام جانوروں کو کھانے سے منع فرمایا اور نشہ آور اور حرام چیزوں کے استعمال سے ممانعت فرمائی ۔ حرمت اولی ممانعت کا یہ پہلو صرف مذہبی اور روحانی نقطۂ نظر ہی سے نہیں بلکہ طبی نقطۂ نگاہ سے بھی ہے ۔ اور موجودہ سائنس اور میڈیکل نے بھی ان محرمات کے ذریعہ سے صحت پر مرتب ہونے والے اثرات کی نشاندہی کی ہے ۔ اور یہ ایک تفصیل طلب موضوع ہے ۔ یہاں صرف اسلام کی حرام کردہ چیزوں میں ایک چیز شراب کے صحت پر مضر اور نقصان دہ اثرات سے متعلق اپنی کتاب "شراب اور اسلامی موقف" کا ایک مختصر اقتباس نقل کئے دیتا ہوں ۔

"اطبار نے معقول بات کہی ۔ شراب کو زہر کہنا زیادہ مناسب ہے ۔ کیوں کہ یہ ایسی مسموم چیز ہے کہ اس کے مہلک اثرات سارے جسم پر واقع ہوتے ہیں ۔ اور جسم ہمہ قسم کی بیماریوں کا مسکن بن جاتا ہے ۔ اور جس شراب میں الکحل ALCOHOL کی مقدار زیادہ ہوتی ہے اس کے استعمال سے حرکت قلب بند ہونے کا قوی اندیشہ ہے ۔ شراب کے استعمال سے قوت ہاضمہ

کمزور ہو جاتی ہے۔ غذا کے ضروری اجزا جزو بدن نہیں ہو پاتے اور حیاتین Vitamin.B وٹامن بی اور Protein پروٹین میں بھی کمی آجاتی ہے اور اس کے استعمال سے ۴۸ گھنٹوں تک اعصاب متاثر رہتے ہیں۔ تمام اعضاء اور خصوصاً جگر، معدۂ قلب اور دماغ بری طرح متاثر ہو جاتے ہیں۔ پٹھوں اور رگوں میں ضعف پیدا ہو جاتا ہے اور مسلسل شراب استعمال کرنے سے دماغی امراض پیدا ہو جاتے ہیں اور آدمی کا دماغ کمزور ہو جاتا ہے اور دماغ میں ضعف اور نسیان کا عارضہ لاحق ہو جاتا ہے اور قوتِ عقلیہ پر ضربِ کاری لگ جاتی ہے۔

بانی و ڈائرکٹر، سلور فاؤنڈیشن ڈاکٹر ٹرہون ایم ڈی، نیویارک Dr. TERHONE M.D., Founder and Director Silver Hill Foundation New York لکھتے ہیں شراب سے آدمی کی صحت بری طرح خراب ہو جاتی ہے اور یہ بات بالکل غلط ہے کہ تھوڑی سی شراب دل کو خون پہنچانے والی رگوں (coronaries) کے لیے فائدہ بخش ہے اور بعض لوگوں کا یہ خیال بھی باطل ہے کہ صحت کے لیے تھوڑی سی شراب استعمال کرنا مفید ہے۔

شراب نوشی کی وجہ سے صحت کا متاثر ہونا موجودہ دور میں ایک بدیہی چیز ہے۔ بے شمار ممالک ایسے ہیں جن کے باشندوں کی صحت، شراب کی وجہ سے تباہ و برباد ہو رہی ہے۔ چنانچہ صنعتی ممالک میں تقریباً ایک صد بالغ افراد شراب کی وجہ سے قسم قسم کی بیماریوں میں مبتلا ہیں۔ یہ شرح کہیں کم اور کہیں زیادہ ہے۔ لیکن پانچ کروڑ آبادی کے ممالک میں شراب نوشی سے خطرناک حد تک متاثر افراد کی تعداد اس شرح سے پانچ لاکھ ہوتی ہے شراب نوشی سے صحتِ عامہ کی روز افزوں بڑھتی ہوئی بربادی کو دیکھتے ہوئے مئی ۱۹۷۵ء میں عالمی صحت کی اٹھائیسویں اسمبلی کے تمام ممبر ممالک نے عالمی تنظیم World Health Organisation کے ڈائرکٹر سے درخواست کی کہ شراب نوشی سے صحت عامہ تباہ ہو رہی ہے۔ لہٰذا دنیا کے مختلف ممالک میں شراب کی بڑھتی ہوئی کھپت سے متعلق انفرادی، سماجی اور صحت سے متعلق مسائل پر WHO کے آئندہ پروگرامات میں توجہ دی جائے اور شراب سے متعلق صحت کے مسائل کی پالیسی تیار کرنے کے لیے بین الاقوامی اور قومی اداروں کی مدد سے اعداد و شمار جمع کیے جائیں اور ان اطلاعات پر غور و خوض کر کے شراب کی روک تھام کے لیے مفید اقدامات تجویز کیے جائیں۔

اس قرارداد کے مطالعہ سے یہ حقیقت مترشح ہو جاتی ہے کہ دنیا کے اکثر ممالک میں شراب سے صحت متاثر ہو رہی ہے۔

فرانس کی جمعیتِ مردم شماری نے اعلان کیا کہ ہمارے ملک میں صحتِ عامہ خراب ہونے کا ایک سبب کثرتِ شراب نوشی ہے۔ اور مہلک امراض کے اثرات سے مرنے والے آدمیوں کے مقابلہ میں ان لوگوں کی تعداد زیادہ ہے۔ جو کثرتِ شراب نوشی سے فوت ہوئے ہیں۔ چنانچہ ۱۹۵۵ء میں فوت ہونے والے افراد کا جائزہ لیا گیا تو معلوم ہوا کہ سترہ ہزار آدمیوں کی موت محض کثرتِ شراب نوشی کا نتیجہ ہے۔ جب کہ اسی سال ''سل'' جیسے مہلک مرض کی وجہ سے صرف بارہ ہزار آدمی فوت ہوئے ہیں۔''

نیویارک میں جمعیت اعداد و شمار کی پیش کردہ رپورٹ کے مطابق امریکہ میں صحتِ عامہ کی خرابی کا سبب کثرتِ شراب نوشی ہے۔ ۱۹۲۶ء میں الکحل ۸۷,۰۸۵۷ کے اثرات سے مرنے والوں کی تعداد گیارہ ہزار تھی اور طبعی موت مرنے والوں کی تعداد صرف سات ہزار تھی۔

یہ روشن مثالیں کیا اس حقیقت کی آئینہ دار نہیں ہیں کہ صحتِ عامہ کی خرابی نئی نئی مہلک بیماریوں کی آمد اور شرحِ اموات میں حیرت انگیز اضافہ یہ تمام شراب نوشی کا ثمرہ ہیں۔ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا انسانی صحت پر کتنا عظیم احسان ہے کہ آپ نے شراب نوشی کو ممنوع اور حرام قرار دیا تاکہ آدمی اپنی صحت کو باقی رکھ سکے۔ صحت کو خراب کرنے والی ایک چیز شکم پری اور بسیار خوری بھی ہے۔ جس سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا۔ اور کھانے پینے میں اعتدال اور توازن برقرار رکھنے کا حکم دیا: ان المومن یاکل فی معی واحد (بخاری) مومن کی غذا ایک آنت میں ہوتی ہے۔

امام ترمذی کی روایت ہے کہ آدمی کو چاہیے کہ ایک تہائی حصہ کھانے کے لیے اور ایک تہائی حصہ پینے کے لیے اور ایک تہائی حصہ سانس لینے کے لیے مخصوص کرلے۔ فثلث لطعامہ وثلث لشرابہ وثلث لنفسہ۔

موجودہ زمانہ میں نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ فطری و طبعی اور سہل و سادہ اصول غیر معمولی توجہ کا مرکز بنا ہوا ہے۔ آج دنیا جہان کے ڈاکٹر نہ صرف بیماروں بلکہ صحت مند لوگوں کو بھی یہی مشورہ دے رہے ہیں کہ خوب شکم سیراب ہو کر کھانے پینے سے احتراز کرو۔

صحت کو خراب کرنے والی ایک اور چیز وقت بے وقت کھاتے پیتے رہنا ہے۔ اور بھوک لگنے سے پہلے کھانا اور پیٹ بھر کھانا بھی ہے۔ شیخ مصلح الدین سعدی شیرازی نے اپنی کتاب "گلستان" میں بڑی عبرت خیز حکایت لکھی ہے۔ جس کی روشنی میں بھی یہ بات صاف ہو جاتی ہے کہ کھانے میں اعتدال اور نظام ہی سے صحت برقرار رہتی ہے۔

عجم کے بادشاہوں میں سے کسی بادشاہ نے ایک طبیب حاذق کو نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں روانہ کیا۔ وہ حکیم عرب میں چند سال مقیم رہا۔ اس کے پاس علاج کی غرض سے کوئی آدمی نہیں آیا تو وہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ مجھے یہاں خصوصی طور پر بیماروں کے علاج کے لیے بھیجا گیا ہے۔ لیکن کیا بات ہے کہ اس مدت میں ایک شخص نے بھی میری جانب التفات نہیں کیا۔ مریضوں کے علاج کی جو ذمہ داری مجھے سونپی گئی ہے اس کو میں بجا نہیں لا رہا ہوں اور میں اپنے فرض سے سبکدوش نہیں ہو رہا ہوں۔ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہاں کے لوگوں کی ایک عادت یہ ہے کہ جب تک انھیں بھوک

نہ لگے وہ کھانا نہیں کھاتے ہیں اور ابھی اشتہا و خواہش باقی رہتی ہے کہ وہ کھانے سے اٹھ جاتے ہیں۔
یہ سن کر حکیم نے جواب دیا: ہمیں است موجب تندرستی پس زمین بوسید و رفت: اچھا تو یہ بات ہے اسی طریقہ اور عادت میں ان کی صحت کا راز پوشیدہ ہے۔ یہ کہہ کر نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی قدم بوسی کی اور وہاں سے نکل کھڑا ہوا۔

نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے کھانے سے پہلے ہاتھ منہ دھونے، برتنوں کو پاک و صاف رکھنے۔ کھانے پینے کی چیزوں کو صاف ستھرا رکھنے، کھانے کی چیزیں مثلاً میوے وغیرہ کو دھو لینے، روشنی میں کھانے پینے اور وقت مقررہ پر کھانے، اچھی و نفیس غذا کھانے، اور دوپہر کا کھانا کھانے کے بعد تھوڑی دیر لیٹ جانے اور رات کا کھانا کھانے کے بعد چند قدم چلنے اور رات میں جلد سو جانے اور علی الصباح جاگنے کی تاکید مختلف پہلوؤں سے دی ہے۔ جن پر عمل کرنے سے آدمی مختلف بیماریوں سے محفوظ رہ سکتا ہے۔

نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے جہاں آدمی کی صحت کی حفاظت کے لیے ہدایتیں دی ہیں، وہاں مریضوں کے ساتھ رعائتیں بھی کی ہیں اور اس کی تکلیفوں اور مجبوریوں کا بھی پورا پورا خیال رکھا۔ چنانچہ نماز جیسی اہم ترین بنیادی عبادت جو شب و روز کے مختلف اوقات میں پانچ مرتبہ ادا کرنا ہر مسلمان عاقل، بالغ مرد اور عورت پر فرض ہے۔ اس کی ادائیگی کی صورت کو مریض کی سہولت و آرام پر چھوڑ دیا گیا ہے۔ امام بخاری کی روایت ہے: صل قائما فان لم تستطع فقاعداً فان لم تستطع فصل علی جنب

نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نماز کھڑے ہو کر ادا کرو۔ اگر مرض اور عذر ہو تو بیٹھ کر ادا کرو اگر بیٹھ نہیں سکتے ہو تو لیٹ کر ادا کرو۔

رمضان شریف کے فرض روزوں میں بھی مریض کے ساتھ یہ رعایت اور رخصت رکھی گئی ہے کہ وہ روزے نہ رکھے جب صحت ہو جائے تو روزوں کی قضا کرلے۔

اگر مرض دائمی ہے یا ہدرجہ ضعف و نقاہت ہے یا بوڑھاپا غالب ہے تو روزوں کے بدلہ فدیہ ادا کرے (ایک روزہ کا فدیہ صدقۂ فطر کی مقدار میں دیا جاے)۔

نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے مریض کو تکلیف و دشواری کی حالت میں غسل اور وضو کے بدلہ تیمم کرنے کی اجازت بھی دی ہے۔ امام ابوداؤد نے ایک حدیث نقل کی ہے جس کی روایت حضرت جابرؓ نے کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

ہم لوگ ایک سفر پر تھے۔ ہمارے ایک ساتھی کے سر پر پتھر گرنے کی وجہ سے زخم ہو گیا۔ سفر کے دوران اُسے احتلام ہوا تو اس نے اپنے ساتھیوں سے پوچھا: کیا میں غسل کے بجائے تیمم کر سکتا ہوں؟ ساتھیوں نے جواب دیا: نہیں! آپ کو غسل کرنا چاہیے۔ تیمم کی رخصت نہیں ہے۔ کیونکہ آپ پانی کے استعمال پر قدرت رکھتے ہیں۔ لوگوں کی بات سن کر محتلم نے غسل

کیا جس کی وجہ سے وہ مرگیا۔ جب ہم لوگ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچے تو یہ اطلاع آپؐ کو دی۔ آپؐ نے کہا: تم لوگ اس کی موت کے ذمہ دار ہو۔ جب تمہیں شرعی حکم معلوم نہ تھا تو پوچھنا چاہیے تھا۔ بیمار اور ناواقف آدمی کی شفاء سوال ہے۔ یعنی جہل ایک بیماری ہے اس کی شفا و تعلیم ہے۔ علم کے بغیر فتویٰ دینا معیوب ہے۔ وہ لوگ نص قرآنی: ما یرید اللہ لیجعل علیکم فی الدین من حرج (دین میں حرج نہیں ہے۔) میں غور و فکر کرنے سے قاصر رہے۔ اس کے بعد آپؐ صلے اللہ علیہ وسلم نے مزید ارشاد فرمایا: فوت شدہ آدمی کے لیے تیمم کافی تھا اس کے سر پر پٹی باندھی جاتی اور اس پر مسح کیا جاتا اور سارے بدن پر پانی بہایا جاتا تو یہ کافی تھا۔

عن جابر قال خرجنا فی سفر فاصاب رجلا منا حجر فشجہ فی راسہ فاحتلم فسأل اصحابہ ھل تجدون لی رخصۃ فی التیمم قالوا ما نجد لک رخصۃ وانت تقدر علی الماء فاغتسل فمات فلما قدمنا علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اخبر بذلک قال قتلوہ قتلھم اللہ الا سالوا اذلم یعلموا فانما شفاء العی السوال انما کان یکفیہ ان تیمم ویعصب علی جرحہ خرقۃ ثم یمسح علیھا ویغسل سائر جسدہ۔ [رواہ ابن ماجہ و ابوداؤد]

اللہ تعالیٰ کے ہاں عدل کے ساتھ فضل ہے۔ وہ بُرے عمل کی سزا عدل کے ساتھ دیتا ہے اور نیک عمل کی جزا فضل کے ساتھ دیتا ہے: من جاء بالحسنۃ فلہ عشر امثالھا ومن جاء بالسیئۃ فلا یجزیٰ الا مثلھا: جس کسی نے نیک عمل کیا تو اس کے لیے دس گنا اجر و ثواب ہے اور جس کسی نے بُرا عمل کیا تو اس کے لیے سزا اسی کے مثل ہے۔

جزا اور ثواب کے باب میں مریض کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا غیر معمولی فضل یہ ہے کہ اگر کوئی بیمار مسلمان وہ نیک عمل انجام نہیں دے پاتا ہے جو وہ زمانۂ صحت میں انجام دیتا تھا تو اللہ محض اپنے فضل و کرم سے اس نیک عمل کی جزا عطا فرماتا ہے۔ چنانچہ ابن عمرؓ کی روایت ہے کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

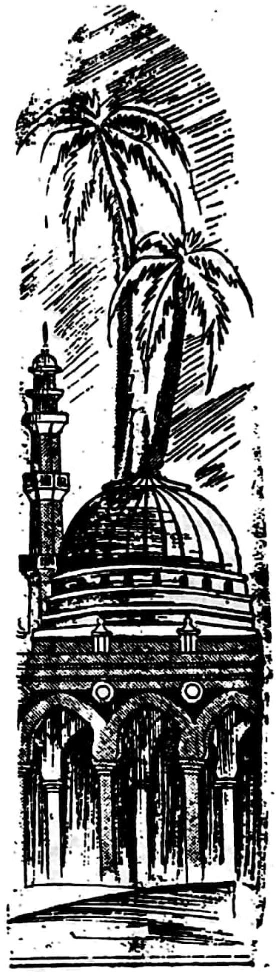
ان العبد اذا کان علی طریقۃ حسنۃ من العبادۃ ثم مرض قیل للملک الموکل بہ اکتب لہ مثل عملہ اذا کان طلیقاً حتی اطلقہ او اکفتہ۔ (الترغیب والترھیب)

جب ایک مسلمان کسی عملِ صالح کو پابندی کے ساتھ ادا کرنے کا عادی ہوجاتا ہے، پھر وہ بیمار ہوجاتا ہے جس کی وجہ سے وہ اس عملِ صالح کو انجام دے نہیں سکتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرشتہ کو حکم دیتا ہے کہ مریض کے نامۂ اعمال میں اس عمل کو درج کرتے رہو جب تک کہ میں اسے شفا نہ دوں یا اس کو دنیا سے اٹھا نہ لوں۔

حاصل کلام! نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے صحت و مرض اور بیمار و تندرست سے متعلق مختلف سمتوں اور متعدد جہتوں سے ہدایتیں اور نصیحتیں کی ہیں۔ جن سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے۔ صحت مطلوب ہے اور مرض غیر مطلوب ہے۔ اور مریض کی خدمت محمود ہے۔ لہٰذا صحت کی بقاء و تحفظ اور مرض کے ازالہ و انسداد کی کوشش اور مریضوں کی خدمت ہر پہلو سے ہونی چاہیے۔ اور اس کوشش کا دائرہ صرف اپنی ذات اور اپنے اہل و عیال بقیہ صــ پر ملاحظہ ہو

فتویٰ

زیارتِ آثارِ شریف



نبئ کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے متروکات اور آثار کے وجود اور ان کی صحت وثبوت کا مسئلہ کوئی نیا نہیں ہے ۔ اس کے متعلق احادیث اور تاریخ وسیر کی کتابوں میں مواد ملتا ہے ۔ لیکن اس کے باوجود موجودہ زمانہ میں ان کے عدمِ وجود اور عدمِ ثبوت پر زبانی دلیلیں اور بے اصل قیاسات کا سلسلہ چل پڑا ہے ۔ اس صورت حال کی اصلاح کے لیے قدوۃ السالکین حضرت علّامہ سید شاہ عبداللطیف قادری نقوی المعروف بہ قطبِ ویلور قدس سرہٗ کا ایک فتویٰ پیش کیا جارہا ہے جو آپؒ نے نواب محمد بدیع الدین خان بہادر مہکری ویلوری کے استفسار پر تحریر کیا ہے ۔

یہ فتویٰ قدیم اردو دکھنی زبان میں ہے اور اس زبان نے اپنی عمر کے سو سال مکمل کر لیے ہیں ۔ اس عرصہ میں اردو دنیا ہی بدل چکی ہے ۔ موجودہ زمانے کا اردو داں طبقہ دورِ قطبؒ ویلوری کی زبان وبیان، الفاظ وتراکیب اور جملوں ومحاوروں سے بڑی حد تک غیر مانوس ہے ۔ اس لیے مختصر کلمات میں فتویٰ کا ماحصل پیش کیا جارہا ہے تاکہ اس تحریر کا فائدہ عام ہوسکے ۔

نبئ کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے موئے مبارک اور بعض دیگر چیزیں مثلاً چادر، جُبّہ، عصا وغیرہ حضرات صحابہؓ نے محفوظ رکھا ہے ۔ آپؐ کے آثار ومتروکات کی تعظیم نبئ کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی تعظیم ہے ۔ ان کی صحت کے لیے اخبار و احادیث سے ثبوت مل جائے تو یہ ایک مضبوط دلیل ہے ۔ آپؐ کی جانب کوئی چیز منسوب ہو اور وہ لوگوں میں معروف ہو اور تواتر کے ساتھ منقول ہو تو اس کی صحت اور ثبوت کے لیے یہ بھی ایک دلیل ہے ۔ موئے شریف پر ابر کا سایہ کرنا اور اس کی چھاؤں نہ پڑنا اور اس پر مکھی نہ بیٹھنا، یہ کوئی ضروری نہیں ہے ۔

موئے شریف کے وجود اور اس کی صحت اور ثبوت سے متعلق شیخ الہند حضرت شاہ عبدالحقؒ محدث دہلوی نے " اشعۃ اللمعات " میں حدیث نقل کی ہے کہ نبئ کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے موئے مبارک حضرت ابو طلحہ انصاریؓ کو عنایت فرمایا اور لوگوں کے درمیان تقسیم کرنے کی ہدایت کی ۔

"شرح سفر السعادة" علامہ نور چشتی نے کہا ہے کہ حجۃ الوداع میں نبیٔ کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا موئے شریف تقسیم کرنا یہ اس بات کا اشارہ ہے کہ عنقریب آپؐ دُنیا سے پردہ فرمائیں گے اور یہ موئے شریف آپؐ کی یاد کا سبب بن جائے گا۔

عروہ بن مسعود ثقفی رضی اللہ عنہٗ کا چشم دید بیان ہے کہ جب کبھی نبیٔ کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا موئے شریف گر جاتا تو صحابہ کرامؓ تبرک کے خیال سے اس کو اٹھا کر محفوظ رکھتے تھے۔ جیسا کہ "مدارج النبوۃ" جلد اول میں ہے۔

"منسک متوسط" میں مولانا رحمت اللہ سندھی کا جو بیان ہے اور ملّا علی قاری نے اس کی جو شرح کی ہے اس کا ماحصل یہ ہے کہ

وہ مساجد، باولیاں، آثار اور متروکات جو نبیٔ کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی جانب منسوب ہیں ان کی زیارت کرنا مستحب ہے اور اس کے مستحب ہونے میں اہل سنّت وجماعت کے چاروں امام (امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمد بن حنبلؒ) متفق ہیں۔

"شفا" میں قاضی عیاضؒ نے لکھا ہے کہ نبیٔ کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی اشیاء، اجزاء اور جگہیں جن میں آپؐ نے نزول فرمایا ان کی تعظیم، نبیٔ کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی تعظیم ہے۔

"سفینۃ النجات" میں مولانا محمد سعید اسلمی مدراسی نے لکھا ہے کہ موئے شریف کے تعلق سے یقینی طور پر کوئی ثبوت نہ بھی ہو، جب بھی اس کا احترام ضروری ہے۔ جب کُل کی تعظیم واجب ہے تو جزء کی تعظیم بھی واجب ہے۔

حضرت قطب ویلورؒ نے مختلف کتابوں کے حوالہ کے علاوہ اپنا ایک ذاتی واقعہ نقل بھی کیا ہے جو بہت ہی عبرت خیز اور نصیحت آمیز ہے۔ اللہ تعالےٰ حضرت مرحوم کو کروٹ کروٹ جنّت نصیب فرمائے اور ان کے علوم ومعارف کا فائدہ عام فرمائے

خادم العلم
ڈاکٹر بشیر الحق قریشی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سوال :- کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس باب میں کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اپنے موئے شریف صحابہؓ میں تقسیم فرمائے ہیں یا نہیں؟ اور زیارت آثار یعنی موئے شریف کی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے کیا ہے؟ اور اس کی تعظیم وتکریم گویا تعظیم وتکریم آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ہے یا نہیں؟ اور صحت پر اس کے حکم کرنے، ابر اس پر سایہ کرنا اور چھاؤں اس کی دھوپ میں نہ پڑنا اور باوجود گوڑ لگانے کے اس پر مکھی نہ بیٹھنا ضرور ہے یا نہیں: بیّنوا وتوجروا۔

الجواب

۱ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم حجۃ الوداع میں موئے مبارک تقسیم فرمائے ہیں اور عادت صحابہ رضی اللہ عنہم کی تھی کہ موئے مبارک جب سر اور داڑھی شریف سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے نکلتا تو اس کو تبرکاً اٹھا رکھ لیتے تھے۔

۲ اور زیارتِ مشاہد و آثار کی جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ہیں مستحب ہے۔

۳ اور تعظیم و تکریم اُنہوں کی گویا تعظیم و تکریم اس سرورِ سر دوسَرا کی ہے علیہ الصلوٰۃ والسلام۔

۴ اور صحت پر اس کے حکم کرنے، ابر سایہ ڈالنا اور چھاؤں اس کی نہ پڑنا اور مکھی اس پر نہ بیٹھنا ضرور نہیں۔ بلکہ صحیح ہونا نقل کا اس کے ثبوت میں بطریق اخبار و آثار یا بغیر ثابت ہوتے اس کے اخبار و آثار ہیں فقط معروف رہنا اس کا لوگوں میں اشتہار کے طور پر بس ہے۔

اشعۃ اللمعات میں شیخ الدہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ کے ہے: وناولُ الحالق شقہ الایمن اور دیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سر تراش کو سیدھا جانب اپنے سر کا۔ ظاہر اس حدیث سے یہ بات ہے کہ معتبر ابتدا کرنے میں سید جانب سر منڈھوا لینے والے کا ہے۔ اور بعضے سیدھے جانب کو منڈھنے ہارے کے اعتبار کرتے ہیں۔ فَحَلَقَهُ پھر منڈھا سیدھے جانب کو آنحضرتؐ کے ثُمَّ دَعَا اَبَا طَلْحَةَ الْاَنْصَارِیَّ فَاَعْطَاهُ اِيَّاهُ: ابو طلحہؓ انصاری کو جو مشہور صحابہؓ سے ہیں اور انہوں ہی نے لحدِ قبر شریف کھودا اور آپ ہی انس بن مالک کے ماں اُمِّ سلیم کو دیے۔ ثُمَّ نَاوَلَ الشِّقَّ الْاَيْسَرَ فَقَالَ اِحْلِقْ پتر دیے آنحضرت خلاق کو اپنا داہنواں جانب پس فرمائے منڈھ فَحَلَقَ تو منڈھا فَاَعْطَاهُ اَبَا طَلْحَةَ: پھر دیے موئے مبارک ابی طلحہؓ کو فَقَالَ اقْسِمْهُ بَيْنَ النَّاسِ: پھر فرمائے بانٹ دے ان کو لوگوں میں تو ہر یک کو یک یک دو دو عدد موئے شریف حصہ ملے۔ شاعر گویا اسی قصہ کی طرف اشارہ کیا: بیت

مرا از زلفِ تو موے بسنداست　　　فضولی می کنم بوے پسنداست

اسی طرح ناخناں بھی تراشے اور حاضرین پہ بانٹ دیے۔ اور یہ برکات اُمت میں آج تک باقی ہیں جو یاد دلانے اور یاد رکھنے کا ہو اجزائے وجود شریف کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو کے گویا مقولہ سے شاعر کے جو یک بُو بس ہے کہا، یہی مراد ہے۔ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ انتہیٰ۔ اور شرح سفر السعادۃ میں ہے کہا تورپشتی کو بانٹنا موئے مبارک کا صحابہؓ میں اس لیے تھا کہ یہ برکت انہوں میں باقی رہے اور انہوں کو وجود شریف سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے یاد دلانے اور یاد رکھنے کا سبب ہووے۔ اور گویا اشارہ فرمائے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اپنے اجل کی نزدیکی اور زمانہ صحبت کے سرجانے طرف۔ انتہیٰ اور مدارج النبوۃ جلد اول کے نویں باب میں

لکھتے ہیں۔ عروۃؓ بن مسعود نے دیکھا کہ جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم وضو کرتے تو آپؐ کے وضو کے پانی پر صحابہؓ کرام پیش دستی کرتے اور گرتے قریب تھا کہ اس پر مارا مارے کرلیں۔ اور جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے منہ اور ناک اور حلق سے پانی گرتا تو اس کو نیچے گرنے نا دے کے ہاتھوں میں لے کر اپنے منہ اور بدن پر ملتے اور جب موئے شریف گرتا تو سبقت کرتے اس کو اٹھا کے تبرک کے طور پر حفاظت کر رکھتے۔

اور اسی میں ہے اور مروی ہے انس بن مالکؓ سے کہ انھوں نے کہے بیشک دیکھا میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو اور سر تراش آپ کا سر مبارک مونڈھا تھا تو صحابہ ان بالوں کو جمع کرتے تھے پس یہی چہتے کہ جو موئے شریف کے گرتا ہو سو کسی کے ہاتھ ہی میں گرے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم حج میں اپنے مبارک سَر کے بالوں کو صحابہؓ پر تقسیم کئے سو اس کا بیان خدا چاہا تو اس کے محل میں آوے گا۔ انتہٰی۔ اور "حیات القلوب فی زیارت المحبوب کے چودھویں باب کے تیرھویں فصل میں لکھتا ہے: جانئے کہ مولانا رحمۃ اللہ سندی منسک متوسط میں اور ملا علی قاری مکی کی اس کے شرح میں عبارتِ مفیدہ لائے سو اس کا حاصل یہ ہے کہ جاننا چاہیے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم طرف منسوب ہیں سو مساجد اور باؤڑیاں اور آثار کی زیارت مستحب ہے۔ برابری کہ وے جانا جاویں یا جہت ان کا۔ اور تصریح کئے ہے علی الاطلاق اس استحباب پر یک جماعت علمای حنفیہ کی اور یک ٹکری شافعیہ اور مالکیہ اور حنابلہ کی اور تحقیق حضرت عمر رضی اللہ عنہما کوشش کرتے تھے نماز کرنے اور اُترنے اور گذرنے میں جہاں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نماز کئے یا اُترے یا گذرے۔ اور قاضی عیاضؒ شفا میں کہا ہے کہ تعظیم واکرام سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم کے ہے تعظیم کرنا سب اشیاء اور اجزاء کا آنحضرت کے اور اکرام کرنا سب مکانوں کا آپ کے کہ جن میں رہے یا اُترے ہوں اور کرنا ہر چیز کی جو لگی ہو ہاتھ یا پہلو یا قدم یا کوئی عضو کو اعضوں سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے برابر ہے کہ اس کے ثبوت میں نقل صحیح آوے یا اخبار و آثار سے ثابت نہو کے لوگوں میں اشتہار کے طور پر معروف رہے۔ تمام ہوا خلاصہ سندی اور مکی رحمہما اللہ کے کلام کا انتہٰی۔

مولانا سراج العلماء مولوی محمد سعید صاحب اسلمی مغفورؒ سفینۃ النجات کے بیالیسویں صفحے میں لکھتے ہیں برخلاف موی شریف کے اگرچہ بالیقین معلوم نہ ہو کہ واجب التعظیم ہے اس لیے کہ جب کُل کی تعظیم واجب ہوی تو جزء اس کا تکریم اور احترام میں اس کے سریکا ہے اور قیاس چیزہائے مذکورہ[1] کا اس پر قیاس مع الفارق ہے اور نقص[2] لانا موئے شریف کے تعظیم میں نظر کرتے حرمت پر تعظیم اشیاء مذکورہ کے نقص بغیر مثل ہے۔ پس یہ باطل ہے۔ انتہٰی۔

---

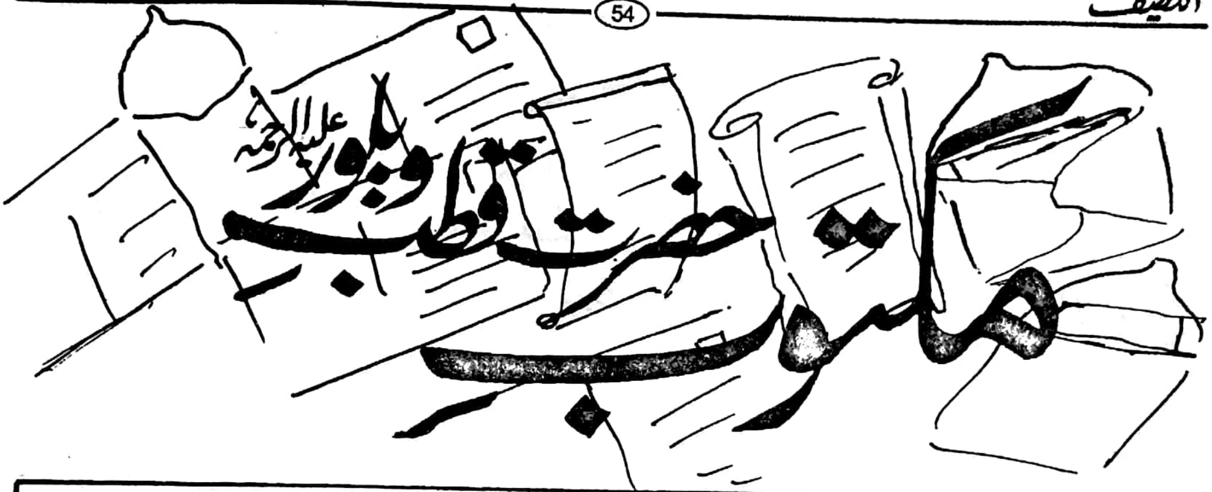
[1] اور پنجے، شدے، گھوڑے اور خچروں کے نعلاں اور جھنڈے اور ان سری کے چیزاں کہ تعظیم ان تمام کی کفر ہے۔ [2] یعنے توٹ لانا۔

اس مقام میں یک ملفوظ ملفوظات سے قدوۃ المحققین زبدۃ المدققین اسوۃ العارفین نقاوۃ الواصلین واقفِ اسرارِ ربّانی مجدد الف ثانی جامع الشریعت والطریقۃ کاشفِ رموزِ المعرفۃ والحقیقۃ حضرت شاہ عبدالحق محمد مخدوم الحقانی القادری الساوی رحمۃ اللہ علیہ کے جو جمع کرنے والے ان ملفوظات کے قطب الزماں ترجمان لسان العرفان قدوۃ الواصلین زبدۃ العارفین شیخی وجدی رکن الملت والدین حضرت سید شاہ ابوالحسن القادری القربی قدس اللہ سرہٗ العزیز ہیں[1] بطریق فائدہ لایا جاتا ہے ۔ وہ یہ ہیں لفظ فرماتے تھے کہ لوگاں جب آثار شریف لاتے ہیں وہاں طالب حق باادب رہے۔ کیوں کہ آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم حجۃ الوداع میں سر مبارک منڈھواتے وقت موئے شریف لوگوں کو عنایت فرمائے ہیں جس روز کہ فقیر سفر زبر باد کا قصد کیا محمود بندر میں پہنچا۔ وہاں آثار شریف تھا ۔ سو فقیر اس کی زیارت کا قصد کیا۔ دو طالب العلم ہمراہ تھے سو زیارت کے منع میں تقریراں کرنے لگے۔ کہ لوگاں جھوٹ آثار شریف کا نام لینے اور لوگوں میں شہرت دیتے ہیں تا کچھ نفع حاصل ہوجاوے ۔ حضرت اتنی مسافت طے کرکے وہاں جانا کیا مناسب ہے ؟ فقیر جواب میں کہا مجھ کو حضرتؐ کے نام کی تعظیم بس ہے ۔ اور انہوں کی بات چیت طرف التفات نا کرکے آثار شریف کی زیارت کیا۔ خادم جو میرا جو ایک احمق تھا وہ بھی اُن طالب العلموں کے موافق تقریراں کیا۔ فقیر اس پر بھی نا التفات کرکے زیارت بجالایا۔ جب دو پہر رات ہوی تو وے دونوں طالب العلم روتے دھوتے اور واویلا افسوس کرتے فقیر پاس آئے کہ ہم خواب میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو دیکھے۔ فرمائے کہ ایسا انکار اچھا نہیں۔ اس لیے کہ ایسے ہی انکار سے ابوجہل اور ابولہب خراب ہوگئے ۔ انتہیٰ ۔

اَللّٰھُمَّ اَرِنَا الْحَقَّ حَقًّا وَّارْزُقْنَا اتِّبَاعَہٗ وَاَرِنَا الْبَاطِلَ بَاطِلًا وَّارْزُقْنَا اجْتِنَابَہٗ وَصَلِّ وَسَلِّمْ عَلٰی خَیْرِ خَلْقِكَ مُحَمَّدٍ سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ شَفِیْعِ الْمُذْنِبِیْنَ وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَاَتْبَاعِہٖ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ بِرَحْمَتِكَ یَا اَرْحَمَ الرّٰحِمِیْنَ : اے خدا دکھا تو ہمارے تیئں حق کو حق اور روزی کر ہم کو تابعداری اس کی اور دکھا ہم کو باطل کے تیئں باطل اور روزی کر ہم کو پرہیز اس سے اور درود و سلام بھیج اور بہترین مخلوق تیرے محمدؐ سردار پیغمبراں کے شفاعت کرنے والے گنہگاراں کے اور آل پر انؐ کے اور یاراں پر انؐ کے اور تابعاں پر انؐ کے قیامت تک رحمت سے تیرے اے زیادہ رحم کرنے والا رحم کرنے والوں سے۔ •••

---

[1] اور دستِ مبارک سے لکھے ہیں۔



حضرت قطب ویلور نے ذیل کا فارسی مکتوب امام الدین مہکری چیف جج میسور کے نام تحریر کیا تھا۔ اس میں آپ نے وصیت کے صرف ایک تہائی پر عمل کرنے کی تائید احادیث کی روشنی میں بیان کی ہے۔ اسی کے ساتھ وصیت اور ھبہ کی تعریف اور فرق کو بھی واضح کیا ہے۔ استاذی المحترم حضرت مولانا سید حمید اشرف کچھوچھوی علیہ الرحمہ سابق استاذ دار العلوم لطیفیہ ویلور کے قلم سے یہ ترجمہ ہے جو قارئین اللطیف کی نذر کیا جارہا ہے۔

ڈاکٹر بشیر الحق قریشی غفرلہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم ط

بعد حمد وصلوٰۃ اور سلام دعا کے ملحوظ خاطر ہو کہ جناب کے مکرر عنایت نامے ۲۱ اور ۲۶ ذی الحجہ سنہ ۱۲۵۹ھ کے تحریر کئے موصول ہوئے۔ خیر و عافیت دریافت کر کے فرحت و مسرت ہوئی۔ الحمد للہ علیٰ ذالک۔ شافی حقیقی ہمیشہ آپ کو صحت مند و تندرست رکھے۔ موسم سرما کی صحت کچھ لائق اعتبار نہیں ہے اگر گرمی کے موسم میں بھی صحت اسی طرح برقرار رہے تو غنیمت سمجھنا چاہیے۔ مختصر یہ کہ صحت کی طرف سے بے فکر نہ رہنا چاہیے بلکہ اپنی پوری توجہ انہیں تدابیر کی طرف مبذول رکھنا چاہیے جو پہلے تحریر کی گئی ہیں۔

وصیت کے متعلق آپ نے دریافت فرمایا تھا۔ سوال کا خلاصہ یہ ہے کہ حق جل مجدہٗ نے وصیت کو بندوں پر فرض قرار دیا ہے۔ اور بلاکم وکاست وصیت کی ادائیگی کا حکم دیا ہے اور آیت کریمہ میں لفظ غیر مضار وصی یعنے مینجر کے حق میں تاکید ہے تاکہ مینجر وصیت اور قرض کے معاملہ میں کسی کو نقصان نہ پہنچائے۔ اگر غیر مضار کی نسبت موصی کی طرف یعنی اصلی ولی اور مالک کی طرف کی جائے گی تو حکم قرآنی کے خلاف ہوگا۔ نیز دوسری وجہ یہ ہے کہ موصی یعنی مالک اپنے مال میں تصرف کرتا ہے اور جو شخص اپنے مال میں تصرف کرتا ہے وہ دوسرے کے لیے ضرر رساں کیسے ہو سکتا ہے۔ کیونکہ

اُسے حق ہے۔ وہ اپنے مال میں جس طرح چاہے تصرف کرے۔ اس سے معلوم ہوا کہ غیر مضار کا تعلق وصی سے ہے نہ کہ موصی سے۔ لہٰذا وصیت کو ثلث مال سے نافذ کرنا حکم قرآنی اور عقلِ انسانی دونوں کے خلاف ہے۔ قرآن سے تو اس کا ثبوت کہیں نہیں ہے اور اگر مجتہدین کے اجتہاد، مفسرین کی تفسیر اور جمہور کی رائے سے ہو تو قرآن کے خلاف اجتہادِ مجتہدین و تفسیر مفسرین کا کیا اعتبار۔

محبِ مکرم! جواب تحریر کرنے سے پہلے چند باتیں بطور مبادیات جان لینا ضروری ہیں۔

اَدِلّہ شرعیہ چار ہیں ۱۔ کتاب۔ ۲۔ سنّت۔ ۳۔ اجماع۔ ۴۔ قیاس مجتہد۔ اگرچہ قرآن کریم تمام احکام شرعیہ کو جامع ہے۔ لیکن بعض احکام ایسے ہیں کہ طاقتِ بشری ان کے فہم سے عاجز ہے۔ اور اس کا ادراک پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ مخصوص ہے۔ ایسے احکام کو مخصوص کہتے ہیں۔ آیت قرآنی: اطیعوا اللّٰہ واطیعوا الرّسول میں سنّت کے اتباع کا حکم ہے اور بعض وہ احکام ہیں کہ غیر مجتہدین کا فہم و ادراک سے قاصر ہے وہ صرف مجتہدین کی کوشش و اجتہاد سے ظاہر ہوتے ہیں۔ ان کو مجتہدات کہتے ہیں۔ آیت کریمہ: فاعتبروا یا اولی الابصار مجتہدین کے اجتہاد کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ احکام کی اس قسم میں صحت اور خطا دونوں کا احتمال ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا ارادہ بھی یہی ہے کہ یہ احکام مبہم رہیں تاکہ ائمۂ مجتہدین اپنے اپنے اجتہاد کے مطابق سخت اور آسان احکام کا استنباط و استخراج کریں اور متورع و غیر متورع اپنی اپنی طاقت کے مطابق تشدید و تخفیف پر عمل کریں اور بموجب اختلاف العلماء رحمۃ عوام و خواص سب اللہ کی رحمت کے سزاوار ہوں۔

حدیث شریف الشّیطٰن ذئب الانسان کذئب الغنم یاخذ الشاۃ القاصیۃ والناحیۃ ایاکما والشعاب وعلیکم بالجماعۃ والعامّۃ یعنی جماعت کے ساتھ رہو، جماعت کی دوری سے بچو، تاکہ شیطان کے قبضہ میں گرفتار نہ ہو۔ کیوں کہ شیطان انسان کے لیے بھیڑیا کی طرح ہے۔

دوسری حدیث ہے علیکم بالسّواد الاعظم یعنی جمہور کی معیّت کو اختیار کرو۔

مندرجہ بالا دونوں حدیثیں اجماع اور جمہور کے اتباع پر دلالت کرتی ہیں۔ ایسی صورت میں مذکورہ تصریحات کی روشنی میں صرف کلام باری تعالےٰ پر اکتفاء واقتصار اور جمہور و اجتہاد مجتہدین اور تفسیر و مفسرین سے استغناء کیسے ہوسکتا ہے فقیر کو آپ کی اس تحریر سے سخت حیرت ہے۔ دل سے سکون و قرار رخصت ہوگیا اور رگِ حیدری پھڑک اٹھی جس سے ناچار مجھے بھی سخت و سست کلمات لکھنے پڑے۔

سعادت اثر و نیک فرجام! حضرت شیخ مجدد رحمۃ اللہ علیہ مکتوبات جلد دوم، ۵۵ مکتوب میں فرماتے ہیں:
قرآن مجید عام احکام شرعیہ کو بلکہ تمام شرائع سابقہ کو بھی جامع ہے۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ بعض احکام شریعت ایسے ہیں، جو عبارت النص، دلالت النص اور اقتضاء النص سے معلوم ہو جاتے ہیں۔ اس کے فہم و ادراک میں تمام اہل زبان و لغت

برابر ہیں۔ احکام شرعیہ کی دوسری قسم وہ ہے جو اجتہاد و استنباط کے ذریعہ معلوم ہوتی ہے۔ اس قسم کا فہم و ادراک ائمۂ مجتہدین کے ساتھ مخصوص ہے۔ پھر ان احکام اجتہادیہ کی دو قسمیں ہیں، حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا زمانہ چوں کہ نزولِ وحی کا زمانہ تھا، لہذا اس زمانہ کے احکام اجتہادیہ خطا اور صواب کے درمیان دائر نہیں تھے۔ لیکن جو احکام مجتہدین کے اجتہاد سے حاصل ہوئے ہیں، وہ صواب و خطا کے درمیا متردد ہیں۔ لہذا زمانۂ رسالت کے احکام اجتہادیہ قطعی و یقینی ہیں، جو عمل اور اعتقاد کو مفید ہیں۔ اور زمانۂ وحی کے بعد کے احکام اجتہادیہ ظنی ہیں جو مفید عمل ہیں، موجب اعتقاد نہیں۔

احکام شرعیہ کی تیسری قسم وہ ہے کہ طاقتِ بشری جس کے فہم سے عاجز ہے۔ جب تک اللہ رب العزۃ کی طرف سے ان احکام پر اطلاع نہ کی جائے اس کا فہم ممکن نہیں۔ اس قسم پر اطلاع و اعلام پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ خاص ہے پیغمبر کے علاوہ اور کسی کو ان احکام پر مطلع نہیں کیا جاتا۔ اگرچہ یہ احکام بھی کتاب اللہ سے ماخوذ ہیں۔ لیکن احکام کے مُظہر پیغمبر علیہ السلام ہیں۔ لہذا ان کو سنّت کی طرف منسوب کیا گیا۔ جس طرح ائمۂ مجتہدین کے احکام اجتہادیہ کو قیاس کی طرف منسوب کیا گیا۔ کیوں کہ قیاس ہی ان احکام کا مُظہر ہے۔ پس سنّت اور قیاس دونوں مُظہر احکام ہیں۔ اگرچہ ان دونوں میں بڑا فرق ہے۔ ایک رائے کی طرف منسوب ہے جس میں خطا کا احتمال ہے۔ دوسرا اعلام حق تعالیٰ کی طرف منسوب ہے، جس میں خطا کی گنجائش نہیں۔

جو لوگ احکام اجتہادیہ کے فہم سے عاجز ہیں کلام کی دقّت، پیچیدگی اور خفا کی وجہ سے مجتہدین کے اجتہاد کو کتاب و سنّت کے خلاف سمجھتے ہیں اور ائمۂ مجتہدین کو اصحاب رائے گمان کرتے ہیں تو یہ سب اس وجہ سے ہے کہ ان حضرات کے علم و درایت اور فہم و فراست سے یہ لوگ بے خبر ہیں۔ ان کوتاہ نظروں کی جرأت پر افسوس ہے کہ اپنے قصور کو دوسرے کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ ؎

قاصرے گر کند ایں طائفہ را طعن و قصور — حاش للہ کہ برآرم بزباں ایں گلہ را
ہمہ شیران جہاں بستہ ایں سلسلہ اند — روبہ از حیلہ چساں بگسلد ایں سلسلہ را

حضرت حق سبحانہٗ تعالیٰ ان کو توفیق دے کہ جو دین کے ستون اور اسلام کے سردار ہیں ان کے خلافِ شان زبان پر کوئی حرف نہ لائیں اور اسلام کے سوادِ اعظم کو ایذا و آزار نہ پہنچائیں: یریدون ان یطفؤا نور اللہ با فواھھم۔ جو لوگ اکابر دین کو اصحابِ رائے سمجھتے ہیں اگر اس سے مقصود یہ ہے کہ حضرات مجتہدین کتاب و سنّت کی پیروی کے بغیر فقط اپنی رائے سے حکم لگاتے ہیں تو اس بناء پر اہل اسلام کا سوادِ اعظم ان کے زعم فاسد میں ضال و مبتدع ہوگا۔ بلکہ زمرۂ اہل اسلام سے خارج ہوگا۔ ایسا عقیدہ وہی شخص کرے گا جو جاہل ہو اور اپنے جہل سے بھی بے خبر ہو۔ یا یہ خیال زندیق کرے گا کہ جس کا مقصد احکام دینیہ کا ابطال ہے۔ ان ناقص اور کم مایہ لوگوں نے چند حدیثیں یاد کرلی ہیں اور احکام شرعیہ کو اسی میں منحصر سمجھ کر اپنے معلومات کے علاوہ کی نفی کردیتے ہیں: ؎

چوں آں کرمے کہ در سنگی نہاں است
زمین و آسمان او ہمان است

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ شفا میں تحریر فرماتے ہیں: کہ اسی سنّتِ نبوی صلے اللہ علیہ وسلم سے قرآن کے مجمل و متشابہ احکام کی عقدہ کشائی ہوتی ہے اور اللہ تعالٰے کی مراد واضح ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ لوگ جب قرآن مجید کے معانی میں نزاع، تاویل اور بحث و تمحیص کرنے لگے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کہ ان کی معانی کو سنّنِ نبوی صلے اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں حل کرو۔ اس لیے کہ حضور علیہ السلام کا طریقہ اور سنت نبوی، معانی قرآن کے فہم اور تعیین میں سند اور دستاویز کی حیثیت رکھتا ہے۔

علمائے مجتہدین نے فرمایا ہے کہ احکام میں تین ہزار حدیثیں وارد ہوئی ہیں۔ یعنی تین ہزار احکام شرعیہ سنّت سے ثابت ہیں۔ روافض و خوارج اور دوسرے فرقے جو سنّتِ نبوی کو پس پشت ڈالتے ہیں اور صحابہ کرام سے جو راویِ سنّت ہیں بدظن ہیں۔ وہ ان احکام سے محروم ہیں: مثنوی

ہست سنّت رہ جماعت چوں رفیق
بے رہ و بے یار افتی در مضیق

جو لوگ کتاب میزان شعرانی، کتب اصول، تفاسیر، شروح احادیث اور دیگر اہل سنّت والجماعت کی کتب حقہ کا مطالعہ کرے گا اُسے معلوم ہوگا کہ اجتہاد کے شرائط کیا ہیں؟ مجتہد کون لوگ ہیں؟ اور انھوں نے احکام ربّانی اور احادیث نبوی کی مراد دریافت کرنے کے لیے جس قدر محنت و مشقت برداشت کی جزاھم اللہ عنّا خیر الجزاء

حاصل کلام یہ ہے کہ جو شخص پیغمبر علیہ السلام کی سنّت سے اور اجماع و اجتہاد سے جو کتاب و سنّت کے لیے مبیّن و مظہر ہیں اعراض کرتا ہے اور ہر ہر حکم جزئی کا ثبوت قرآن سے چاہتا ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے۔ جیسے کوئی شخص بادشاہ کے مخصوص ایلچی یا قاصد کے حکم کو ٹھکرا کر بادشاہ کے فرمان کی سند طلب کریں۔ مذکورہ تفصلات سے یہ واضح ہو گیا کہ جب کوئی حکم قرآن مجید سے معلوم نہ ہو تو پیغمبر کی حدیث اور سنتِ خیر البشر سے معلوم کریں گے اور جب وہ سنّت سے بھی معلوم نہ ہو تو اجماع، جمہور اور اجتہادِ مجتہدین سے دریافت کریں گے اور ان احکام کی تلاش کے لیے کتب تفاسیر، شروحِ احادیث، کتبِ اصول اور دیگر کتب اہل سنّت والجماعت کا مطالعہ کریں گے اور اس فرقہ ناجیہ کو جو سنّت اور جماعتِ صحابہ کا پیرو ہے۔ اہل سنّت والجماعۃ کہتے ہیں اور فرقہ ضالہ کو جو سنت سَنیّہ، روایات صحابہ کو پس پشت ڈالتے ہیں اور اجماع و مجتہدین کے خلاف قرآن مجید میں اپنی ہوا و ہوس و خودرائی سے تاویلات کرتے ہیں۔ بہتّر فرقے میں متفرق ہو کر راہ ضلالت کے راہرو ہو گئے ہیں ان کو بدعتی اور اہلِ ہوا کہتے ہیں کس قدر افسوس کا مقام ہے۔ نصاریٰ باوجود اپنی گمراہی کے جمہور یعنی مجارٹی کی متفقہ رائے اور فیصلہ پر عمل کرتے ہیں۔ اپنے علماء و مفسرین کے اقوال کو جو زمانہ قدیم و جدید میں مرتب کئے گئے ہیں اپنی دستاویز اور سند سمجھتے ہیں اور یہ بے بصر باوجود دعوی دینداری کے اجماع، جمہور اور اقوال مجتہدین و علمائے راسخین کو جو کتاب و

سنّت سے مستند ہیں طشت ازبام کردیتے ہیں: انا للّٰہ وانا الیہ راجعون۔

اس تمام طعن وطنز ردوقدح کے بعد ہم اصل مسئلہ وصیّت کے جواب کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ معلوم ہونا چاہیے کہ وصیّت تہائی مال سے جائز ہے۔ ورثہ خواہ راضی ہوں یا نہ ہوں۔ تفسیر معالم التنزیل میں آیت وصیّت "من بعد وصیۃ یوصی بہا او دین" میں یُوصی کے متعلق کہا ہے کہ اس میں قراء سبعہ کی قرأت مختلف ہے۔ ابن کثیر، ابن عامر اور ابوبکر نے اس کو صیغۂ مجہول کے ساتھ پڑھا ہے۔ اسی طرح آیت میں یُوصیٰ ثانیہ کو مجہول پڑھا ہے۔ حفص نے صرف دوسرے کو مجہول پڑھا ہے۔ باقی دوسرے قراء نے دونوں جگہ صؔ کے کسرہ کے ساتھ یعنی صیغۂ معروف پڑھا ہے۔ کیوں کہ سابقہ آیات میں میت کا ذکر ہوچکا ہے۔ بعد وصیۃ یو اور من بعد وصیۃ توصون۔ یہ سب صیغے معروف کے ساتھ ہیں۔ یہ قرینہ ہے کہ یوصی کا لانا بھی معروف کے ساتھ ہو۔ نیز معالم التنزیل میں غیر مضار کی تفسیر میں ہے کہ میت تہائی مال سے زائد کی وصیّت کرکے ورثہ کو نقصان نہ پہونچاے۔ اس سے معلوم ہوا کہ تہائی مال کے وصیّت کرنے کی اجازت ہے۔ امام حسن نے غیر مضار کی تفسیر میں کہا کہ ضرر کی صورت یہ ہے کہ کسی کو قرض ادا کرنے کی وصیت کرے۔ حالاں کہ وہ قرض اس کے ذمہ نہ ہو۔ اس طرح وہ دوسرے ورثہ کی حق تلفی نہیں کرسکتا۔ قتادہ نے کہا کہ اللّٰہ تعالےٰ ضرار کو حیات اور نزع دونوں حالتوں میں ناپسند کرتا ہے اور اس سے ممانعت کی ہے۔

تفسیر مدارک میں یوصیٰ بہا اولیٰ اور ثانیہ دونوں صادیں کے فتحہ کے ساتھ ہے۔ مکّی، شامی، حماد اور یحییٰ سب کی قرأت اسی طرح ہے۔ حفص نے یوصیٰ ثانیہ کو فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ یُورث جو مجہول کا صیغہ ہے اس کی مجاورت کی وجہ سے اور پہلے یوصیٰ کو مکسور پڑھا: یوصیکم اللّٰہ کی مجاورت کی وجہ سے باقی دوسرے قراء نے دونوں جگہ کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ مدارک میں یہ بھی ہے کہ غیر مضار ترکیب میں حال ہے۔ تقدعبارت یہ ہوگی: یوصی بھا وھو غیر مضارٌ لورثتہ وذلک ان یوصی زیادۃً علی الثلث الوارث

مدارک میں ہے کہ اگر یہ اشکال وارد کیا جاے کہ مجہول پڑھنے کی صورت میں اگر غیر مضار حال مانا جائے تو ذوالحال کہاں ہوگا؟ جواب یہ ہے کہ ایک اور یُوصی معروف کے ساتھ مقدر ہوگا اور اس کی ضمیر سے غیر مضار کا حال ہوگا: لانّہ لمّا قیل یسبّح لہٗ علِم ان ثمّ مسبحًا فاضمر یسبّح۔ اسی طرح تفسیر جواہر اور تفسیر حسینی میں غیر مضار کا ترجمہ یہ کیا ہے۔ درآں حالیکہ میّت ورثہ کو وصیت اور دین میں نقصان نہ پہونچاے وصیت کے اندر ضرر کی صورت یہ ہے کہ تہائی مال سے زیادہ کی وصیّت کرے اور دَین کے اندر ضرر کی صورت یہ ہے کہ کسی کا قرض کا اپنے ذمہ اقرار کرے جو درحقیقت اس کے ذمہ نہیں تھا۔ الغرض لفظ یوصی میں قراء کا اختلاف ہے۔ اکثر معروف پڑھتے ہیں اور بعض مجہول۔ لیکن اس اختلاف کے باوجود سب کے سب اس پر متفق ہیں۔ کہ غیر مضار یوصی سے حال ہے نہ کہ وصی سے۔ چناں چہ آیاتِ سابقہ میں یوصیکم اللّٰہ الخ ولکم نصف ماترک

ازواجکم الخ ولھن الربع الخ لفظ یوصیکم اللہ یوصین، توصون اور یوصی اکثر قراء کے نزدیک صیغہائے معروف کے ساتھ ہے۔ ان تمام جگہوں میں موصی اور میت کے سوا اور کوئی دوسرا فاعل نہیں ہے۔ لہذا سیاق و سباق دلالت کرتا ہے، کہ آیتِ زیرِ بحث میں بھی یوصی کا فاعل میت ہے۔ لفظ غیر مضار کو وصی سے حال بنانا جیسا کہ آپ نے تحریر کیا، اس کی کوئی وجہ نہیں ہے بلکہ سیاق و سباق آیات کے بھی خلاف ہے۔

نیز حدیث شریف میں حضرت سعد وقاص رضی اللہ تعالےٰ عنہ، سے مروی ہے کہ حضرت سعدؓ کو حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے تہائی مال سے زائد کی وصیّت کرنے سے منع فرمایا۔ پس یہ حدیث لفظ غیر مضار کے لیے مفسّر و مبیّن ہے۔

نیز ہبہ اور وصیّت میں فرق ہے۔ اس لیے کہ ہبہ کے اندر تملیک حالتِ حیات میں ہوتی ہے اور وصیّت میں تملیک موت کے بعد ہوتی ہے اور ائمہ کرام اس مسئلہ میں متفق ہیں کہ ہبہ، عتق، وقف اور مرض موت کے وقت کے تمام عطیات ایک تہائی کے ساتھ معتبر ہیں تو جب موت کے وقت کا ہبہ ایک تہائی کے ساتھ معتبر ہے تو وصیت کیوں کر ایک تہائی سے معتبر نہ ہوگی

اگرچہ آپ کا یہ کہنا درست ہے کہ موصی اپنے مملوک میں وصیت کرتا ہے لیکن یہ واضح ہونا چاہیے کہ محض مملوکیت نفاذ حکم کا موجب نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نابالغ بچّے کا اور مجنون کا حکم اپنے مملوک میں نافذ نہیں ہوتا۔ دانشمند حکام بے وقوفوں اور فاتر العقل ضعیفوں کے احکام کو ان کے مال میں نافذ ہونے نہیں دیتے۔ مالک کو تصرف کرنے سے باز رکھتے ہیں اور مال کو مالک کی حیات کے باوجود اولیاء و ورثہ کے سپرد کر دیتے ہیں۔ اسی طرح اگر مالکِ حقیقی، موصی کے حکم کو تہائی سے زائد میں نافذ ہونے سے روک دے اور بمقتضائے رحمت، ورثہ کو اس کے ضرر سے باز رکھے تو اس میں کیا تعجب ہے: انہ ھوالحاکم العلیم والمالک الحکیم۔

یہ بھی واضح ہو کہ وصیت مستحب ہے واجب نہیں۔ آیتِ میراث کے نزول سے پہلے وصیت واجب تھی۔ جب آیتِ میراث نازل ہوئی تو وجوب وصیت کا حکم منسوخ ہوگیا اسی وجہ سے اب ورثاء کے لیے وصیت صحیح نہیں ہے جیسا کہ حدیثِ شریف میں حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: ان اللہ قد اعطی کل ذی حق حقہ فلا وصیۃ لوارث: یعنی حق تعالےٰ نے ہر صاحبِ حق کا حق میراث میں متعین کر دیا۔ لہذا اب وارث کے لیے وصیت جائز نہیں ہے۔ نیز حدیث شریف میں حضرت عبداللہ ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: لاوصیۃ لوارث الا ان یشاء الورثہ۔ یعنی وصیت وارث کے لیے صحیح نہیں ہے۔ البتہ اگر باقی دوسرے ورثاء بھی اس پر راضی ہو جائیں تو جائز ہے۔

اس صورت میں وصیت کی فرضیت کا حکم جس کی طرف آپ نے سوال میں اشارہ کیا ہے کسی طرح ثابت نہیں ہوتا۔ البتہ اگر کسی پر دَین ہو یا کسی کی امانت ہو تو اس وقت وصیت کرنا واجب ہے۔

اوقات کی قلت اور اشغال کی کثرت جواب کی تطویل و تفصیل سے مانع ہے زیادہ اللہ تعالےٰ تمہارا حافظ و ناصر ہو جہاں بھی رہو: ؎ عمر بگذشت و حدیث درد من آخر شد ÷ شب بآخر شد اکنوں کوتہ کنم افسانہ را

جواہر السلوک

قدوۃ السالکین حضرت مولانا مولوی شاہ محی الدین سید عبد اللطیف المعروف بہ قطب ویلور قدس سرہٗ

مترجم: سید احمد محی الدین قادری الحافظی۔ حیدرآبادی

فائدہ نمبر ۲۸

حضرت قطب ویلور کی فارسی تصنیف "جواھر السلوک" جو علم تصوّف کے دقیق معارف و حقائق پر مشتمل ھے فاضل مترجم نے بڑی خوبی اور سلیقہ کے ساتھ عام فہم انداز میں مسائل کی تشریح اور توضیح کی ھے

اہلِ سنّت والجماعت کے عقائد کی صحت اور ساتھ ساتھ اُن کے مسلک جو نہایت اہم اور ضروری ہیں، ان عقائد سے متعلق مولانا شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے اپنے ایک رسالہ "حسنِ عقیدۃ العلم" میں ان تمام اعتبارات کو واضح فرمایا ہے اور ان تمام قواعد کو ضبطِ تحریر فرمایا ہے جو "شروع کرتا ہوں اللہ جل شانہٗ کے نام نامی اسم گرامی سے۔ تمام تعریف اللہ جل شانہٗ کے لیے ہے جو عالمین کا پالنے والا ہے اور صلوٰۃ وسلام ہمارے سردار خاتم النبیین اور ان کی آل او رصحابۂ کرام پر اس کے بعد اس فقیر سے اللہ اس پر رحمت نازل فرمائے احمد ولی اللہ ابن عبد الرحیم اللہ جل شانہٗ اس کے اعمال کو بہتر بنادے گواہی اس ذاتِ واحد کی اور جو فرشتہ اس کی بارگاہ میں حاضر ہیں اور پھر انس جوان مقدرات کے اعتبار میں جو اپنے قلوب کے عقاید میں اس کتاب کی اجتماعی کیفیت اور ساتھ ساتھ کشفِ روحانی جو اس حال میں سماعت اور بصارت کے اعتبارات جو انسانی عبادات کے حقوق اور پھر حکم الٰہی "ہو تو ہوجاتی ہے" یعنی اسباب کے وجود میں لانے اور اس سے کماحقہٗ استفادہ کرنے اور دلوں میں باطل طاقتوں کا جو کھوٹ بھرا ہوا ہے اس کو دور کرنے اور بلاشبہ ان الفاظ میں ظاہر ہونا اور خُلق میں ہر وہ جو وجود میں موجود غیریت کے پرتو سے سنوارا گیا ہے اور پھر اس کے عادات واطوار کے اعتبارات میں اور اسی طرح اس کے تعلقات، جیسا کہ وہ اپنے عملیات میں اور اس کو جس حد تک معلومات نہیں ہیں اور پھر ان تمام خوبیوں سے بھرا ہوا ہے اور پھر جن چیزوں کا وجود موجود ہے اور اللہ ان چیزوں سے متعلق علم عطا فرمایا ہے اور مومنین کی تربیت کیا اور روز محشر جو ذاتِ باری تعالےٰ کے روبرو ہوں گے اور اُن کو وہ چیزوں کا علم بتایا جائے گا جن سے وہ ناواقف تھے۔

اور وہ اس بات سے اور اللہ جل شانہٗ کے اُن منتخب کردہ ہستیاں اور اُن کے سامنے یہ واقعات پیش ہوں گے۔ ان تمثیلات میں وہ بھی معاملات شامل ہوں گے، جو حضرت محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کے بتائے ہوئے ارشادات کا موقف ہوگا۔ دراصل حضرت قبلہ اعلی اللہ مقامہٗ نے اپنی تالیف کے اس حصہ میں جن اعتبارات صفات اور ذات خداوندی سے تحریراً ان امور کو صراحت کے ساتھ بیان فرمائے ہیں کہ انسان میں ایک دوسرے سے تعلقات فرداً فرداً جب کہ انسان کو ہر دوسرے انسان سے جدا اور عملیات کے اعتبار میں بالکل مختلف طور پر وجود میں لایا ہے۔ اسی طرح اس کا فہم اور وہم و گمان بھی مختلف اور ہر انسانی ضروریات کی تکمیل اس عالمِ مثال میں علاحدہ علاحدہ طور پر حاصل ہوگی اور جس طرح بھی اس کا عقیدہ ہوگا، خواہ وہ راہِ راست پر ہو یا گمراہی کی جانب اس کا عقیدہ اس کو موڑتا ہے کما یُقال علی تسفیٔ الطبیب المریض اور ان تمام اعتبارات کو جو ان الفاظ میں مشابہت کے لحاظ سے نقل کیا گیا ہے۔ جیسا کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میں نے دیکھا کہ میرے رب نے ہر وجود کو اس کی ہیئت کے لحاظ سے عمدہ بنایا اور جس حد تک اس کے حیات مستعار کا تعیّن رکھا ہے اسی اعتبار سے یہ معاملات ہوگی۔ تخلیقِ انسانی سے متعلق اللہ جل شانہٗ کا ارشاد ہے: میں نے انسان کو اپنے صفات پر جیسا کہ وہ اپنی ہیئت میں وجود لینا ہے موجود کیا اور ہر دوسرے کے وجود کے مقابلہ میں مختلف چہرہ اور پھر رنگ و شکل کے اعتبار سے مختلف اور جس کو اس دنیا کے جس مقام پر رکھنا چاہیے وہاں موجود کیا۔ اور جس مقام پر جس انداز سے اس کو توفیق دے کر رکھنا ہو رکھا ہوں۔ اس وجود میں توفیق کے لحاظ سے وہ جو بھی مذہب اختیار کرے گا اس کا وہی مذہب ہوگا اور اس دارِ فانی میں دنیا کے ہر گوشہ میں سرورِ کائناتؐ کی رسالت وما ارسلنٰک یہ آیتِ پاک میں اللہ کی رحمت اور وجودِ ذاتِ محمدؐ کی رسالت عالمین کو گھیری ہوئی ہے۔

اللہ جل شانہٗ کی رحمت اور عالمین میں رسالت جو عالمین کی شفاعت کا کھلا ثبوت ہے اور یہ ذاتِ محمدؐ جو وجود میں اس عالمین میں موجود اور ثبوت شفاعت ہیں اور سب سے بڑا معجزہ یہ ہے کہ ہر گنہ گار اور کفر میں غلطاں شخصیت کے لیے آپؐ کا وجودِ پاک کافی ہے۔ اللہ جل شانہٗ کا یہ ارادہ اس تعلق سے بھی ہے کہ عالمین میں جو وجود اپنے اعتبار میں خواہ وہ کسی بھی ہیئت کا کیوں نہ ہو لائق بخشش و شفاعت ہے۔ اس عالم میں وہ جو بھی عمل ارادتاً کیا ہے وہ توفیق من اللہ ہے اور ہر شئے کی حرکت میں اللہ جل شانہٗ کی حکمت اور مصلحت ہر درجہ سے اکملیت اور کاملیتہٗ جیسا کہ اس کو حب کا خاصّہ دیا تو وہ محبت میں اپنے افعال کا اظہار کرے گا۔ اور اگر اس کو کوئی خاص کیفیت میں ڈھالا تو وہ اپنے افعال میں مخصوص کیفیات کا اظہار کرے گا۔ اور اس کے یہ افعال اور اگر ان افعال میں اصلاحی پہلو ہو تو وہ ایسے افعال کرے گا کہ اس کے یہ افعال اس کی نجات کا ذریعہ ثابت ہوں گے اور یہ اسی فعل سے منسوب معاملت کرے گا۔ اور اگر اس کو ظلم کی توفیق ملی اور اس توفیق میں اگر حکمت پوشیدہ ہے تو وہ مخلوق خدا کا معاملہ اس انداز سے کرے گا کہ اس کے استعمال میں مصلحت اور حکمت کا موقف نظر آئے گا۔ اور یہ تمام اعتبارات محل و وقوع سے متعلق ہوں گے اور ہر عمل میں اشیاء یا موجودات سے

متعلق ہونا چاہیے۔ اس میں حکمت کا دخل ہونا ضروری ہے اور ہر عمل میں عواقب میں توبہ کے امکانات موجود ہیں اور اللہ جل شانہٗ حکمت والا ہے۔ جب کہ انسان کو خود اس کے عمل کا ادراک نہیں ہے۔ اور مناسبت میں ان لوگوں کو جنہیں توبہ کی ہدایت سے زینت دیا ہے اور وہ لوگ جن کو یہ خبر روانہ کردی جا چکی ہے اور یہ لوگ اللہ جل شانہٗ کی صفات اور ذات سے بالکل واقف ہیں اور ان لوگوں سے جن سے معاملت ذات اور وجود سے کرنا ہے اور اپنے اعمال کی کتابوں میں موکلین، ملائکہ مقربین اور یہ سب اپنے کتابوں اور خط کے ذریعہ اور پھر ان اندیشوں کو پیشِ نظر رکھا اور پھر ایسے معاملات جس میں معاملات اور پھر اللہ کی مخلوق جب کہ شیاطین ان کو بے راہ روی کی جانب اکساتے ہیں جیسا کہ کلام اللہ میں آدمؑ سے متعلق تحریر کردہ معاملت اور اللہ جل شانہٗ کی بھیجی ہوئی وحی جو سرور کائناتؐ علیہ التحیات والتسلیم جو بشر کی ہئیت میں جلوہ افروز ہوئے اور جو کچھ اللہ جل شانہٗ کو جو کچھ بھی اپنے بندہ پر خواہ وہ چھپی ہو یا ظاہر اور یہ تمام اللہ جل شانہٗ کے نام کے ساتھ اور ساتھ ساتھ جو یہ تمام ہر اعتبار میں جسمانی یا روحانی ایسے ترسیلات اکثر و بیشتر جسموں سے متعلق ہیں۔ یہ ان اعتبارات میں ترسیل میں آتے ہیں۔ جب کہ وجود انسانی اور انتخاب میں پیغمبر اپنی شانِ پیغمبری میں معجزات سے مزین مخلوق کے درمیان اور نفسوں کے بیچ پیغمبری کے مناصب سے مقام متعین پر ظاہر کیے جاتے ہیں۔ اعتبارات جو انداز وجود کا ہے وہ صرف تعطل اور مشبہ ہے اور کفر اور الحاد سے متعلق جن اعتبارات کا تذکرہ اس صراحت میں کیا گیا وہ (ھوالذی یشب و یشیب وان تبدلت الاجزاء) اور بعد میں جن اعتبارات کا ذکر کیا گیا وہ ایک ہزار مرتبہ ان اجر کا کیا گیا۔ جن کا محاسبہ اس تعلق سے عمل میں آئے گا۔ جو اس راہ پر اس ترازوؤں میں پیمائش ہوگی اور پھر آگ اور جنت سے متعلق حق سبحانہ تعالےٰ اپنا اقدار ظاہر کرے گا۔ اور تمام مخلوق اسی روز ایک ہی موقف میں جمع کر لی جائے گی۔ اور پھر اپنے منشاء کا اختیار اس انداز سے بتائے گا کہ اسی کا منشاء ظاہر ہو جائے گا۔ اور جس کو جس طرح سے بھی موقع دے گا وہ اپنا مقام حاصل کرے گا۔ اور اس آگ میں یہ صاحب کبیر اور پھر اللہ جل شانہٗ اپنا عتاب کس انداز سے پیش فرمائے گا۔ دیکھا تم نے کہ کون سے اشارات تمہارے لیے ہدایت کا عمل بتائے اور کون سی چیزیں تم کو اتنے بڑے بڑے معاملات سے دوچار کرائے اور قیامت میں اللہ ان کے چہروں پر یہ تمام معاملات جن سے وہ عملیات میں منہمک رہے ہوں اس کا پیش خیمہ بتلائے گا اور ان ہی طریقوں میں کونسا طریق کار کا حاصل رہا ہے۔ اور یہاں معاملت اس انداز سے ہوگی کہ دنیا و مافیہا میں کن طریقوں میں مخلوق خدا پر احسانات کیے گئے اور مخلوق خدا کے حقوق سے متعلق باز پرس اور کس حد تک استحصال اور صلوٰۃ میں کس حد تک کفارات سے متعلق بات بنتی نظر آئی۔

اور ان امور میں اللہ جل شانہٗ سے شفاعت طلب کرنے کا حق حاصل رہا اور شفاعتِ محمدیؐ کے کس موقف میں اپنے آپ کو حق دار ثابت کرا سکے۔ امتِ محمدیہؐ میں ان بلند پایہ افراد کا حق ہے جنہوں نے اپنے آپ کو تتبع میں اسی انداز سے موقع حاصل کیا جیسا کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے خاطر خواہ اتباع میں حصہ لیا اور اللہ جل شانہٗ

کا منشاء پورا کیا اور دنیاوی محرومات اور فسق و فجور سے دور تک بھی ان کا تعلق نہیں رہا ہو۔ اللہ جلّ شانہٗ کے ارشادات کی روشنی میں اس عامل مثالی ہیں جو ہدایات بتلائے گئے ان میں صدقات، زکوٰۃ، فدیہ اور بے سہاروں کو سہارا محتاجوں کی امداد اور مریضوں کی دادرسی اور عیادت، نیک لوگوں کا مقام اور ہر نیکی کی راہ سے متعلق اپنا ارادہ اس کام کے کرنے کے لیے اور بے گانوں سے اپنا ایمانی تعلق۔ یہ تمام صفات کاملہ انبیاء علیہ السلام کی عادت اور مخلوق خاص کر امتوں کے لیے جن اندازوں ہیں انبیاء علیہ السلام پیغام بر اور رسولوں نے اپنا وطیرہ اللہ جل شانہٗ کی رضامندی حاصل کرنے میں آخر وقت تک نیکی، پارسائی اور مخلوقِ خدمت، جس کا ذکر کلام مجید میں آیا ہے، اپنے اپنے دور میں امتوں اور مخلوقِ خدا کے ساتھ جس طرح سے سلوک اور رواداری برتنا تھا وہ مکمل کئے انبیاء علیہ السلام کے اسوہ جات حسنہ کے لکھنے اور پڑھنے سے جو تقویت ایمان نصیب

حضرت سرور کائنات علیہ التحیات والتسلیم کا وجود پاک جیساکہ اللہ جل شانہٗ اپنی تخلیق میں ہر صفت کے اعتبارات کا انفرادی وجود موجود کیا اور جس طرح مومنین سے اُن کے اپنے اعمال کے لحاظ سے سوالات ہوں گے اور منکران سے بھی سوالات ہوں گے اور سرورِ کائناتؐ اُن منکران کے لیے سفارش فرمائیں گے، جن پر اللہ جل شانہٗ کا غضب نازل ہونے والا ہے۔ مخلوقِ خدا کے اعمال کے جواب میں حضرت خلق مرتبت کی بعثتِ مبارک حق اور جواز رکھتی ہے اور اللہ جل شانہٗ کے حکم پر جو عبادت عمل میں آتی ہے وہ اس کی رحمت سے کفالت کرتی ہے اور اچھے اور بُرے کی تمیز رکھنے والے اس امر میں کہ ان کا وجود ان کاموں کے لیے نہیں تھا اور اس طور ان پر فضل ہوگا اور پھر انبیاء علیہ السلام اللہ جلّ شانہٗ کے فضل و کرم میں ہیں اور اسی طرح وہ فایدہ میں ہیں اور وہ اپنی پاک طینت سے، کمالِ اخلاق سے اور پھر اس سے ہٹ کر اللہ کے بلند و بالا راز سے واقف ہیں۔ اللہ جلّ شانہٗ اُن پر اپنی عنایات و نوازشات سے مامور کردیا۔ اسی وجہ سے وہ اپنی فطرت کی سلامتی میں تھے اور علاوہ ازیں یہ فطرتاً معصوم تھے۔ اور ان پر ابطال کا کوئی بھی اثر نہیں تھا۔ اور اُن کے فطرتوں پر اللہ جلّ شانہٗ کے کمال کی تجلی تھی اور کمالِ اخلاق کی وجہ سے یہ پاک ہستیاں گناہوں کی جانب رُخ نہیں کئے بلکہ یہ ہستیاں ہمیشہ عباداتِ الٰہی میں مستغرق رہے۔ جس کی وجہ سے اللہ جلّ شانہٗ کی جانب سے وحی کا نزول ہوتا رہا اور طاعت الٰہی میں سرگرداں رہے اور ہمیشہ گناہوں سے اپنے آپ کو دور رکھنے کی ترغیب دیتے رہے اور آپس میں صرف اللہ جلّ شانہٗ کے عذاب نازل کرنے کے خوف سے اپنے آپ کو محفوظ کراتے رہے۔

جیساکہ اس کا انتہائی نازک جو غائب میں اس طرح حضرت یعقوب علیہ السلام پر ظاہر ہوا اور جس کا واقعہ یوسف علیہ السلام سے متعلق تحریر کیا گیا۔ اور پھر اس کے بعد حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم جو ان پیغمبروں کے بعد خاتم النبیینؐ بن کر تشریف لائے۔ اور کائنات میں موجودات جن اور انسان پر اپنے پورے خصوصیات کا مظاہرہ فرمایا اور اسی طرح اولیاء اللہ کے کرامات اور اللہ جلّ شانہٗ کی پہچان والوں اور پھر اُن بلند پایہ ہستیوں اور اُن کے صفات کاملہ جو اللہ جلّ شانہٗ کے فضل سے

اور اُن احسان کرنے والوں کا بھی تذکرہ جن کو اللہ جلّ شانہٗ نے اپنے کرم سے جس طرح اُن کو چاہا اور اُن کے چہروں کو اُن کی گواہی کی وجہ سے منّور کر دیا اور عشرہ مبشرہ کے صدقہ میں فاطمۃ الزہرہ سلام اللہ علیہا وخدیجۃ الکبریٰ وعائشہ صدیقہ والحسن والحسینؓ اور جنہوں نے اسلام کے قیام کو مستحکم کیا اور اسی طرح جنگ بدر اور بیعت الرضوان میں شرکت فرمائے ہیں اور سرور کائنات کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ جو عامۃ المسلمین کے پیشوا پھر حضرت عمرؓ پھر عثمانؓ پھر سیدنا علی کرم اللہ وجہہ پھر اُن کے بعد جنہوں نے خلافت کے عہدے پر فائز آ ے پھر بعد میں ممالک اسلامیہ میں عنانِ حکومت ہاتھ میں لی اور یہ معاملہ اس طرح یکے بعد دیگرے جیسا کہ سرورکائناتؐ کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہٗ جو لوگوں میں ایک بلند مرتبہ رکھتے ہیں پھر ان ہی وجوہات کے سبب حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہٗ اپنی بہادری کے سبب قوت اور عامہ اور مثالی اعتبارات میں جیسا کہ سرور کائناتؐ کے بتائے ہوئے عملیات اور علم الفقہ اور اللہ کی جانب سے عطا کردہ لوگوں میں معلومات اور تخلیقات برائے دینِ اسلام جنگوں میں ترکیب جنگ اور صحابۂ کرام کے اسوۂ حسنہ سے متعلق اور اس دینِ حنیف کے ان باریکیوں اور اس سے استفادہ کا ہر وہ وطیرہ جو اُن میں عام کرنا ضروری تھا۔ اور ساتھ ساتھ اللہ جلّ شانہٗ کی بلا شرک عبادت اور محرمات سے انکار اور جتنے بھی ضروریات جو اس دینِ حنیف کی تقویت اور استحکام کے لیے لازم ہیں روبہ عمل لائے گئے خاص کر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو زیادہ زیادہ سمجھایا گیا اور دینِ حنیف میں رب العزّت کے صفات میں زیادہ طور ظاہر و باطن کے اظہارات پر زور دیا گیا اور اب تمام تعریف ظاہر میں اور باطن میں بس اللہ جلّ شانہٗ کی ہے اور اب یہاں یہ بات ضروری ہے کہ حضرت شیخ فتح محمد محدّث برہان پوری جنہوں نے عقائد صوفیاء کی تالیف فرمائی اور اس تعلق سے رسالہ بھی طبع فرمایا اور اس تعلق سے یہ بات واضح کر دینا مناسب ہے کہ اس رسالہ کی تالیف من وعن اس طرح تطبیق رکھتی ہے، جو "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" ہے تمام تعریف اس عالمین کے رزاق الرحیم کی ہے اور پرہیزگاروں کی عاقبت سے ہے اور صلوٰۃ وسلام محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وآلہ واصحابہ پر ہے۔

اور جان لے اے عزیز کہ اللہ تجھ پر اپنی عنایات شدّت سے کرے اور دونوں جہان میں تجھے اچھا صلہ نصیب ہو اور جو اللہ کے صفاتِ کاملہ سے واقف ہیں اور جو وحدت الوجود کے لیے ذوقِ سلیم سے مزیّن ہیں اور جن کو اس کا وجدان ہے اور مکمل طور پر اس سے عقیدہ رکھتے ہیں کہ حقیقت میں اللہ جلّ شانہٗ کے موجود ہونے کی پہچان کا صرف یہی ایک عقیدہ ہے۔ نہ صرف یہ بلکہ حقیقت میں وجودِ ذاتِ باری تعالےٰ بس اسی میں مضمر ہے۔ اور بس بالکل صرف اس کا وجود بس یہی ایک وجود ہے اور حقیقت میں ایک اس کے ہونے کا ثبوت ہے اور اس پر کوئی قید کا اطلاق ہرگز نہیں ہوتا۔ قید اور بے قید یہ سب باتیں اس کے لیے انقلاب پیدا کرتی ہیں اور اب یہ مسئلہ یقین بالیقین الحاد سے علاحدہ ہو گیا اور حقیقتوں میں انقلاب یہ سب ذہنی کہاوتوں کا سلسلہ ہے اور جب

جب اس کا وجود حقیقتِ مطلق ہے اور یہ حکم بالکلیہ اس کے وجود کا الحاق ثابت کرتا ہے۔ جب کہ کسی شئے کے وجود کا صلب ہوجانا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ اس کا ارادہ تھا، جو اس کی طاقت اس کو عدم کردی۔ اس کا ہونا بذاتِ خود اس کا ہے پن ہے۔ اس میں ہونا یا نہ ہونا اس کا منشاء اور ارادہ ہے اور وجودِ مطلق کا موجود ہونا خود اس پر واجب آتا ہے اور شئے پر اس کے صفات کا پرتو ایسا ہے کہ اس کو موجود بھی کرتا ہے اور معدوم بھی کرتا ہے۔ اور یہ سب کچھ اس کے صفات کاملہ میں ہیں کہ قائم اور بقاء غائب اور عدم یہ اس کی جلال اور عظمت سے وجود ظہور غیاب قائم اور پھر قدرت کا کرشمہ ایسا کہ جس کو چاہا وجود میں لایا اور جس کو چاہا معدوم کیا۔ صفاتِ الٰہیہ میں ذات کا کوئی دخل نہیں ہے۔ اس لیے کہ بعض مقامات پر اہل اللہ کے صفات ہی کو عین ذات بتایا ہے اور اس طرح وجود کی موجودیت خود صفاتِ کاملہ ہیں۔ اور جب کہ وجود خود غیر محدود ہے تو صفات لامتناہی ہیں اور یہ کسی شئے پر منحصر نہیں ہے۔ اور یہ صفات بجائے خود علیحدہ نہیں ہیں تو معلوم ہوا کہ صفات ہی ذات ہیں اور ذات ہی صفات ہیں اور ہر دو ایک کیفیت میں بالکل وجود ہیں۔ اور اس طرح صفات کا ذات ہونا اور صفات کا ذات ہونا واجب الوجود ہیں۔

اولیاء اللہ ان دونوں کے ایک وجود کو "الیہ" سے معنون کرتے ہیں۔ تو معلوم ہوا کہ صفات اور ذات ہر دو ایک ہیں وجود ہیں اور اس میں کوئی اور دوسری غیریت ملوث نہیں ہے۔ بلکہ ایسا خیال کرنا بھی محال ہے۔ ان دونوں میں یکساں عمل ذات کا منشاء اور ارادہ ظاہر کرتے ہیں۔ جب ہر دو کا ایک ہی عمل ہے تو صفات کسے کہیں گے اور ذات صفات جو برسرِ عمل ہے وہ کہاں دکھائی دے رہی ہے۔ پس ہر دو ایک دوسرے میں ایسے موجود ہیں کہ اور کوئی شئے اس میں داخل نہیں ہو سکتی اور عالمین اس طرح سے ظاہر ہو رہے ہیں کہ اور وہ بذاتِ خود عالمین کو تعینات میں ایسا لیا ہوا ہے کہ عالمین تعینات میں ہیں اور اس کا لباس ظہور میں دکھائی دے رہا ہے۔ جسے مخلوقات کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ اور اس کی ذات صفات میں اس طرح محلل ہے کہ صرف ذات ہی ذات بمنزل "ہمہ اوست" ظہور میں ہے۔ ان ہی صفات کاملہ کے سبب کائنات ہر عالم میں اپنے اپنے حساب سے رواں دواں ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے منشاء ارادہ اور طاقت سے متحرک کیا ہے۔ اس منشاء میں منقلب کرنے کی طاقت ہے۔ اور صفاتِ حقیقت میں موجودات کو متحرک اور ساکت جیسا بھی اس کا منشاء ہے چلا رہی ہے۔ حقیقت کا اطلاق اور صفات کا اعملاق ہر دو ایک کیفیت کے نام ہیں اور ہر دو برسرِ افعال و کارکردگی میں منہمک ہیں۔ موجودات میں صفات کا تقید ہے اور موجودات ظہور ذات ہیں اور منشاء قدرت ہے اور قدرت خود دراصل محرکات کا تابع منشاء ہونا ظاہر کرتا ہے۔ صفاتِ حقیقت خود شئے اور موجودات میں صفاتی قوت ہے جو عین ذات ہے اور اس طرح کہ ہر ایک وجود میں اپنی شانِ صفات سے ایسی ظاہر کیا ہے جو اَمَرَج البَحرَین

يَلْتَقِيَانِ بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا يَبْغِيَانِ) سمندروں میں پانی کی سطح کی یکسانیت اور ایک سیال سطح کے حصول میں جب کہ ہر دو کیفیات مزاج اور لذت میں بالکل ایک دوسرے سے منحرف اور مزہ جدا جدا۔ اس بیان کے یہ معنی ہیں کہ ہماری طاقت باوجود دو سمندر آپس میں ایک ہی سیال سطح پر دکھائی دیتے ہیں، لیکن ہر دو کے اعتبارات اپنی کیفیت لذات میں بالکل علاحدہ علاحدہ امتزاجی کیفیت کے حامل ہیں۔ جس سے ہماری قدرت اور اس پر ہمارا حکم کس حد تک صادر ہے۔ یہ ہماری قدرت ہے۔ عالمین پر صفات کا اطلاق اور ارادے میں افعال کا کمال اور موجودات پر ہر ایک فرد پر منفرد حکم اور پھر محرکات میں اختلافی خوبیاں جو ازلی فطرتوں سے معیّن فرمائے گئے یہ سب اس کے ادبی اور اخلاقی صفات ہیں۔ ہر کوئی اپنی مرضی سے محرکات پر قادر نہیں ہے۔ اس لیے کہ انقلاب حقیقت محال ہے۔ اور یہ اس لیے ہے کہ فرد کو بذات خود آگاہی سے ناآشنا رکھا ہے اور جو کچھ اس کی مرضی ہے وہ تابع حکم ہے اور حکم اس کا مزاج اور منشاء ہے اور اگر اس نظریے سے جانچیں کہ جو کچھ عمل وہ کرتا ہے اپنی مرضی سے کرتا ہے۔ یہ بالکل محال ہے۔ لہذا اپنے کو بندہ نما اور بندہ پن میں جانچنا ہوگا اور اپنے بندہ پن میں جو تقیدات روپوش ہیں وہ سب ذاتِ خداوندی کے منشاء کے تحت ہیں۔ ذات اور صفات ہر دو تقیدات منجانب اللہ ہیں اور اگر ذات و صفات ان دونوں میں اتحاد ہو جائے تو شئے ساکت اور جامد اس وقت تک ہوگی جب تک کہ ارادہ کُن کے اعتبارات میں فیکون کی منزلت حاصل نہ کرے۔ اور بندہ کا تاً ایسا ہو جائے جیسا کہ ارادہ یکتائی میں اپنا کیفیاتی طور پر مستجلٰہ نہ ہو اور بالکلیہ صفات اور ذات کے انبساط میں ارادہ کے تابع منشاء کے محسوسات کا متبع نہ ہو۔ محقیقان کی تحقیق میں اور پھر عقیدت کی روشنی میں اور صوفیان نیز باذوق ہستیوں نے اس کے ارادے کے وہ گوشہ تلاش کئے ہیں اور پھر عارفین اپنے مافوق شعور کے پیش نظر ان اعتبارات کو اللہ جلّ شانہٗ کا کمال قدرت سے موسوم فرمائے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ رب العزت اپنے ارادے میں افعال انسانی کو کس موڑ پہ لے جاتا ہے۔ چناں چہ سلطان العارفین حضرت بایزید بسطامی علی اللہ عفار ارشاد فرماتے ہیں کہ قُلْتُ یومًا سبحانی ما اعظم شانی فانا الیوم کافرٌ مجوسی وانا اقطع زُنّاری واقول اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ چوں کہ یہ سلطان العارفین ان ماحولیات سے اچھے طور پر واقف تھے اور یہ تمام بادراک حاصل ہوا ہے۔

ان دونوں صفات میں مسلمان آپس میں ایک دوسرے سے ملتے ہیں اور حقیقی معنوں میں کلمۂ طیبہ کا مصداق اس درجہ اضافہ ہو جاتا ہے کہ مسلمان حقیقت میں باہم دیگر کلمۂ طیبہ کے مطیع اور صفات حقیقی کے فطری پیروکار ہو جاتے ہیں۔ اور مطلقاً عقیدت مند کہلاتے ہیں۔ اور اولاً تمام تر موقف میں معبود اور مسجود کہلاتے ہیں۔ اور اس طرح فطرتاً ان کا ایک ہو جانا اللہ کی جانب سے کلام کا نزول ہے اور اس طرح یہ روانگی اور فرستادگی اللہ کا حقیقی حکم ہے اور اللہ جلّ شانہٗ ان میں فعلیات کو محلِ تصرف جائز گردانا ہے۔ اور کلام کے نزول کی حقیقت کو وابستہ کرایا ہے۔ اور ان کے

صفات تطہیری میں جو اعتبارات رکھا ہے ان اوامر سے روگردانی دراصل خواہ ظاہری ہو یا مبغم ہو ایک حد تک جواز نہیں رکھتا اور یہ عذاب جہنم کے پانی سے وابستہ ہے۔ یہ تمام امور عقیدت پر مبنی ہیں۔ اس اطلاق کے اعتبار کے تحت ہر وہ معاملہ اس سلسلہ میں مربوط ہے اور اس معاملت سے متعلق حضرت شیخ محی الدین ابن عربی قدس سرہٗ العزیز مکۂ معظمہ کے فتوحات سے متعلق ارشاد فرماتے ہیں! اس مقام پر اللہ جل شانہٗ کی جو مرضی اس میں درکار ہے وہ بدرجۂ اتم موجود ہے اور دراصل اللہ کے پاس ہر وہ چیز کو جس انداز سے سرفراز فرماتا ہے اسی طرح اس کے تعینات میں رکھ کر دیا ہے۔ یہاں پر محققان اور عقیدت مند صوفیان اللہ اُن سے راضی ہوگیا اور اس میں دیگر عقاید کے حضرات کو کسی قسم کا عذر یا اعتراض نہیں ہے۔ یہاں یہ امر معرکۂ بحث میں آتا ہے کہ صفات اور ذات ہر دو آپس میں جدا نہیں ہے اور ان کا وجود بالکلیہ احدیت کا ہے۔ پس ان سرکاروں کے نزدیک بالکل ایک ہی حقیقت ثابت ہوی۔ ان امور میں جو بھی مباحث ہوئے محققین نے اس کو غائر نظر سے دیکھا اور عوالم پر اس کا اطلاق کن اعتبارات میں رونما ہوتا ہے اور احکام عالم بر عالم احکام ہر دو کے ان اعتبارات میں سورۂ فاتحہ کا موقف جس کا وحی سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ محققین اس امر سے اتفاق کرتے ہیں کہ جو امور اس کائنات میں مخلوق سے تعمیل اور طے پا رہے ہیں درحقیقت وہ اجمالی کیفیات ہیں جو اللہ جل شانہٗ کے حکم سے مخلوقات پر صادر ہوتے ہیں۔ اور یہی ایک ایسا وسیلہ ہے کہ مخلوق خدا اس میں منہمک ہے۔ اس کو صوفیاء معارف الحال یعنی اللہ کی جانب سے ہونے والے امور اور اللہ جل شانہٗ اپنے وعدہ میں بالکل اٹل ہے اور کسی کو بھی اس سے اختلاف نہیں ہو سکتا۔

اور موجود کا تعلق عالمین میں جو صفاتِ کاملہ مزین کئے گئے وہ قدرت ہیں اور منشاء اس پر قادر ہے اور پھر محرکات جو عالمین میں ہے وہ کثرت میں قدرت کے تابع ہے اور قدرت عالمین میں اپنی طاقت سے وجودِ باری تعالٰے کا منشاء لیے متحرک ہے اور اسی کے ملاحظہ میں بقدر تعین حرکت کرتی ہے اور وجہ یہ ہے کہ منشاء کے بعد کرنا اور نہ کرنا تابعِ قدرت ہے اور فرائض کی بجاآوری اس کا حکم ہے اور حکم جس حد تک اس کو حرکت میں لاتا ہے وہ کثرت اور انفرادیت پر بیک وقت کرواتا ہے۔ یہی اطلاق ہر دو صورتوں میں امر کے تابع ہے اور جب چاہا کثرت میں قدرت کاملہ سے متحرک کرتا ہے اور جب چاہا ساکت وجود میں جو موجودات کا عمل ہے وہ بذات خود عمل میں نہیں پایا جاتا بلکہ منشاء کا کمال ہے اور موجودات خود اس پر فائز نہیں ہے اور اگر ایسا نہیں ہو سکتا تو ہر شئے اپنے تئیں متحرک ہونا درست نہیں۔

اطلاق اگر اس پر وارد ہے تو پھر ہر وجود تابع منشاء ہے۔ یہ کہا جاتا ہے کہ دنیا کی خیریت آخرت کی بھلائی ہے۔ یہ صرف عاشقوں کی صفت بتائی گئی ہے اور اگر سکوت میں غلبہ نظر آتا ہے تو یہ قدرت کے اطلاق کی صفت ہے۔ جو سکوت میں حرکت نظر آئی۔ ساکت بجائے خود اپنی حرکت پر بلندی حاصل نہیں کرتا اور انبیاء علیہ السلام ان کیفیات کو علم و حکمت سے معنون کرتے ہیں اور یہ بھی فرماتے ہیں کہ مخلوق خدا میں ان کے کمالات کو علم و حکمت کے اعتبارات

(بقیہ صفحہ ۱۹ پر ملاحظہ ہو)

جواہر الحقائق

تصنیف لطیف ماہر علوم دین شریعت و طریقت، واقف رموز معرفت و حقیقت، حافظ قرآن مجدد جنوب حضرت شاہ محی الدین سید شاہ عبداللطیف قادری نقوی قادری المعروف بہ قطب ویلور قدس سرہٗ العزیز۔ المتوفی ۱۲۸۹ ہجری

نوادر الدائق ترجمۂ جواہر الحقائق

ترجمہ و تشریح: حضرت علامہ ڈاکٹر حکیم سید افسر باشاہ صاحب قاسمی صبغۃ اللّٰہی، شفاء ڈسپنسری، بنگلور روڈ، حضرت مکان ویلور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ

حمد تیری اے خدائے لم یزل ہے یہ اپنی زندگی کا ماحصل
نام تیرا اس دل کی ہے دوا ذکر تیرا روح کی میری شفا

جب زباں پر محمد کا نام آگیا دوستو زندگی کا پیام آگیا
آپ کی مدح انساں کیا کر سکے عرش سے جب درود و سلام آگیا

ہر قسم کی تعریف ثابت ہے اس پاک پالن ہار کے لیے جو ساری کائنات کا خالق و پروردگار ہے اور ہزاروں ہزار بار درود و سلام اس دربار گہر بار خلاصۂ کائنات، فخر موجودات، محسن اعظم، فخر آدم محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ و آلہٖ وسلم پر جن کی بدولت و طفیل اسلام کا بول بالا ہوا اور شرک و ضلالت، کفر و جہالت کا منہ کالا ہوا۔

الحمد للہ! زیر نظر کتاب "نوادر الدقائق" ترجمہ "جواہر الحقائق" کی یہ اٹھارہویں[18] قسط ہے جسے ہم آپ کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔ جو کتاب "جواہر الحقائق" کے فائدہ نمبر چھ (6) کے بقیہ حصہ کا ترجمہ ہے اور الحمد للہ! اس کتاب کا یہ چھٹواں فائدہ اس قسط پر مکمل ہو چکا ہے۔ اور انشاء اللہ آئندہ اس کا ساتواں فائدہ کا ترجمہ ہوگا۔

اس ترجمہ کے تعلق سے عرض ہے کہ اس کے اندر اتنی رعایت اور کوشش کی ہے کہ ترجمہ ہر اعتبار سے لفظی اور بامحاورہ ہو اور جہاں عبارت دقیق اور مشکل معلوم ہوتی ہے وہاں عبارت کا خلاصہ یا حاصل ترجمہ کر دیا ہے۔ پھر بھی بعض مقامات پر مشکل اور ادق الفاظ کے افہام و تفہیم میں دشواری محسوس ہونے پر حتی الوسع قوسین کے اندر اس کی تسہیل کر دی ہے۔ جو راقم الحروف مترجم کی طرف سے ایک خفیف اور ہلکا سا اضافہ اور فائدہ ہے اور جہاں تشریح کا مستقل عنوان ہے وہاں مترجم کی طرف سے مزید افہام و تفہیم کی ایک ادنیٰ تشریح اور کوشش سمجھیں۔

زیر نظر کتاب "نوادر الدقائق" ترجمہ "جواهر الحقائق" کی یہ اٹھارہویں قسط ہے جو الحمد للہ درج ذیل عناوین پر مشتمل ہے۔

1 واحدِ حقیقی۔
2 فلسفیوں کی بے پر کی اڑان و پرواز۔
3 فلسفیوں کا پاگل پن۔
4 فلسفیوں نہیں اسباب وجوہ۔
5 فلسفیوں کی باتیں سمجھ کے پرے ہیں۔
6 فلاسفہ کی بیہودہ خیالی اور زبوں حالی۔
7 نواں دسواں آسمان۔
8 پہلا فلسفی حکیم ارسطو۔
9 فلسفیوں کے اختلافات اور تعدد سماء۔
10 فلاسفہ حکیم شیخ الرئیس۔
11 سکون ملک کے اندر موت ہے۔
12 خیالی پکوان۔
13 مشاؤوں کے نظریات۔
14 شیخ بوعلی، امام رازی اور علامہ طوسیؔ۔
15 تشریح مترجم۔
16 فلسفیوں کی من گھڑت عقل فعال۔
17 تشریح مترجم۔
18 تشریح مترجم۔

شیخ المشائخ حضرت قطب ویلور قدس اللہ سرہٗ نے اپنی کتاب "جواہر الحقائق" میں علامہ قیصری کی کتاب "شرح فص الآدمیہ" کے حوالے سے سورۂ نساء کی آیت یٰایھا الناس اتقوا ربکم الذی خلقکم الخ کی تفسیر عالم جبروت کے اعتبار سے عالم ملکوت کے اعتبار سے اور عالم الملک کے لحاظ سے مختلف معنی اور تفصیل پیش کرنے کے بعد یہ ارشاد فرماتے ہیں:

واحد حقیقی

فلسفیوں کے اصول و قوانین سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ واحد حقیقی سے سوائے واحد کے اور کوئی واقع نہیں ہوتا ہے (یعنے اور کوئی دوسرا نہیں نکلتا ہے) اور علت العلل

بس خدائے واحد عزّوجل نہ تو کثرتِ حقیقی ہے اور نہ اعتباری۔ لہٰذا اس علت سے سوائے معلول اول کے جسے عقلِ اول کہتے ہیں اس سے کوئی دوسری چیز واقع نہیں ہوتی ہے۔ لیکن عقل اول سے عقل ثانی اور فلک (آسمان) اول یعنے فلکِ اعظم بنتا ہے اور عقلِ ثانی سے عقلِ ثالث اور فلک ثانی بنتا ہے اور عقلِ ثالث سے عقل رابع اور فلکِ ثالث کا صدور ہوتا ہے۔

فلسفیوں کی بے پر کی اڑان و پرواز

اور اسی طریقہ سے ہر عقل سے عقلی اور فلکی نکلتے ہیں اور پھر یہ سلسلہ اسی طرح عقلِ اخیر تک چلتا ہے اور یہ عقل فعّال ہوتی ہے۔ بہ سبب اس کے کثرت فعل اور تاثیر سے جو فلکِ قمری کے نیچے واقع ہے یعنے عالم عناصر میں۔

اور عقل فعّال سے عنصری مادہ کلیہ پیدا ہوتا ہے پھر یہ مادہ آسمانی حرکات کی مدد و اعانت سے نئی نئی مختلف قابلیتوں کو اپنے مختلف استعدادات کے مطابق صورت جسمیہ اور صورت نوعیۂ عنصریہ اور بسیطۂ مرکبہ کے قابل بناتا ہے۔

اس صورت میں افلاک (آسمانیں جو در حقیقت) عقلوں کی معلولات (علتیں) ہیں اور ان آسمانوں میں کثرت و بہتات بھی اس وجہ سے ہے کہ ان کا ہر جزا ور پارٹ بھی بے ڈول شکل و صورت اور (منتشر) جسم سے ہے۔ اور جب عقل واحد سے آسمان کا وقوع و صدور نہیں ہو سکتا ہے تو پھر اس سے عقل اور آسمان یہ دونوں کس طرح صادر ہو سکتے ہیں؟

(لہٰذا ان فلسفیوں نے) عقول (عقلوں) کو نفس امر میں تو ایک ہی مانا ہے مگر حساب کے اعتبار سے کثیر تسلیم کیا ہے۔ اور ہر عقل میں رجماً بالغیب یعنی بے سوچے سمجھے محض اندازے سے اٹکل پچو باتیں اور خیال آرائیاں کرتے ہیں (اور بغیر کسی دلیل اور) سند کے جہات و اعتبارات تراشتے (اور قائم کرتے ہیں اور ان کے یہ فرسودہ خیالات کو جو جہات و اعتبارات کا درجہ دیتے ہیں) انھیں مبادی کثرت قرار دیتے ہیں اور کثرت کے صدور و وقوع میں بہت بڑا اختلاف کرتے ہیں۔

(اسی مفہوم و مطلب میں حضرت اکبر الٰہ آبادی مرحوم نے کیا خوب کہا ہے: ؎

فلسفی کو بحث کے اندر خدا ملتا نہیں
ڈور کو سلجھا رہا ہے اور سرا ملتا نہیں

فلسفیوں کا پاگل پن

علامہ میبذی، کتاب "ہدایۃ حکمت" کی شرح میں فرماتے ہیں کہ "ملحض" میں امام نے فرمایا کہ یہ فلسفی لوگ ایک طرح کے خبطی (پاگل) ہیں۔ کبھی تو وہ عقل اول میں وجوب کی دو جہت و سمت کا اعتبار کرتے ہیں اور اسے عقل ثانی کے حق میں امکان اور ممکن ہونے کی علت قرار دیتے ہیں اور اسے فلک اعظم کے لیے علت ہونا بھی ظاہر کرتے ہیں۔ اور ان فلاسفیوں میں سے بعض وہ بھی ہیں جنہوں نے اس وجوب و امکان کے بدل کا اعتبار کیا

انہوں نے اس کے وجود و امکان کے واسطے عقل و فلک کے لیے علت قرار دیا۔

فلسفیوں کے تین اسباب و وجوہ

اور کبھی یہ فلاسفر اس کے اندر کثرت و بہتات کا اعتبار کرتے ہوئے اس کے تین وجوہ و اسباب بیان کرتے ہیں:

۱۔ فی نفسہ اس کا وجود ۲ غیر کے ساتھ اس کا وجوب

۳۔ اور اس کا امکان خود اپنی ذات کے لیے۔ (اور اس دلیل پر) یہ حضرات کہتے ہیں کہ اس کے ہر اعتبار سے ایک امر واقع ہوتا ہے (چنانچہ) اس کے وجودؔ کے لحاظ سے عقل جنم دیتی ہے اور اس کے وجوبؔ بالغیر کے اعتبار سے نفس کا وجود عمل میں آتا ہے اور اس کے امکانؔ کے اعتبار سے فلک (آسمان) جنم لیتا ہے۔

اور کبھی یہ خبطی فلسفی اس کے چار وجوہ اور سمتیں متعین کرتے ہیں اور اس اعتبار سے انہوں نے اس عقل کے علم میں اتنا اور اضافہ کر دیا کہ اس کا امکان فلک کے لیے ڈول (نامکمل) جسم و شکل کے لیے علت ہے اور اس کا علم اس کی شکل و صورت کے حق میں علت ہے۔ انتہیٰ۔ (میبذی)

فلسفیوں کی باتیں سمجھ کے پرے ہیں

فلسفیوں کی یہ باتیں سمجھ سے باہر ہیں۔ ان کی کوئی بھی بات عقل میں نہیں گزرتی۔ کیوں کہ خارجی اجسام و اعیان گو کہ جہات اور عقلی اعتبارات کی قسم سے واقع ہوتے ہیں اور ستارے والے آسمانوں کے ستاروں کی کثرت اور بے انتہا بہتات عقل واحد ثانی سے یہ کون کون سے جہات و اعتبارات تراشنا چاہتے ہیں؟ (سمجھ سے باہر ہے) اور نیچے والے آسمانوں میں ستارے والے آسمان کی کثرت کی قلت کا سبب کیا معنی رکھتا ہے؟

اور حق تعالیٰ و تقدس کی ذات واحد جہات سلوب (مٹانے اور کھینچنے کی جہتوں اور اضافات کی کثرت کے اعتبار سے بغیر کسی حاجت اور معلولات اور حکم وحدت کی وساطت و معرفت کے صادر اول کے بغیر کیوں مبدا ممکنات نہیں ہوتی؟

(اور اسی طرح) ذات واحد عقل اول بھی کثرت سلوب (مٹانے اور کھینچنے کی کثرت) اور اضافات کے اعتبار سے تعدد عقول کے اثبات کی حاجت کے بغیر ہی کیوں کر تمام مبدأ ممکنات کا منشاء نہیں بن سکتی؟

فلاسفہ کی بیہودہ خیالی اور بکواس

(فلاسفہ کے ان خرافات کے) علاوہ بھی (ان کے بعض فریق کے نزدیک عقول اور نفوس کی تعداد آسمانوں کی تعداد کے مطابق ہے۔ یعنی جتنے آسمان ہوں گے اتنے ہی عقول و نفوس بھی ہوں گے۔ اس لحاظ سے اس فریق کے پاس ہر آسمان کے دو مجرد جوہر ہوتے ہیں۔ یہی ان کی عقل اور نفس ہے۔

نواں دسواں آسمان

اور بعض فریق کے نزدیک عقل اول اور وہ نفس جو اس سے نکلے فلک الافلاک کے مقابل ہیں اور عقلِ ثانی اور وہ نفس جو اس سے نکلے فلک ثانی (دوسرا آسمان) کے مقابل ہیں اور اسی طرح (یہ سلسلہ) یہاں تک کہ نویں عقل اور نواں نفس جو نویں آسمان کے مقابل ہیں ہے۔ جیسے فلکِ قمر (چاند والا آسمان) کہتے ہیں اور نیز یہی نویں عقل کو عقلِ فعّال بھی کہتے ہیں۔

اور بعضوں کے نزدیک عقل فعّال (نویں نہیں بلکہ) دسویں عقل ہے۔ جو نویں عقل سے نکلی ہے۔ اور اس عقلِ فعّال سے مادۂ کلیہ کا عنصریہ اور حوادث نکلتے ہیں۔

فلسفی اول حکیم ارسطو

اور معلّم اول (سب سے پہلا استاد یونان کا مشہور و معروف فلاسفر حکیم ارسطو جسے ارسطاطالیس بھی کہتے ہیں۔ یہ سکندر اعظم کا وزیر اعظم اور استاد بھی تھا اور مشہور فلسفی حکیم افلاطون کا شاگرد رشید بھی۔) اس حکیم ارسطو کے پاس ہر ایک عقول و نفوس سے نکلنے والے (مادے) پچاس عدد سے بھی زیادہ ہیں۔ گر آتِ افلاک کی تعداد بھی اس ارسطو کے نزدیک اتنی ہی ہے یعنی پچاس سے زیادہ۔

فلسفیوں کے اختلافات اور تعدد سماء

اور بعض فلسفیوں کے نزدیک ان کی تعداد دوسری ہے۔ جن کی تفصیل مبسوطات (بڑی بڑی کتابوں) میں ڈھونڈیں اور یہاں (ان کی) تفصیل کا موقع نہیں ہے۔

اور بعضوں کے پاس عقول و نفوس کی گنتی اور تعداد آسمانوں کی گنتی کے موافق نہیں۔ بلکہ ستاروں کی تعداد کے مطابق ہے اور (حقیقت یہ ہے کہ) پورے آسمان کا ہر ستارہ دل کی حیثیت رکھتا ہے۔ (جس طرح ہر ذی روح کے لیے دل ایک اہم المہم رئیس و سردار ہے اور اس کے بغیر زندگی محال ہے اسی طرح ستارہ آسمان کے حق میں بمنزلۂ قلب ہے) اور حقیقت میں عقل و نفس کا حق جتلانا خاص اسی کو لائق و سزاوار ہے اور کواکب سیارہ (تیز روشن اور حرکت کرنے والے ستارے جنہیں سبع سیارات بھی کہتے ہیں ۱۔ چاند۔ ۲۔ سورج۔ ۳۔ عطارد۔ ۴۔ زہرہ۔ ۵۔ مریخ ۶۔ مشتری اور ۷۔ زحل) کے اوپر بھی ہر آسمان کے لیے ایک ایک عقل اور نفس بھی ہے۔ اس اعتبار سے ان فلسفیوں کے مذہب میں عقول و نفوس کی تعداد اٹھارہ ہوتی ہے۔

فلاسفر حکیم شیخ الرئیس

اور (حکیم شیخ الرئیس بو علی) ابنِ سینا اور اس کے متبعین و پیروکار اور ماننے والوں کے پاس ان کی تعداد آسمانوں اور متحرک ستاروں کی تعداد پر منحصر ہے۔ پس عقل و نفس کی تعداد ان کے نزدیک بتیس ۳۲ ہے۔

سکون ملک کے اندر موت ہے

اور بھی فلسفیوں کے نزدیک آسمانوں اور ستاروں کے مقابل میں سے ہر ایک کی موجودہ ستاروں کی عقل بھی ہے اور نفس بھی۔ کیوں کہ عالم سماوی (آسمانی عالم) میں ساکن (ٹھہرنے والی اور بغیر حرکت کئے) صورت نہیں ہے اور یہ (حقیقت ہے کہ) سکون (غیر متحرک صورت) اقلیم (کائنات اور ملک) کے اندر موت ہے۔ (حالاں کہ) وہ عالم، عالمِ حیات کہلاتا ہے۔ (جہاں کوئی چیز بھی مردہ شکل میں خاموش اور غیر متحرک موجود نہیں ہے) اور جہاں ہر ایک آسمان بھی حرکت کرنے والا اور وضعی حرکت سے متحرک ہوتا ہے۔

(اور اسی طرح) ہر ایک ستارہ بھی ثابت و سیارات (اپنی جگہ منجمد یعنی جمے اور متحرک چلنے اور حرکت کرنے والوں) سے اپنی جگہ سے وضعی دوری حرکت اپنی ذات پر بالذات رکھتا ہے۔ اور دوری حرکات کے پیچھے آسمانوں کے کرّاۃ (گیند کی طرح گول گول قسم کے کرّے ہوتے ہیں) جو ان سیاروں سے متعلق ہوتے ہیں اور جو اُن کے بالعرض حرکتوں سے متحرک ہوتے ہیں اور مرکب حرکت ان تمام سے ستارہ کے جرم (جسم و شناخت) میں محسوس ہوتی ہے۔

خیالی پکوان

اور جو ٹی کے بنیادی حکما (جو رواقیین (یہ حکمائے اشراقیین کی ایک ایسی جماعت ہے جو لوگوں کے قلوب کے احوال و کیفیات کو اپنے مکاشفہ کے ذریعہ معلوم کرتے ہیں اور بعض کتابوں میں یہ بھی لکھا ہے کہ رواقیاں ان حکماء کو کہتے ہیں جو کمرہ میں بیٹھ کر بغیر نبض شناسی کے یوں ہی علاج معالجہ کرتے ہیں۔ نبض دیکھنے کی چنداں ضرورت محسوس نہیں کرتے) اشراقنیین سے ہیں ان کا یہی نظریہ ہے۔

اور بعض فلاسفر کے نزدیک افلاک کلیہ و جزئیہ (یعنے پورے آسمانوں اور یا اس کے بعض حصوں) سے اور وہ تمام ستاروں سے جو منجمد اور اپنی جگہ ٹھہرے ہوئے ہیں اور وہ ستارے جو اپنی جگہ سے چلتے اور حرکت کرتے ہیں ان سب کے ہر ایک کے مقابل (آپوزیٹ) میں عقل اور نفسِ قدسی موجود ہے اور اسی طرح جسمانی قسم کی صورت کا نفس منطبعہ بھی ہے۔

"ھدایۃ الحکمت" کی شرح میں علامہ میبذیؒ نے فرمایا ہے کہ:

"آسمان کے لیے جو قریبی محرک یعنے دوسرے محرک کے واسطے کے بغیر ہوتا ہے اس کے لیے ایک جسمانی قوت ہوتی ہے اور آسمان کی جانب اس قوت کی نسبت ایسی ہی ہے جیسی ہمارے خیال کی نسبت ہوتی ہے۔ پھر ان دونوں کی جزوی صورتوں کی رسم کا محل بھی ہے۔ مگر اس میں خیال دماغ کے ساتھ خاص ہے اور وہ سرایت کرتا ہے آسمان کے اصلی جزو میں جو اس سے وسیع و بسیط پھیلاؤ اور اس کے بعض اجزا کا بعض اجزاء پر محل و قوع میں عدم رجحان کی بنا پر اس کو نفسِ منطبعہ کہتے ہیں۔"

مشّاؤوں کے نظریات

نیز علامہ میبذیؒ نے اپنی کتاب "ھدایۃ الحکمت" کی تعلیقات میں یہ بھی فرمایا ہے کہ مشّاؤوں (پیدل چل کر علم حاصل کرنے والے) اس بات کے قائل ہیں کہ آسمان کے لیے نفس منطبعہ ہے۔ غیر کے لیے نہیں ہے۔ (یعنی وہ صرف آسمان کے لیے نفس منطبعہ کے قائل ہیں دوسرے سیاروں کے لیے نہیں۔)

شیخ بوعلیؒ، امام رازیؒ اور علامہ طوسیؒ

اور شیخ علیؒ (شیخ الرئیس بوعلی ابن سینا) کہتے ہیں کہ آسمان کے لیے نفس مجردہ ہے غیر آسماں اس کا مستحق نہیں ہے اور رازیؒ (فخرالدین رازیؒ) اس بات کے قائل ہیں کہ آسمان کے لیے دو نفس ہیں:

۱۔ ایک نفس مجردہ ہے (جو مبداء ہے ارادۂ کلیہ کا) اور ۲۔ دوسرا نفس منطبعہ ہے (جو مبداء ہے ارادۂ جزئیہ کا)۔

اور علامہ محقق طوسیؒ فرماتے ہیں: یہ ایک ایسی چیز ہے (اور ایسی انوکھی بات ہے۔) جس کو اس سے پہلے کسی نے نہیں کہا کیوں کہ جسم واحد دو نفسوں اور دو علیحدہ ذاتوں کا مانع ہے۔ (پھر یہ دونوں بیک وقت ایک ساتھ کیسے جمع ہوسکتے ہیں؟) اور وہ جسم واحد ایک ساتھ آلہ ہے ان دونوں کے حق میں اور صحیح بات یہ ہے کہ اس جسم واحد کے واسطے نفس مجردہ اور قوت خیالیہ ضروری ہے اور امام (رازیؒ) کا اس سلسلہ میں آخری فیصلہ یہ ہے کہ انھوں نے قوت خیالیہ کی تعبیر نفس منطبعہ سے کی ہے ان ہی فلسفیوں کی حالت کے متعلق کلام اللہ کی آیت ہے: ومن الناس من یجادل فی اللہ بغیر علم ولا ھدی ولا کتٰب منیر (لوگوں میں بعضے لوگ وہ ہیں جو جھگڑتے ہیں اللہ کی بات میں بے خبری سے بے سوچے سمجھے اور بغیر دلیل اور بدون روشن کتاب کے۔)

تشریح مترجم

یہ سورۂ حج کی آیت نمبر ۸ ہے اور اسی سورت میں آیت نمبر ۳ تین میں بھی یہی بات گزری ہے مگر اس کے اندر اتنی تفصیل سے نہیں اجمالاً بیان کیا گیا ہے۔ اللہ تعالےٰ جن باتوں کی خبر دیتا ہے ان میں یہ لوگ جھگڑتے اور اٹکل پچو باتیں کرتے اور بیکار کی کج فہمیاں اور کج بحثیاں کرتے ہیں۔ محض اپنے جہل و بے خبری سے اور عجیب وغریب اعتقادات اور احمقانہ نظریات وشبہات پھیلاتے ہیں۔ مثلاً روز قیامت پر جزا وسزا پر، بعث بعد الموت پر اور عذاب قبر وغیرہ پر۔ ان کا بڑا اعتراض ہے کہ جب آدمی مر کر گل سڑ گیا اور ہڈیاں تک ریزہ ریزہ ہوگئیں تو یہ کیسے سمجھ میں آئے کہ وہ پھر زندہ ہوکر صحیح وسالم ہوکر اپنی اصلی حالت و پوزیشن پر لوٹ آئے گا۔؟

جس طرح آیت نمبر تین (۳) میں ان بیوقوفوں کی . نوں کا ایک اجمالی اور سرسری خاکہ پیش کیا گیا ہے اسی طرح آیت نمبر آٹھ (۸) میں بھی آیت مکررات ومتشبہات کے ساتھ مزید تفصیل سے موجود ہے۔ کہ اللہ کی باتوں میں ایسے واضح حقائق اور نہایت ہی مضبوط دلائل وشواہد کے سننے کے باوجود بھی بعض کج رو، کوتاہ فہم اور ضدی قسم کے لوگ اللہ کی

کی باتوں میں یوں ہی بے دلیل اور بے سند کے جھگڑتے رہتے ہیں۔ حالاں کہ ان کے پاس نہ تو کوئی علم صحیح موجود ہے نہ عقل سلیم۔ اور نہ دلیلِ عقلی ہے نہ دلیل سمعی۔ محض اپنے اوہام باطلہ ظنونِ ناقصہ کے پیچھے پڑے ہوئے خیالی گھوڑے دوڑا رہے ہیں۔ (التشریح ختم)

یہ جاننا چاہیے کہ حق تعالیٰ و تقدس بڑی قدرت والا بھی ہے اور طاقتور بھی۔ اور مجبوری و ناچاری کے قبول و منظور کرنے کے وہم و گمان سے بھی پاک ہے۔ بری ہے، آزاد ہے۔ اور اللہ تعالیٰ جو چاہے کرتا ہے اور جس بات کا ارادہ کرتا ہے حکم دیتا ہے۔ یہ اس کی شان ہے۔

فلسفیوں کی من گھڑت عقل فعّال

یہ فلاسفی حضرات (اللہ تعالیٰ کی شان میں) اختیار کُل قادر (قدرت والا) و مختار (پورے اختیار والا) کا انکار کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی ذات سے صرف منظور کرنے قبول کرنے کے ساتھ عقل اول کے واقع ہونے کے قائل ہیں اور حادثات (حوادث) کا پیش آنا یہ عقل فعّال سمجھتے ہیں۔ اور عقل فعال ان حکماء فلاسفہ کی ایجاد کردہ تراشی ہوی گھڑی ہوی باتیں ہیں اور ان کے ان تراشیدہ (اور من گھڑت) کے وجود کے سلسلہ میں اس کی ہزاروں ہزار تحقیقات (و تخلیقات) یہ فلسفیوں کے دھتکارے ہوئے، پھینکے ہوئے مقدمات پر مبنی ہیں جو ہرگز اپنے کمال کو نہیں پہنچتے ہیں اور شریعت اسلامیہ کی حقانیت کے اصول کے ایک دم خلاف ہیں۔ (اس طرح یہ حکماء فلاسفہ اہل حق کے اصول و قوانین کی صاف طور پر مخالفت کرتے ہیں۔)

ان فلسفیوں کے نزدیک معلول (وہ چیز جس کا کوئی سبب ہو، نتیجہ ہو، ثمرہ ہو) جب کسی قریبی علت میں اثر انداز ہوتا ہے تو علتِ بعیدہ (دُور والی علت) میں حصول معلول میں کوئی تاثیر نہیں ہوتی۔ (یعنی وہ کہتے ہیں کہ علتِ بعیدہ میں اثر انداز نہیں ہوتا ہے۔ کیا معنی رکھتا ہے۔؟) یہ لوگ حوادث کو اپنی من مانی تراشیدہ ذہنیت کا اثر سمجھتے ہیں (اور اپنی مزعومات کے تحت) مؤثرِ حقیقی (سبحانہٗ و تعالیٰ) کو معطل اور بے کار سمجھتے ہیں۔ پھر اس بیکاری کو تعظیم و تکریم اور بزرگی کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ کَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ إِن يَقُولُونَ إِلَّا كَذِبًا (سورۂ کہف: آیت نمبر ۵ (پانچ)) (ترجمہ: کیا بڑی بات نکلتی ہے ان کے منہ سے سب جھوٹ ہے جو کہتے ہیں۔)

تشریح مترجم

کوئی تحقیق اور علمی اصول و قانون اُن لوگوں کے ہاتھ میں نہیں ہے اور نہ ان کے باپ داداؤں کے ہاتھ میں تھا۔ جن کی اندھی تقلید و تائید میں ایسی بھاری غلطی اور بات اپنی زبان سے نکال رہے ہیں۔ گویا حق تعالیٰ شانہٗ کی شانِ قدوسیت اور سبوحیت کی ان لوگوں کو کچھ پرواہ نہیں اور کچھ خبر نہیں جو اس

کی بارگاہ میں ایسی نازیبا اور نامناسب باتیں اور گستاخیاں جان بوجھ کر کرتے ہوئے ذرا نہیں شرماتے ۔ دلائل و شواہد اور براہین کی جگہ ان کے ذخیرۂ معلومات میں یہی باقی رہ گیا ہے کہ زبان سے ایک جھوٹی من گھڑت اور بدیہی البطلان بات بے دھڑک کہتے چلے جائیں اور جب ان سے ثبوت مانگو تو کہہ دیں کہ یہ مذہب کا ایک اہم راز ہے جس کے ادراک تک انسانی عقل کی رسائی تاحال نہیں ہو سکی اور نہیں ہو سکے گی ۔ (تشریح ختم)

پس ان فلسفیوں کو اپنے ان جھوٹے دعوں کے تحت حضرت قاضی الحاجات (سبحانہٗ تعالےٰ) کے ساتھ کوئی حاجت نہیں ہے ۔ اور مجیب الدعوات (حق تعالےٰ) کی بارگاہ میں کبھی اپنا سر نیاز انھوں نے نہیں جھکایا (اور سرِ تسلیم خم نہیں کیا ۔) کیوں کہ ان حضرات نے کبھی محتاجی اور اچانک پیش آنے والی پریشانی کے عالم میں بھی اپنے گھڑے ہوئے فاسد خیالات ہی کی جانب رجوع کیا اور اپنی حاجت براری کے لیے ان ہی کے تراشیدہ (اور فرسودہ) عقیدوں سے کام نکالنا چاہا ۔ جب کہ عقل فعال ان کے لیے اپنے دعوی کے مطابق نہ موجب ہے نہ مختار (یعنے قبول و منظور کرنے کے نہ تو لائق ہے اور نہ اس کا اختیار رکھتی ہے ۔)

ایسی صورت میں اس عقل فعال سے اپنی قضائے حاجت کے لیے سوال کرنا اور اس سے مانگنا نہایت ہی غیر معقول بات ہے اور بے شک وانّ الکٰفرین لامولیٰ لھم ۔ (اور جو منکر ہیں ان کا کوئی رفیق نہیں ہے)

تشریحِ مترجم

یہ سورۂ محمدؐ کی آیت نمبر آٹھ (۸) کا ایک ٹکڑا ہے ۔ اس میں اللہ تعالیٰ مومنین صالحین کو دلاسا اور تسلی دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ہم ان مؤمنین و صالحین کے حق میں وقت پر ان کی اعانت و مدد کرتے ہیں ۔ کیا کافروں کا ایسا کون ساتھی اور رفیق بھی ہے جو اللہ کے مقابلہ میں ان کے کام آسکے ؟

"غزوۂ احد" میں ابوسفیان نے جو اس وقت دولت ایمان سے مشرف نہیں ہوئے تھے پکارا اور للکارا لنا العُزیٰ ولا عُزّیٰ لکم : (ہمارے پاس عزیٰ ہے اور تمہارے پاس عزّیٰ نہیں ہے ۔ اس پر ادھر سے اللہ کے رسول صلے اللہ علیہ وسلم نے بھی صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالےٰ علیہم اجمعین سے فرمایا کہ تم بھی اس کے جواب میں پکارو اللہ مولانا ولامولی لکم بے شک اللہ ہمارا رفیق و ساتھی ہے اور تمہارا کوئی رفیق و ساتھی نہیں ہے ۔ (تشریح ختم)

بھلا ایسے منکرینِ توحید فلسفیوں سے بت پرستی کرنے والے کافروں کا حال ہی بہتر ہے کیوں کہ یہ بتوں کی پرستش کرنے والے جب کسی مصیبت میں مبتلا ہوتے ہیں تو اللہ سبحانہٗ وتعالےٰ کے حضور میں التجا کرتے ہیں اور منت سماجت کرتے ہیں ۔ اپنے بتوں کو شفاعت کا ایک وسیلہ (ذریعہ) سمجھ کر اللہ کی بارگاہ میں پیش کرتے ہیں ۔ پس پاک ہے، بلند و بالا ہے، ارفع و اعلیٰ ہے اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی ذات ان باتوں سے جو یہ کافر لوگ کہتے ہیں ۔

الحمدللہ کتاب "جواہر الحقائق" کے فائدہ نمبر چھ کا ترجمہ مکمل ہوگیا اور ان شاء اللہ آئندہ قسط میں اس کے ساتویں فائدہ کا ترجمہ پیش کیا جائیگا۔ ...

جاری

● نعتِ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

☆ خواجہ محمد بیابانی نورؔ

میرے سرکارؐ کے دیوانے جدھر جاتے ہیں
اُن کے فیضان سے حالات سدھر جاتے ہیں

میرے آقا کے غلاموں کو غلامی پہ ہے ناز
کامراں ہو کے وہ دُنیا سے گزر جاتے ہیں

جب تری نظرِ کرم مجھ پہ ہے ہر دم آقاؐ
وقت کے زخم ترے نام سے بھر جاتے ہیں

تیرے ہی فضل و کرم کی ہے یہ دل میں تاثیر
غنچے کھلتے ہیں مہکتے ہیں نکھر جاتے ہیں

میرے مولا ترا دَر ہی تو خدا کا در ہے
سوئے حق لے کے تری راہ گزر جاتے ہیں

جو ترے عشق میں ہو جاتے ہیں خود سے فانی
یار کو پانے وہ تیرے ہی تو گھر جاتے ہیں

تیرے جام مئے وحدت سے جو مدہوش ہوئے
تیرے دامن ہی میں رہتے ہیں کدھر جاتے ہیں

من رأنی ہی رأ الحق ہے یہ ارشاد ترا
پئے دیدار تو بس اہلِ نظر جاتے ہیں

نورؔ بس سونگھ لے گلدستۂ عرفاں
جان و دل تیرے مہکتے ہیں سنور جاتے ہیں

☆ ڈاکٹر حکیم افسر پاشاہ افسرؔ

لو اُدھر سے خود بخود انعام اور احسان ہے
آ رہا ہے ابرِ رحمت دمبدم فیضان ہے

کوئی لمحہ بھی نہ ہوا ایسا کہ دل غافل رہے
جب بھی آئی یاد ان کی دل میں اک ہیجان ہے

دشت و در میں بحر و بر میں ذکر یوں ہوتا رہا
ہر جگہ ہو یاد ان کی بس یہی ارمان ہے

جامِ وحدت راہ سنّت بس یہی لازم رہے
اُنؐ کے نقشِ پا کو دیکھو یہ مئے عرفان ہے

ہم گنہگاروں کی بخشش کیوں نہ ہوگی اے حکیم
شافعِ محشر محمدؐ ہیں میرا ایمان ہے

ہم اگر پردیس میں ہوں دوری مہجوری سہی
اس کو کیا غم جب کہ افسرؔ آپؐ کا مہمان ہے

دل میں عشقِ مصطفیٰؐ ہو لب پر ذکر مصطفیٰؐ
میری بخشش کے لیے افسرؔ یہی سامان ہے

نقوشِ طاہر

سالنامہ اللطیف 1983ء میں حضرتِ اقدس مولانا ابوالحسن صدر الدین سید شاہ محمد طاہر قادری علیہ الرحمہ سابق ناظم دارالعلوم لطیفیہ حضرت مکان، ویلور کا ایک مفید و دلچسپ اور فکر انگیز و بصیرت افروز مضمون "دنیا کی بے ثباتی پر ایک طائرانہ نظر" شائع ہوا تھا۔ "اللطیف" کے اس شمارہ کی زینت ہے۔

"ادارہ"

سید المرسلین صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی برگزیدہ امّت کو دینی و دنیوی، تمدنی، معاشیاتی اور اخلاقی تعلیمات دی ہیں انھیں علوم کی تعلیم ان عربی مدرسوں میں حاصل کر رہے ہیں۔ سینکڑوں اصولوں کی تعلیم جو دی گئی ہے' ان میں دو ایک بطور مثال کے پیش کئے جا رہے ہیں۔

اگر کوئی شخص بیمار ہوتا ہے تو اس کی عیادت کرنا۔ اگر کسی کا انتقال ہو جائے تو اس کے گھر والوں کی تعزیت ادا کرنا اور اگر پڑوس پر کوئی حادثہ درپیش ہوتا ہے تو اس کی غم خواری کرنا علمائے حق اور بزرگانِ دین ان ہی اصولوں پر سختی سے پابند و کاربند رہا کرتے تھے۔ جن سے نہایت خوش گوار نتائج برآمد ہوتے۔

مولانا احمد حرب رحمۃ اللہ علیہ بھی ان ہی علماء سے تھے۔ آپ عالمِ باعمل اور اپنے وقت کے جیّد عالم اور صوفی منش بزرگ تھے۔ آپ کے پڑوس میں بہرام نامی ایک آتش پرست رہتا تھا۔ بہرام جب اپنا مال تجارت کو بھیجا تو راہ میں ڈاکوؤں نے اس کے مال کو لوٹ لیا۔ جب اس کی اطلاع آپ کو پہنچی تو آپ نے اپنے ساتھیوں سے کہا: بھائی ہمارے پڑوسی بہرام نے اپنا مال تجارت کو بھیجا تو راہ میں ڈاکوؤں نے لوٹ لیا ہے۔ چلو ہم چل کر اس کی غم خواری اور دلجوئی کریں۔ لہٰذا آپ اپنے ساتھیوں کے ساتھ اس کے مکان پر پہنچے۔ جب بہرام کو یہ کیفیت پہنچی کہ مسلمانوں کے روحانی پیشوا اس کے گھر آئے ہیں تو بخوشی جلد اٹھ کر دروازہ پر استقبال کے لیے پہنچا۔ مولانا احمد حرب رحمۃ اللہ علیہ کی دست بوسی اور آستین بوسی کے بعد نہایت ہی تعظیم و تکریم کے ساتھ آپ کو

اندر لے گیا اور بڑے ادب واحترام سے بٹھایا۔ آپ نے فرمایا: بہرام ہمیں معلوم ہوا ہے کہ ڈاکوؤں نے تمہارا مال لوٹ لیا ہے ہم اظہار افسوس کے لیے تمہارے پاس آئے ہیں۔ بہرام نے کہا: کہ حضرت میں اس بارے میں اللہ تعالیٰ کا شکر تین حیثیت سے کرتا ہوں۔ اول یہ کہ لوگوں نے میرا مال لوٹا ہے اور میں ان لوگوں کا مال نہیں لوٹا۔ دوسرا یہ کہ انھوں نے آدھا مال لوٹا ہے اور آدھا مال باقی ہے۔ تیسرا یہ کہ انھوں نے دُنیا کو لوٹا ہے، دین میرے پاس باقی ہے۔ مولانا احمد حربؒ نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ بھائی ان کی باتوں کو لکھ لو۔ بہرام سے آشنائی کی بو آرہی ہے۔ پھر آپ نے بہرام سے مخاطب ہو کر پوچھا کہ بتاؤ تم آتش کی پرستش کیوں کرتے ہو؟ بہرام نے کہا کہ حضرت میں لکڑیاں اس قدر جلاتا ہوں کہ قیامت کے روز میرے سے بے وفائی نہ کر سکے اور یہ کہ مجھے خدا تک پہنچا دے۔ آپ نے فرمایا: آگ جیسی کمزور ناتوان چیز جس پر ایک چھوٹا سا لڑکا بھی ایک چلّو بھر پانی ڈال دے تو وہ بجھ جاتی ہے اور ایسی کمزور چیز خدا تک کیسے پہنچا سکتی ہے؟ علاوہ ازیں آگ جاہل بھی ہے۔ اس کو مشک اور نجاست میں تمیز ہی نہیں۔ یہ دونوں کو برابر جلا دیتی ہے۔ اگر تم بھی اپنا ہاتھ اس پر ڈال دیں تو وہ تمہارا بھی لحاظ نہ کرے گی۔ بہرام آپ کی ان باتوں سے متاثر ہوا اور کہا کہ حضرت میرے چند سوال ہیں، جو میرے ذہن میں انتشار پیدا کر رہے ہیں۔ کیا آپ ان کا جواب دیں گے؟ آپ نے فرمایا: پوچھو جو بھی پوچھنا ہے۔ بہرام نے کہا: اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو کیوں پیدا کیا؟ اگر پیدا کیا ہے تو رزق کیوں دیتا ہے؟ اور رزق دیا ہے تو مارتا کیوں ہے؟ مولانا احمد حربؒ نے کہا: کہ اللہ نے مخلوق کو اس لیے پیدا کیا ہے کہ اس کی خالقیت کو جانے اور وہ رزق اس لیے دیتا ہے کہ وہ رزّاق ہے تاکہ اس کی رزّاقیت کو پہچانے اور وہ مارتا اس لیے ہے کہ اس کی قہاریت کو جانے اور پھر وہ زندہ اس لیے کرتا ہے وہ قادرِ مطلق ہے تاکہ اس کی قادریت کا اظہار ہو۔ بہرام نے کہا: حضرت وہ سب صحیح ہے۔ اگر آپ کا دین سچّا ہے تو آپ اس آگ میں ہاتھ ڈالیں تو آگ کا کوئی اثر نہ ہوگا۔ آپ نے بسم اللہ پڑھتے ہوئے آگ میں ہاتھ ڈالا اور بہت دیر تک اپنا ہاتھ آگ میں رکھا لیکن آگ کا کوئی اثر نہ ہوا۔ یہ دیکھ کر بہرام کلمہ طیبہ پڑھتے ہوئے آپ کے دستِ حق پرست پر مشرف بہ اسلام ہوا۔ بتایا جاتا ہے کہ بہرام آتش پرست جو کافر تھا، مسلمانوں کے روحانی پیشوا کی تعظیم وتکریم کرنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس کو اسلام کی دولت سے نواز دیا۔ مسلمان جو اپنے روحانی پیشواؤں اور علمائے حق کی تعظیم وتکریم نہیں کرتے تو وہ بدنصیب ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور اس کی دین اور عطا سے محروم رہتے ہیں۔

علم بڑی نعمت ھے: حدیث شریف میں آیا ہے۔ کہ حدیث پڑھو اور حدیث پڑھاؤ۔ جب اس کے درس و تدریس کا سلسلہ جاری وساری رہتا ہے تو قیامت تک شاگردوں کے شاگرد کا سلسلہ جاری رہتا ہے اور یہ ثواب جاریہ ہے۔ اور یہ دنیا بے ثبات ہے اور اس دنیا کی بے ثباتی کے متعلق حضرت خضر علیہ السلام سے سُنیے:

بنی اسرائیل کے ایک عالم وعابد کے پاس خضر علیہ السلام آیا کرتے تھے۔ جب اس وقت کے بادشاہ کو معلوم ہوا تو اس نے عابد وعالم کو بلوا بھیجا اور پوچھا: کیا تمہارے پاس خضر علیہ السلام آتے ہیں؟ انھوں نے کہا: ہاں! بادشاہ نے

کہا: اب کہ جب حضرت خضر علیہ السلام تمہارے پاس آئیں تو انھیں میرے پاس لے آنا۔ ورنہ نتیجہ ناخوش گوار ہوگا۔
جب خضر علیہ السلام اُن کے پاس آ ئے تو انھوں نے سارا واقعہ سنایا۔ آپؑ نے فرمایا: چلو ہم تمہارے لیے بادشاہ کے پاس چلیں۔ دونوں مل کر بادشاہ کے پاس گئے۔ بادشاہ نے دریافت کیا: آپ ہی خضرؑ ہیں؟ آپؑ نے فرمایا: ہاں تو پھر بادشاہ نے پھر کہا: کہ کوئی عجیب بات سنائیے اور کچھ نصیحت کیجیے۔ آپؑ نے فرمایا: کہ میں نے سینکڑوں عجائبات دیکھے ہیں اور سینکڑوں عجیب وغریب باتیں سنی ہیں، ان سے میں ایک عجیب واقعہ سناتا ہوں، لو سنو! حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا: ایک مرتبہ ایک نہایت ہی خوب صورت اور قدیم شہر سے گزرا۔ وہاں کے چند باشندوں سے پوچھا: کہ بھائی یہ شہر کب سے آباد ہے؟ انھوں نے جواب دیا کہ بھائی! یہ شہر تو نہایت قدیم ہے۔ اس کی ابتداء کا علم نہ ہمیں ہے نہ ہمارے آباء و اجداد کو ہے۔ میں وہاں سے روانہ ہو گیا اور پانچ سو برس بعد میرا گزر پھر اس مقام پر ہوا تو میں نے دیکھا کہ وہاں شہر کی بجائے ایک گنجان جنگل واقع ہے اور چند لوگ وہاں لکڑیاں کاٹ رہے ہیں۔ میں نے ان سے پوچھا: کہ بھائی! یہ شہر کب برباد ہوا اور یہ جنگل کب سے ہے؟ انھوں نے ہنسا اور کہا: آپ جیسے شخص یہ سوال کریں؟ یہ جنگل تو بہت پرانا ہے۔ یہی ہمیں علم ہے اور ہمارے آباء و اجداد کو بھی یہی علم ہے۔ میں وہاں سے روانہ ہوا۔ اور بعد پانچ سو برس کے میرا گزر اس مقام پر ہوا۔ میں نے دیکھا اس گنجان جنگل کی بجائے ایک عظیم الشان دریا وہاں بہہ رہا ہے اور چند شکاری مچھلیاں پکڑ رہے ہیں۔ میں نے ان سے پوچھا: یہ دریا کب سے بہہ رہا ہے؟ انھوں نے ہنسا اور کہا: آپ جیسا شخص یہ سوال کرے! یہ دریا زمانہ دراز سے بہہ رہا ہے۔ یہی علم ہمیں ہے اور ہمارے آباء و اجداد کو بھی یہی علم ہے۔ میں وہاں سے روانہ ہو گیا اور بعد پانچ سو برس پھر میرا گزر وہاں پر سے ہوا۔ دیکھا کہ دریا خشک ہو چکا ہے اور اس کی بجائے ایک وسیع میدان ہی میدان ہے۔ وہاں سے ایک شخص گزر رہا تھا، میں نے اس سے پوچھا کہ بھائی! یہاں کا دریا کب خشک ہوا اور یہ میدان کب سے ہے؟ اس نے ہنسا اور کہا: آپ جیسے شخص یہ سوال کریں! کہا: یہ میدان بہت ہی قدیم ہے اور یہی علم ہمیں ہے اور ہمارے آباء و اجداد کو بھی یہی علم ہے۔ میں وہاں سے روانہ ہوا۔ اور بعد پانچ سو برس کے پھر میرا گزر اس مقام پر ہوا تو یہ دیکھ کر میری حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی کہ پہلے سے بڑھ کر بہت خوب صورت آباد شہر ہے۔ میں نے وہاں کے چند باشندوں سے پوچھا کہ بھائی! یہ شہر یہاں کب سے آباد ہے؟ انھوں نے ہنسا اور کہا: آپ جیسے شخص یہ سوال کریں؟ یہ شہر تو بہت ہی قدیم ہے۔ ہمیں نہ اس کی ابتداء کا علم ہے اور نہ ہمارے آباء و اجداد ہی کو اس کا علم ہے۔

حضرت خضر علیہ السلام فرماتے ہیں یہ دنیا ہزاروں رنگ بدلتی رہتی ہے۔ یہاں کسی چیز کو دوام اور قیام حاصل نہیں۔ اے بادشاہ! اس بے ثبات دنیا سے دل نہ لگا اور ہمیشہ اپنی عاقبت کی فکر کر۔ جہاں کی ہر چیز کو قیام و دوام اور ثبات حاصل ہے۔

یہی وجہ ہے کہ بزرگانِ دین اور علمائے حق دنیا میں رہتے ہوئے بھی دنیا سے الگ رہے اور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے اصولوں کی تعلیم میں مصروفِ عمل رہے۔ تقویٰ اور پرہیزگاری کو اختیار کرتے رہے اور اپنے علم پر کبھی فخر نہیں کرتے۔ علم پر فخر کرنے کی

مثال بیان کی جاتی ہے: کہ

قاضی ابو بکر بن عربی حضرت امام غزالی علیہ الرحمہ سے علم حاصل کرنے کے بعد اپنے وطن جارہے تھے۔ راستہ میں دریا ملا کشتی پر سوار ہو کر دریا عبور کرنے لگے۔ دریا کی موجوں میں طوفان کی سی کیفیت پیدا ہوئی۔ آپ نے دریا سے مخاطب ہو کر کہا: اے دریا! خبردار۔ تجھ پر تیرے مثل ایک دریا جارہا ہے۔ اپنے علم پر فخر کرتے ہوئے آپ نے اپنے علم کو دریا سے تشبیہ دی۔ اتنے میں عجیب قسم کا جانور رونما ہوا اور کشتی کو روک کر کہنے لگا: عورت کا شوہر عذاب مسخ میں مبتلا ہے اور ممسوخ ہو کر جانور کی شکل میں منتقل ہو چکا ہے تو اس عورت پر کون سی عدت واقع ہوگی؟ آپ لاجواب ہو گئے اور وہیں سے لوٹ کر امام غزالیؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہی سوال پوچھا تو حضرت غزالیؒ نے فرمایا: جو شخص ممسوخ ہو کر جانور کی شکل ہو جاتا ہے تو اس عورت پر طلاق کی عدت واقع ہوتی ہے اور جو شخص ممسوخ ہو کر پتھر ہو جاتا ہے تو اس میں روح باقی نہیں رہتی لہٰذا اس عورت پر وفات کی عدت لازم آتی ہے۔ یہ سن کر قاضی ابو بکر بن عربی وہاں سے روانہ ہوئے اور کشتی پر سوار ہو کر دریا عبور کرنے لگے تو وہی عجیب قسم کا جانور پھر نمودار ہوا اور کشتی روک کر کھڑا ہو گیا۔ قاضی ابو بکر ابن عربی نے اس کو وہی جواب دیا۔ اس نے کہا: کہ حضرت امام غزالیؒ علم کا دریا ہیں۔ نہ کہ آپ! یہ سن کر قاضی ابو بکر ابن عربی کو نہایت درجہ شرمندگی اور ندامت ہوئی۔

دنیا کی بے ثباتی کا ایک حیران کن واقعہ پیش ناظرین کیا جاتا ہے:

ہرقل بادشاہ روم کے شہزادے کا انتقال ہو کر ایک سال کا عرصہ ہوا تھا۔ جب اس کی برسی کا دن تھا۔ اس وقت حضرت حسن بصری وہاں پہنچے۔ وزیر سے ملاقات ہوئی اور اس نے کہا: شاہزادہ کی پہلی برسی ہے۔ جس کی وجہ سے بادشاہ بہت مصروف ہے اور یہ منظر قابل دید ہے۔ آپ نے فرمایا: میں ضرور دیکھوں گا۔ چناں چہ وزیر نے آپ کو زرّیں خیمہ کے عقب میں ٹھہرایا۔ جہاں سے آپ بخوبی نظارہ کر سکتے تھے۔ آپ نے دیکھا کہ جہاں سائی مقدس لوگوں کی ایک جماعت خیمہ کے اندر داخل ہوئی جس میں شہزادے کا مزار تھا۔ وہ لوگ کچھ دیر خیمہ کے اندر ٹھہر کر کچھ پڑھ کر روتے ہوئے چلے گئے۔ پھر طبیبوں اور دانشوروں کی ایک جماعت آئی وہ لوگ بھی خیمہ میں کچھ دیر رہ کر روتے ہوئے چلے گئے۔ اس کے بعد فوج کے بڑے بڑے سپہ سالار اور افسروں کا گروہ ہاتھوں میں ننگی تلواریں لیے ہوئے آیا اور وہ بھی خیمہ میں کچھ دیر ٹھہر کر روتے ہوئے چلے گئے۔ بعد ازاں حسین و جمیل خوب صورت عورتوں کی کثیر جماعت حاضر ہوئی، جن کے بال کھلے ہوئے تھے اور ہاتھوں میں موتیوں اور جواہرات کے طبق تھے۔ شہزادے کی قبر کا طواف کر کے اور کچھ دیر بعد روتے ہوئے یہ عورتیں بھی چلی گئیں۔ آخر میں بادشاہ خیمہ کے اندر داخل ہوا اور کہنے لگا: اے فرزند عزیز! تو مجھے بہت محبوب تھا۔ اور میں تجھ سے بہت محبت کرتا تھا۔ تو رحلت کر گیا۔ اگر مجھے یہ معلوم ہو جاے یہ مقدس لوگ حاضر ہیں لیکن میں جانتا ہوں کہ تجھے مارنے والا بڑا ہی قدرت والا اور طاقت ور ہے۔ پھر تجھے زندہ کرنا کسی کے بس کی بات نہیں۔ اگر تجھے یہ معلوم ہو جائے کہ بڑے بڑے طبیبوں اور دانش وروں کی تدبیر سے تیری رہائی ممکن ہے تو وہ بھی حاضر ہیں۔ لیکن میں جانتا ہوں کہ خدائے قدوس کی طاقت کے سامنے وہ بھی بے بس ہیں۔ اگر مجھے یہ معلوم ہو جاتا کہ فوج کے سپہ سالار اور افسروں کی

تدبیروں سے تیری رہائی ہو سکتی ہے تو وہ بھی موجود ہیں۔ لیکن میں جانتا ہوں کہ خدائے تعالیٰ بڑا ہی طاقتور اور قدرت والا ہے۔ جس کے سامنے کسی کی بھی مجال ہو نہیں سکتی۔ اگر مجھے یہ معلوم ہو جائے کہ خوب صورت عورتوں اور موتیوں و جواہرات کی وجہ سے تیری زندگی دوبارہ حاصل کی جا سکتی ہے تو وہ بھی حاضر ہے۔ لیکن میں جانتا ہوں کہ خدا ہی قدرت والا ہے۔ اور اس کے سامنے کسی کی مجال نہیں۔ اے عزیز فرزند! ایک سال کے لیے تجھے رخصت کرتا ہوں۔ پھر آئندہ سال حاضری ہو گی۔

اس الم انگیز نظارہ اور دل دوز منظر سے حضرت حسن بصری بے حد متاثر ہوئے اور دُنیا کی مال و متاع کو چھوڑ کر اللہ کی عبادت اور ریاضت میں ایسے مشغول ہو گئے کہ دنیا اور دنیا والوں سے بے نیاز ہو گئے۔ اور انھیں امور کے باعث آپ کے مراتب اتنے بلند ہوئے کہ اس زمانہ میں آپ جیسا کوئی نہ تھا۔

حضرت فضیل رحمۃ اللہ علیہ ایک اللہ والے بزرگ تھے۔ جن کی خدمت میں ایک مرتبہ خلیفہ ہارون رشید حاضر ہوا اور اس نے اُن سے گزارش کی کہ آپ کچھ پند و نصیحت فرمائیں۔ حضرت فضیل نے فرمایا: بزرگوں پہ مہربانی کرو اور بھائیوں کے ساتھ احسان کرو اور اولاد کے ساتھ احسان کرو۔ اے خلیفہ! اللہ سے ڈرتے رہو کہ قیامت کے روز تجھ سے اپنی رعایا کے بارے میں پوچھے گا اور تم سے ہر ایک کے متعلق باز پرس کی جائے گی۔ اگر کسی رات کوئی بوڑھی عورت کسی مکان میں بھوکی رہ جائے گی تو اس کے تعلق سے بھی تم سے پوچھ پچھار ہو گی۔ عدل و انصاف کو ہاتھ سے جانے نہ دیں۔ اے خلیفہ! جب تمہارے خوب صورت چہرے کو دیکھتا ہوں تو مجھے خوف ہوتا ہے کہ تمہارا یہ خوب صورت چہرہ دوزخ کی آگ میں جلایا نہ جائے۔ کتنے ہی امیر ہیں جو وہاں قیامت کے دن اسیر ہوں گے

ناظرین کرام! یہ دُنیا مسافر خانہ ہے۔ اس دُنیا کی بے ثباتی پر طائرانہ نظر ڈالتے ہوئے اپنی عاقبت کی فکر کریں۔

وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العلمین ...

بقیہ ص ــــ کا "جواھر الحدیث"

تک ہی محدود نہیں ہونا چاہیے بلکہ اپنے پڑوسیوں، دوستوں، رشتہ داروں، خدمت گذاروں اور ماتحت لوگوں اور ملک کے تمام باشندوں کو امراض سے چھٹکارا دلانے اور سب کو صحت کی نعمت سے مستفیض کرانے میں کوشش صرف ہونی چاہیے۔ خیر الناس من ینفع الناس (حدیث) سب سے اچھا شخص وہی ہے جو دوسرے کو فائدہ پہنچائے۔ ایسا آدمی لوگوں کے نزدیک اور اللہ کے نزدیک محبوب اور پسندیدہ ہے۔ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد گرامی پر میں اپنی بات ختم کئے دیتا ہوں الخلق عیال اللّٰہ واحب الی اللّٰہ من احسن الی عیالہ: مخلوق خدا کا کنبہ ہے اور وہ آدمی اللہ کے پاس محبوب اور پسندیدہ ہے جو اس کے عیال کی خدمت کرے۔

وآخر دعونا ان الحمد للّٰہ رب العالمین ۔



نیک اعمال میں تعجیل کرو

ڈاکٹر ابو محمد سید شاہ عثمان قادری یم اے، پی ایچ ڈی؛ ناظم دار العلوم لطیفیہ حضرت مکان، ویلور

بزرگانِ دین کا فرمان ہمیشہ یہی رہتا ہے کہ کوئی کام بھی ہو تو وقت سے پہلے شروع کرو اور اطمینان سے دلجوئی سے کرتے ہوئے اسے وقت مقررہ پر مکمل کردو۔ ہر کام میں جلدی کرنے کو پسند نہیں کیا اور یہ فرمایا گیا کہ جلدی کا کام شیطان کا اور دیری کا کام رحمٰن کا ہوتا ہے۔ لیکن ان تمام باتوں کے باوجود بزرگانِ دین آقائے دوجہاں صلے اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث پاک بھی نقل کرتے ہیں جس میں آپ صلے اللہ علیہ وسلم اس بات کی تاکید فرمائی کہ چند باتوں میں جلدی کرنا چاہیے:

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم عجلوا بالتوبة قبل الموت وعجلوا بالصدقة قبل تحویل المال و عجلوا بتزویج البنات قبل الفضیحة وعجلوا بدفن المیت قبل الحدث، وعجلوا بالصلوٰة قبل الفوت وعجلوا با   الموت قبل نزول ملك الموت وعجلوا بالاعمال الصالحة قبل فنا العمر وعاجلوا بارضاء بالخصوم قبل الندامة ۔

ترجمہ: فرمایا نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے موت سے پہلے توبہ کرو اور مال کے چلے جانے سے پہلے صدقہ دو اور لڑکیوں کے نکاح میں جلدی کرو رسوائی سے پہلے اور میت کو جلد دفن کرو برائی ظاہر ہونے سے پہلے اور نماز کو فوت ہونے سے پہلے ادا کرو اور ملک الموت کے آنے سے پہلے موت کی تیاری کرو اور نیک کاموں میں جلدی کرو عمر کے گزرنے سے پہلے اور مدعیوں کے سامنے شرمندہ ہونے سے پہلے انہیں راضی کرلو۔

مذکورہ حدیث سے ثابت ہوا کہ چند باتیں چند کام ایسے ہیں جس میں دیر نہیں بلکہ جلدی کرنا چاہیے۔ تو اب ہمارے سامنے دو باتیں ہیں۔ ایک یہ کہ ہر کام میں جلدی مت کرو، صبر و اطمینان سے کرو۔ اللہ کی ذات قادر مطلق ہے۔ وہ کچھ بھی چاہے تو کرسکتا ہے۔ لیکن اللہ تعالے نے زمین و آسمان بنانے میں سات دن لیے۔ اگر اللہ تعالے چاہتا تو سات

دن کے بجائے آن کی آن میں زمین و آسمان بنادیتا۔ مگر یہ بتانا مقصد ہے کہ اللہ جلدی کے کام کو پسند نہیں کرتا بلکہ صبر و اطمینان کو پسند کرتا ہے۔ دوسری بات یہ کہ ہر کام میں جلدی ٹھیک نہیں۔ لیکن چند کام ایسے بھی ہیں، جس میں جلدی کرنا بہتر ہے۔ اور دیری کرنے میں نقصان کا خوف ہے۔ اللہ کے رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا موت سے پہلے توبہ کرلو۔ اس میں یہ مصلحت ہے کہ کوئی بھی اپنی موت سے باخبر نہیں رہتا۔ پتہ نہیں کہ موت کب آجائے اسی لیے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ اپنے گناہوں کی توبہ موت سے پہلے کرلو۔ پھر فرمان ہے کہ صدقہ دینے میں جلدی کرو مال کے چلے جانے سے پہلے، تو یہ حقیقت ہے کہ مال و دولت کو کبھی بقتار نہیں اور یہ مال و دولت کسی کے پاس قائم نہیں رہتی۔ آج ہمارے پاس تو کل کسی اور کے پاس ہوگی۔ اس لیے فرمایا گیا کہ مال کے جانے سے پہلے صدقہ دے دو۔ اور یہ بھی فرمایا کہ لڑکیوں کے نکاح کرنے میں جلدی کرو۔ یقیناً اگر اس معاملہ میں تاخیر ہو جائے اور لڑکی اپنی آزادی سے کوئی قدم بڑھادے تو اس میں رسوائی اور بدنامی دورِ حاضرہ میں ہمیں ایسی کئی مثالیں ملتی ہیں تو اسی لیے فرمایا کہ بدنامی سے پہلے لڑکیوں کا نکاح کرو۔ پھر فرمایا گیا کہ مردے کو جلدی دفن کردو۔ اس لیے کہ اگر دفن کفن کے معاملہ میں دیر ہو جائے تو مردے کے سڑجانے یا مردے سے پیشاب یا پلیدی نکل آنے کا اندیشہ رہتا ہے اسی لیے فرمایا گیا کہ دفن کرنے میں جلدی کرو۔ اور پھر فرمان ہے کہ نماز کو فوت ہونے سے پہلے ادا کرو۔ نماز کو اس کے وقتِ مقررہ پر ادا کرنا بہت بڑی نیکی ہے۔ نماز کو قضا کرنا یہ ایک گناہ ہے۔ جو لوگ نماز کو اس کے وقت پر ادا نہیں کرتے ان کے لیے سخت وعیدیں آئی ہیں تو اس لیے نماز کو وقت پر ادا کرنا چاہیے فرمایا گیا کہ موت کی تیاری میں جلدی کرو۔ یہ معلوم ہے کہ موت ہر ایک کو آنی ہے اور موت سے ڈرنا نادانی ہے بلکہ موت کے لیے تیاری کرنا ہوشیاری اور عقل مندی ہے۔ لیکن ہمیں یہ معلوم نہیں کہ موت کب آئے گی تو اس کے لیے اس کی تیاری میں جلدی کرنا چاہیے اور پھر فرمان ہے کہ نیک کاموں میں جلدی کرو۔ عمر گزرنے سے پہلے۔ چند چیزیں ایسی ہیں وہ صحیح وقت پر ادا ہو تو مفید ہیں ورنہ بے فائدہ ہوتی ہیں۔ جیسے جوانی میں تین چیزیں ہیں وہ جوانی میں ہوں تو فائدہ مند جیسے عبادت، اولاد، دولت۔ لہٰذا عمر کے گزرنے سے پہلے نیک اعمال کرنا چاہیے۔ اور پھر فرمایا کہ مدعیوں کو راضی کرنے میں جلدی کرو اس لیے کہ کہیں ایسا موقعہ نہ آجائے کہ ہم کو اپنے مدعی سے شرمندہ ہونا پڑے۔ ایسا وقت آنے سے پہلے اس کو راضی کرلو۔

حاصل تحریر یہ ہے کہ چند کاموں میں صبر کرنا یہ دونوں باتیں اپنی اپنی جگہ درست ہیں تو اب ہمارے لیے ضروری ہے کہ جن کاموں میں جلدی کرنے کا حکم ہو ان کاموں میں جلدی کریں۔

اللہ سے دعا ہے کہ اللہ تعالےٰ اپنے حبیب صلے اللہ علیہ وسلم کے صدقہ وطفیل سے ہم تمام کو سچا عاشق رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے سنتوں پر عمل کرنے والا بنادے۔ آمین ثم آمین۔ ...

کسی کے ہاتھ نے مجھ کو سہارا دے دیا ورنہ
کہاں میں اور کہاں یہ راستے پیچیدہ پیچیدہ

مولانا رومؒ اور تصوف



ادارہ

۱۷ مارچ ۲۰۰۸ء بروز پیر اسلامیہ کالج، وانمباڑی، ٹمل ناڈو میں عظیم الشان پیمانہ پر جشنِ اردو منایا گیا۔ اس موقعہ پر مولانا رومؒ کی شخصیت اور اُن کے علم وفن سے متعلق ایک سمینار بھی منعقد کیا گیا جس میں کالج کے اساتذۂ کرام، طلبائے عزیز، ریسرچ اسکالرس، اربابِ دانش اور اہلِ ذوق حضرات شریک رہے۔ اس علمی مذاکرہ میں ڈاکٹر بشیر الحق قریشی، مدیر ماہنامہ الطیف، ویلور نے "مولانا رومؒ اور تصوف" کے عنوان پر ایک وقیع علمی وادبی مقالہ پڑھا۔ جس کی افادیت کے پیشِ نظر قارئینِ الطیف کی نذر کیا جا رہا ہے۔

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

جناب محترم ڈاکٹر سید میجر شہاب الدین صاحب، پرنسپل اسلامیہ کالج وانمباڑی، حضرات اساتذۂ کرام طلبائے عزیز، اس سمینار کے ناظم و نگران حضرات، جناب پیش امام تنویر صاحب، پروفیسر شعبۂ اردو، اسلامیہ کالج وانمباڑی، جناب یم۔ سعید الدین صاحب لکچرار شعبۂ اردو، اسلامیہ کالج، وانمباڑی،

اس سمینار کے صدرِ عالی وقار مفتی قاضی ڈاکٹر صلاح الدین محمد ایوب صاحب، گورنمنٹ چیف قاضی صوبہ ٹمل ناڈو مقالہ نویس حضرات ڈاکٹر راہی فدائی صاحب، صدر شعبۂ ترجمہ، انسٹی ٹیوٹ آف ہائر لرننگ، بنگلور، ڈاکٹر قاضی حبیب احمد صاحب، پروفیسر شعبۂ عربی، فارسی واردو، مدراس یونیورسٹی، چنئی، مولانا نور احمد بیگ صاحب باقوی، صدر الماس ایجوکیشنل ٹرسٹ، بنگلور،

اصحابِ علم وفضل، اربابِ تحقیق و تدقیق، روسا و عمائدینِ شہر، عزیزانِ گرامی، دوستو، صاحبو!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ!

مولانا روم کی ولادتِ باسعادت (۱۲۰۷ء) پر آٹھ سو سال کی مدت مکمل ہو چکی ہے۔ اس مناسبت سے دنیا کے اکثر ممالک میں مولانا روم کو نذرانۂ عقیدت اور خراجِ محبت پیش کیا گیا۔ اور ان کی سیرت و شخصیت فضل و کمال اور علم و فن کے مختلف زاویوں اور متعدد پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی۔ بڑی مسرت اور حیرت کی بات تو یہ ہے کہ دنیائے اسلام سے کہیں زیادہ دنیائے مغرب نے مولانا روم کے ساتھ غیر معمولی جذباتیت و اپنائیت اور محبت و عقیدت کا اظہار کیا۔ یونیسکو نے ۲۰۰۷ء کو مولانا روم کا سال قرار دیا۔

ہمارے ملک ہندوستان میں مولانا روم کے آٹھ سو سالہ جشنِ ولادت کے انعقاد میں اسلامیہ کالج وانمباڑی نے سابقینِ اولین کا مقام حاصل کرلیا ہے۔ میں اس سمینار کے انعقاد و انتظام پر کالج کے تمام ذمہ دار حضراتِ کرام کی خدمات میں ہدیۂ تبریک و تہنیت پیش کرتا ہوں اور تمام حضرات کی اس مساعیٔ جمیلہ کو احترام اور ستائش کی نگاہ سے دیکھتا ہوں کہ انھوں نے عوام اور خواص کو عالمِ اسلام اور دنیائے تصوّف کی کوہ پیکر علمی، ادبی اور عبقری شخصیت مولانا روم کی سیرت و شخصیت اور ان کے علوم و معارف سے مستفیض ہونے کا ایک زرّین موقعہ فراہم کیا۔ میں خصوصی طور پر سمینار کے منتظمین حضرات کا ممنون و مشکور ہوں کہ انھوں نے مجھ سے مقالہ لکھنے کی فرمائش کرکے مولانا روم کے مطالعہ کا موقعہ از سرِ نو عنایت فرمایا۔ تینتیس ۳۳ سال قبل کی بات ہے کہ جب کہ میں دار العلوم لطیفیہ، حضرت مکان، ویلور میں مولوی فاضل کا طالب علم تھا۔ درجۂ فاضلیت کے نصاب میں فن تصوف بھی شامل تھا۔ جس کی وجہ سے مجھے ”فصوص الحکم شیخ ابنِ عربی، جواہر السلوک، حضرت قطب ویلور جواہر الحقائق حضرت قطب ویلور، تحفۂ مرسلہ شیخ برہان فضل اللہ کے ساتھ ساتھ مولانا روم کی مثنوی کو بھی سبقاً سبقاً پڑھنے کا موقعہ ملا۔ پھر اس کے بعد بالاستعاب مثنوی کے مطالعہ کی نوبت نہیں آئی۔ یہاں تک کہ اس سمینار نے مجھے پھر سے مثنوی کے مطالعہ کی سعادت بخشی۔

مولانا روم دنیائے علم و ادب کی ایک ایسی معروف ہستی ہے، جن کی زندگی اور شاعری پر مستقل ایک کتب خانہ وجود میں آچکا ہے۔ ان کے دورِ حیات سے لے کر آج تک بھی ان کا کلام، علماء و فضلاء، خواص اور اخص الخواص کا مرجع بنا رہا۔ ہر دور کے صوفیاء نے صوفیانہ نکات، عارفانہ مقامات اور سالکانہ حالات کی تشریح کے لیے ان کی مثنوی کا سہارا لیا اور اب تک اس کی متعدد شروحات لکھی گئی ہیں اور مختلف زبانوں میں اس کے تراجم ہو چکے ہیں۔ علمائے کرام نے ان کی مثنوی کو قرآن کریم کے مطالب و معانی کا شارح اور ترجمان قرار دیا ہے۔ واعظینِ کرام نے اپنے خطبات اور مواعظ کو مثنوی کے ذریعہ موثر اور مفید بنایا۔ علامہ شبلی نعمانی نے سوانح مولانا روم میں مثنوی کے شارحین کے نام اور ان کا سال وفات اور کیفیت کی مختصر سی تفصیل اس طرح پیش کی ہے:

۱۔ مولی مصطفیٰ بن شعبان متوفی ۹۶۹ھ   چھ ۶ جلدوں میں ہے۔

۲ سودی المتوفی ۱۰۰۰ھ
۳ شیخ اسمٰعیل انقروی متوفی ۱۰۴۲ھ چھ جلدوں میں ہے۔
۴ کمال الدین خوارزمی متوفی ۸۴۰ھ اس کا نام کنوز الحقائق ہے۔
۵ عبداللہ بن محمد رئیس الکتاب درویش علمی جلد اول کی شرح ہے۔
یوسف المتوفی ۹۵۳ھ نے مثنوی کا خلاصہ کیا تھا۔ یہ اس کی شرح ہے۔
۶ ظریفی حسن چلپی اس کا نام کاشف الاسرار ہے۔ بعض اشعار کی شرح ہے۔
۷ علاء الدین مصنفک حسین واعظ المتوفی ۸۷۵ھ
خلاصہ مثنوی کی شرح ہے۔ اس کے دیباچے میں دس مقالے ہیں۔ جس میں اصطلاحات تصوف اور فرقۂ مولویہ کے مشائخ کے حالات ہیں۔
۸ شیخ عبدالمجید سیواسی المتوفی ۱۰۴۹ھ سلطان احمد کے حکم سے تصنیف کی۔
۹ علائی بن یحییٰ واعظ شیرازی اسمٰعیل دده اس کا نام "اظہار مثنوی" ہے
صرف احادیث و آیات قرآنی و الفاظِ مشکلہ کی شرح ہے۔
۱۰ محمد افضل الہ آبادی
۱۱ ولی محمد
۱۲ عبدالعلی بحر العلوم
۱۳ محمد رضا وغیرہ

متعدد اکابر علماء و صوفیاء نے مثنوی سے متعلق اپنے اپنے جذبات و احساسات اور خیالات کا اظہار کیا ہے۔ کسی نے مثنوی کو فارسی زبان میں قرآن کہا: ؎

مثنوی مولوی معنوی ہست قرآن در زبانِ پہلوی

مولانا عبدالرحمٰن جامی مولانا روم کی شان میں فرماتے ہیں کہ ان کی ذاتِ گرامی سند اور حجت ہے۔ وہ پیغمبر نہیں لیکن پیغمبرانہ کتاب رکھتے ہیں۔ ؎

آن فریدون جہاں معنوی پس بود برہان ذاتش مثنوی
من چہ گویم وصف آں عالی جناب نیست پیغمبر ولے دارد کتاب

حضرت بہاؤ الدین عاملی فرماتے ہیں: مولانا روم پیغمبر نہیں ہیں۔ لیکن ان کی مثنوی پیغمبرانہ کتاب کی شان رکھتی ہے اور وہ قرآن کریم کی طرح دلیل راہ ہے۔ اس کے معارف و حقائق کسی کے لیے ہدایت ہے تو کسی کے لیے ضلالت ہے۔

من نمی گویم کہ آں عالی جناب — نیست پیغمبر ولے دارد کتاب
مثنوی او چوں قرآن مدل — ہادیٔ بعضے و بعضے را مضل!

مولانا روم کی زندگی اور شاعری سے متعلق عربی، فارسی اور اردو کے علاوہ انگریزی زبان میں بھی اچھا خاصہ مواد موجود ہے۔ ڈاکٹر سید علیم اشرف جائسی لکھتے ہیں:

"مغرب میں رومی پر حقیقی کام کی ابتدا، پروفیسر نکلسن کے ذریعہ ہوئی۔ انھوں نے اپنی پوری عمر رومی اور ان کی کتابوں، بالخصوص مثنوی کی نشر و اشاعت میں صرف کردی۔ مثنوی کے انگریزی ترجمے کی اشاعت ۱۹۲۵ء ۱۹۴۵ء کے درمیان عمل میں آئی یہی ان کا کارنامۂ حیات ہے۔"

دوسرا نام پروفیسر اے۔ جے۔ آربری Prof. A. J. ARBEERY کا نام ہے۔ جنہوں مثنوی کے قصے پر مشتمل "دا رومی کلکشن" The RUMI COLLECTION اور "ٹیلس فرم دا معنوی" "TALES FROM the MANAVI" کے نام سے دو وقیع کتابیں شائع کیں۔ انھوں نے ۱۹۶۱ء میں رومی کی کتاب "فیہ مافیہ" کا انگریزی ترجمہ بھی شائع کرایا۔ ان کتابوں نے رومی کے تعرف و تعریف میں اہم کردار ادا کیا۔ ان دونوں فاضل مستشرقین کا کام قیمتی اور مستحق تعریف ہے۔

اس کے بعد مغرب بالخصوص امریکہ میں رومی پر بے شمار کتابیں لکھی گئیں۔ لیکن ان کی مجموعی قدر و قیمت زیادہ قابلِ لحاظ نہیں ہے۔ ان میں سے چھ مشہور کتابیں ہیں۔

1 ٹیچنگ آف رومی (ای۔ ایچ ونِ فیلڈ)

TEACHIHNG OF RUMI : E.H. WHINFIELD.

2 مولوی یس ٹرڈے اینڈ ٹوڈے (کبیر ایڈمنڈ ہلِ من سنکی)

Moulvi Yester-day and Today: Kabir Edmund Helminbinki

3 اسپرچول ورسس (آلن ولیمس)

Spritual Verses : Alan Williams

4 رومیس ورلڈ (اینی میاری اسکم ل)

Rumi's world : Annemarie Schimmel

مغرب میں رومی کی فتوحات روز بروز بڑھتی جارہی ہیں۔ ڈی مور اور ماڈونا جیسے عالمی شہرت یافتہ امریکن موسیقاران کے نغمے گارہے ہیں۔ شعراء ان کی نقل اور محاکات کررہے ہیں۔ فلم پروڈیوسر (فلم ساز) ان پر فلم اور سیریل بنارہے ہیں تو مصوّر حضرات رومی کی شخصیت اور ان کے فن کو کینوس پر اتارنے کی کوشش کررہے ہیں

آج امریکہ میں مثنوی کی حکایات پر بچوں کے لیے کامکس تیار کئے جارہے ہیں اور نوجوان رومی کی تصویر والی شرٹس پہنتے ہوئے نظر آرہے ہیں۔ ۱۹۹۵ء میں جب کالے من برکس کی کتاب "ایسن شیل رومی Coleman Barks Essential Rumi شائع ہوئی تو روحانی سکون کے متلاشیوں نے اسے ہاتھوں ہاتھ لیا اور مادیت کے علم بردار امریکہ میں روحانیت کی نقیب یہ کتاب اس سال کی سب سے زیادہ بکنے والی کتاب بن گئی۔ تازہ اعداد و شمار کے مطابق آج رومی کے اشعار امریکہ میں سب سے زیادہ پڑھے جاتے ہیں۔ (جام نور: جنوری ۲۰۰۸ء)

آمدم برسر مطلب!

مولانا روم کا اسم گرامی محمد اور لقب جلال الدین ہے اور علمی دنیا میں مولوی معنوی، مولانائے روم اور عارف رومی کے نام سے مشہور ہیں۔ خلیفۂ اول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی اولاد امجاد سے ہونے کے باعث صدیقی ہیں۔ سلسلۂ نسب اس طرح ہے:

محمد بن محمد بن محمد بن حسین بن احمد بن قاسم بن مسیب بن عبداللہ بن عبدالرحمن بن ابی بکر الصدیق رضؓ

مولانا حسین بلخی آپ کے دادا محترم ہیں جو اپنے وقت کے جید عالم و فاضل اور متشرع صوفی تھے۔ عوام و خواص میں محترم و مقبول تھے۔ وقت کے سلاطین و حکمران ان کی بڑی تعظیم و تکریم کرتے تھے اور بڑی محبت و عقیدت رکھتے تھے۔ سلطان محمد خوارزم شاہ نے ان کا نکاح اپنی دختر نیک اختر کے ساتھ کیا۔

مولانا روم کے والد ماجد کا اسم گرامی شیخ محمد بہاؤ الدین ہے۔ یہ بھی ذی علم اور صاحب نسبت بزرگ تھے۔ آپ کی شخصیت " درکف جام شریعت درکف سندان عشق" کے مصداق تھی۔ آپ کی خدمت میں بلخ اور اس کے گرد و نواح سے بے شمار تشنگانِ علم حاضر ہوتے اور علمی و روحانی استفادہ کرتے۔

سلطان محمد خوارزم شاہ حضرت بہاؤ الدین کے ارادت مندوں اور عقیدت کیشوں میں سے تھا اور اکثر آپ کی مجلسوں میں حاضر رہتا اور آپ کے علوم و معارف اور ارشادات سے استفادہ کرتا تھا۔ سلطان خوارزم شاہ، امام فخر الدین رازی کے ساتھ بھی والہانہ محبت رکھتا تھا اور ان کے علوم ظاہری سے بھی استفادہ کرتا تھا۔ مولانا شبلی نعمانی لکھتے ہیں:

اکثر ایسا ہوتا کہ جب خوارزم شاہ بہاؤ الدین کی خدمت میں حاضر ہوتا تو امام صاحب فخر الدین رازی بھی ہم رکاب ہوتے۔ بہاؤ الدین اثنائے وعظ فلسفہ یونانی اور فلسفہ دانوں کی نہایت مذمت کرتے اور فرماتے کہ جن لوگوں نے کتب آسمانی کو پس پشت ڈال رکھا ہے اور فلسفیوں کی تقویم کہن پر جان دیتے ہیں، نجات کی کیا امید کر سکتے ہیں۔ امام صاحب کو یہ ناگوار گزرتا لیکن سلطان خوارزم شاہ کے لحاظ سے کچھ کہہ نہ سکتے تھے۔ ایک دن خوارزم شاہ مولانا بہاؤ الدین کے پاس گیا تو ہزاروں لاکھوں آدمیوں کا مجمع تھا۔ شخصی سلطنتوں میں جو لوگ مرجع عام ہوتے ہیں۔ سلاطین وقت کو ہمیشہ ان کی طرف سے بے اطمینانی رہتی ہے۔ مامون الرشید نے اسی بنا پر حضرت علی رضا کو عیدگاہ میں جانے سے روک دیا

جہانگیر نے اسی بناء پر مجدد الف ثانی کو قید کردیا۔ بہرحال خوارزم شاہ نے حد سے زیادہ بھیڑ بھاڑ دیکھ کر امام رازی سے کہا کہ کس غضب کا مجمع ہے۔ امام صاحب اس موقعہ کے منتظر رہتے تھے۔ فرمایا: ہاں! اور اگر ابھی سے تدارک نہ ہوا تو پھر مشکل پڑے گی۔ خوارزم شاہ نے امام صاحب کے اشارہ سے خزانۂ شاہی اور قلعہ کی کنجیاں مولانا بہاؤالدین کے پاس بھیج دیا اور کہلا بھیجا کہ اسبابِ سلطنت سے صرف یہ کنجیاں میرے پاس رہ گئی ہیں، وہ بھی حاضر ہیں۔ مولانا بہاؤالدین نے فرمایا: اچھا، جمعہ کو وعظ کہہ کر یہاں سے چلا جاؤں گا۔ جمعہ کے دن شہر سے نکلے۔ مریدانِ خاص میں سے تین سو بزرگ ساتھ تھے۔ خوارزم شاہ کو خبر ہوی تو بہت پچھتایا اور حاضر ہوکر بڑی منت سماجت کی۔ لیکن یہ اپنے ارادہ سے باز نہ آے۔ راہ میں جہاں گزر ہوتا تھا، تمام روسا، و امراء زیارت کو آتے تھے۔ (سوانح مولانا روم: ص ۱۲)

مولانا روم ۶۰۴ھ مطابق ۱۲۰۷ء کو بلخ میں پیدا ہوے۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی۔ اور ان سے تزکیہ وتطہیر کی نعمت پائی اور سید برہان الدین سے علوم ظاہری کا درس لیا اور ان سے سلوک طے کیا اور خرقۂ خلافت پہنا۔

شیخ بہاؤالدین نے ۶۱۰ھ میں بلخ سے ہجرت کی اور نیشاپور چلے گئے۔ آپ سے ملنے کے لیے خواجہ فریدالدین عطار نیشاپور تشریف لاے۔ اس وقت مولانا روم چھ سال کے تھے۔ شیخ فریدالدین کی نگاہِ فراست نے دیکھ لیا کہ یہ چھ سالہ بچّہ آگے چل کر دنیاے تصوف کا امام ہوگا۔ بہاؤالدین سے کہا: صاحبزادے والا شان کے جوہر قابل سے غفلت نہ برتئے گا۔ یہ کہتے ہوے اپنی مثنوی "اسرار نامہ" مولانا روم کے ہاتھ میں تھما دیا۔ مولانا روم جب حصول علم کی طرف مائل ہوگئے اور مختلف اساتذۂ روزگار سے اکتسابِ علم شروع کیا تو حضرت فریدالدین عطار کے آگے بھی زانوے تلمذ تہ کیا۔ شیخ عطار کے علاوہ حکیم سنائی سے بھی شرف تلمذ حاصل کیا اور ان دو حضرات کا تذکرہ نہایت ادب و احترام کے ساتھ اپنے کلام میں کیا ہے۔ حکیم سنائی کو آنکھیں اور شیخ عطار کو روح کہا ہے: ؎

ترک جوشی کردہ ام من نیم خام — از حکیم غزنوی بشنو تمام

در الٰہی نامہ گوید شرح این — آں حکیم غیب و فخر العارفیں

عطار روح بود سنائی دو چشم — ما از پس سنائی و عطار آمدیم

مولانا روم کے والد ماجد نے مختلف شہروں بغداد، حجاز، زنجان، لارندہ وغیرہ میں بود و باش اختیار کی۔ یہ جہاں فروکش ہوتے وہاں کے امراء و حکام، علماء و صوفیاء اور طالبانِ علوم آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوتے اور آپ سے اکتسابِ فیض فرماتے۔ شاہ روم علاؤالدین کیقباد کی درخواست پر قونیہ شہر کو اپنے قدوم میمنت لزوم سے شرف بخشا۔ آپ جب شہر کے قریب پہنچے تو بادشاہ بنفس نفیس اپنے وزراء کے ہمراہ پا پیادہ قونیہ میں داخل ہوا۔ آپ نے اسی شہر کو اپنی مستقل اقامت گاہ بنالیا اور آپ کی رہائش گاہ، تعلیم و تربیت اور دعوت و اصلاح کا مرکز بن گئی اور بے شمار افراد آپ سے علمی و روحانی استفادہ کرنے لگے۔ ۱۸ ربیع الثانی ۶۲۸ھ روز جمعہ شیخ بہاؤالدین

نے آخری سانس لی اور انھیں قونیہ کی زمین نے اپنے آغوش میں لے لیا۔
شیخ بہاؤالدین جس وقت قونیہ پہنچے تو اس وقت مولانا روم کی عمر شریف اٹھارہ [18] سال تھی۔ اسی زمانہ میں آپ کا نکاح ہوا۔ لیکن یہ ازدواجی تعلق آپ کے جذبۂ حصولِ علم میں رکاوٹ نہیں بنا اور آپ مسلسل حصولِ علم میں مشغول اور کوشاں رہے اور علم کی منزلیں طے کرتے چلے گئے۔ والد ماجد شیخ بہاؤالدین کے دنیا سے رخصت ہونے کے ایک سال بعد آپ مزید حصولِ علم کے ارادہ سے شام چلے گئے۔ اس وقت مولانا روم کی عمر پچیس [25] سال تھی۔ حلب کی مشہور درسگاہ ''حلاویہ'' میں داخل ہوئے اور مختلف اساتذۂ فن سے علوم وفنون کی تکمیل کی۔ اسی زمانہ میں مشہور محدث، حافظ، فقیہ، مفتی، مورخ اور ادیب حضرت مولانا کمال الدین ابن عدیم حلبی سے بھی شرفِ تلمذ حاصل کیا۔ پھر دمشق چلے گئے۔ جہاں سات سال مقیم رہے اور علوم ظاہری اور علوم باطنی میں کمال اور بصیرت پیدا کرلی۔ اسی زمانہ میں آپ عالمِ اسلام کے ممتاز اور متبحر علماء وفضلاء میں شمار ہونے لگے۔ اس وقت آپ کی عمر شریف چالیس [40] سال تھی۔ آپ ہمہ تن علوم ظاہری کی تدریس میں مصروف ومشغول ہوگئے۔ علوم باطنی سے تعلق صرف ظاہری اور رسمی سطح کا رہا۔ صوفیاء کے مراسم واشغال اور سماع وغیرہ سے بہت دور تھے۔ حضرت شمس تبریزی کی ملاقات کے بعد ہی آپ کی قلبی کیفیت بدل گئی۔ مولانا روم کی زندگی میں پیش آنے والے اس انقلاب کی حکایت کچھ اس طرح ہے:

ایک روز آپ ایک مسجد میں حوض کے کنارے کتابوں کے مطالعہ میں غرق تھے کہ حضرت شمس تبریزی آپہنچے اور آپ سے پوچھا: مولوی صاحب! یہ کیا کتابیں پڑھ رہے ہیں؟ آپ نے دیکھا کہ یہ سائل شکل وصورت اور لباس سے بے علم و نادان نظر آرہا ہے تو اعتنار کے قابل نہ سمجھا اور بے التفاتی اور بے اعتنائی سے جواب دیا: ''ایں چیزیست کہ تو نمی دانی'' یہ تو وہ چیز ہے جسے تم نہیں جانتے۔ حضرت شمس تبریزی نے چپ سادھ لی اور ایک گوشہ میں جا بیٹھے۔ کچھ دیر کے بعد مولانا روم کسی ضرورت سے اٹھ کر چلا گئے تو حضرت شمس نے وہ کتابیں حوض میں پھینک دیں۔ پھر اپنی جگہ پر جا بیٹھ گئے۔ مولانا روم جب دوبارہ تشریف لائے تو دیکھا کتابیں نہیں ہیں۔ بہت حیران وپریشان ہوگئے۔ چاروں طرف نگاہ دوڑائی کچھ سمجھ میں نہیں آیا۔ حضرت شمس پر نظر پڑی تو ان کے پاس پہنچے اور پوچھا میری کتابیں نظر نہیں آرہی ہیں۔ حضرت شمس نے کہا: وہ تو میں نے حوض میں ڈال دیا ہے۔ یہ سننا ہی تھا مولانا روم آگ بگولہ ہوگئے اور کہنے لگے میاں تم نے ایسی نادر ونایاب کتابیں ضائع کردیں جن کا ملنا اب محال ہے۔ حضرت شمس نے یہ سنا تو اپنا ہاتھ حوض میں ڈالا اور وہ ساری کتابیں خشک حالت میں نکال کر مولانا روم کی خدمت میں پیش کردیں۔ تو ان کی حیرت واستعجاب کی انتہا نہ رہی۔ پوچھنے لگے: ''ایں چہ چیز است''۔ یہ کیا ماجرا ہے؟ حضرت شمس نے جواب دیا: ''ایں سریست کہ تو نمی دانی''۔ یہ وہ راز اور حال ہے جسے تم جیسے صاحبِ قال نہیں جانتے۔

اس واقعہ سے مولانا روم کے قلب میں آتش عشق بھڑک اٹھی۔ اس کے بعد درس و تدریس، قیل و قال بحث و مباحثہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر حضرت شمس کے دامن سے وابستہ ہوگئے۔ ؎

قال را بگذار مرد حال شو　　پیش مرد کاملے پامال شو

تخم اقبال وسعادت تا ابد　　از زمیں تا آسماں اندختیم

جبہ و دستار و علم و قیل و قال　　جملہ در آب رواں اندختیم

ہر علم کہ در مدرسہ حاصل کردیم　　کارے دگرست و عشق کارے دگرست

سپہ سالار جو مولانا روم کے مرید خاص و حاضر باش خادم ہیں، فرماتے ہیں:

مولانا روم اور حضرت شمس دونوں چالیس روز صلاح الدین زرکوب کے حجرے میں چلہ کش رہے۔ اس چلہ کشی کے دوران صلاح الدین کے سوا کسی شخص کو حجرے میں داخل ہونے کی اجازت نہ تھی۔ حضرت شمس تبریزی کی صحبت کیمیا اثر نے مولانا روم کو میدانِ تصوف کا شہسوار بنادیا۔ خود فرماتے ہیں: ؎

مولوی ہرگز نشد مولائے روم　　تا غلام شمس تبریزی نشد

مولانا روم کے عہد کو کثرۃ الرجال کا زمانہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ آپ کے عہد میں ایک طرف علم کلام، منطق اور فلسفہ کے ممتاز علماء تھے تو دوسری طرف علومِ باطنی کے جید و متبحر صوفیاء تھے۔ مولانا روم نے اپنے ہم عصر اکابرین سے راہ و رسم رکھی اور ان کی ملاقاتوں اور صحبتوں کو اختیار کیا۔ علامہ شبلی فرماتے ہیں:

مولانا روم اپنے زمانہ کے مشاہیر میں سے اکثر سے ملے۔ شیخ محی الدین اکبر سے دمشق میں ملاقات ہوئی اور یہ وہ زمانہ ہے جب مولانا تحصیلِ علم میں مصروف تھے اور ان کی عمر چالیس برس کی تھی۔ مولانا جس زمانہ میں دمشق میں تھے۔ محی الدین، شیخ سعد الدین حموی، شیخ عثمان رومی، شیخ اوحد الدین کرمانی اور شیخ صدر الدین قونوی سے اکثر صحبتیں رہیں۔ جو حقائق و اسرار ان صحبتوں میں بیان کئے گئے ہیں ان کی تفصیل میں طول ہے۔

صدر الدین قونوی، شیخ محی الدین اکبر کے مرید خاص اور ان کی تصنیفات کے مفسر تھے۔ وہ قونیہ میں رہتے تھے اور مولانا سے بڑا اخلاص تھا۔

نجم الدین رازی مشائخ کبار میں تھے۔ ایک دفعہ وہ اور مولانا اور شیخ صدر الدین تینوں شریک صحبت تھے۔ نماز کا وقت آیا تو رازی نے امامت کی اور دونوں رکعتوں میں قل یاایھا الکافرون پڑھی۔ چوں کہ دونوں رکعت میں ایک ہی سورۃ پڑھنا غیر معمولی بات تھی۔ مولانا روم نے شیخ صدر الدین کی طرف خطاب کرکے کہا کہ ایک دفعہ میرے لیے پڑھی اور ایک دفعہ آپ کے لیے۔

شیخ شہاب الدین سہروردی جو شیخ مصلح الدین سعدی شیرازی کے پیر تھے، ان سے بھی مولانا روم کی

صحبتیں رہیں۔ ایک دفعہ والیٔ شیراز شمس الدین نے شیخ سعدی کو ایک رقعہ لکھا کہ ایک صوفیانہ غزل بھیج دیجیے۔ کسی خاص شاعر کی قید نہیں۔ اسی زمانہ میں مولانا روم کی ایک نئی غزل قوالوں کے ذریعہ سے پہنچی تھی۔ شیخ سعدی نے وہی غزل بھیج دی۔ اور یہ بھی لکھا کہ بلادِ روم میں ایک صاحبِ حال پیدا ہوا ہے۔ یہ غزل اسی کے ترانۂ حقیقت کا ایک نغمہ ہے۔ شمس الدین نے غزل دیکھی تو عجب حالت طاری ہوگئی۔ خاص اس غزل کے لیے سماع کی مجلسیں منعقد کیں اور بہت سے ہدیے اور تحفے دے کر شیخ سعدی کو مولانا روم کی خدمت میں بھیجا۔ چناں چہ سعدی قونیہ میں آئے اور مولانا روم سے ملے۔

علامہ قطب الدین شیرازی جو محقق طوسی کے شاگردِ رشید تھے، 'مناقب العارفین' میں قطب الدین شیرازی کی زبان سے نقل کیا ہے کہ وہ دس بارہ مستند علماء کے ساتھ مولانا روم کے پاس گئے۔ سب نے آپس کے مشورہ سے چند نہایت معرکۃ الآراء مسائل ٹھہرا لیے تھے کہ مولانا سے پوچھیں گے۔ لیکن جوں ہی مولانا روم کے چہرے پر نگاہ پڑی یہ معلوم ہوا کہ گویا کبھی کچھ پڑھا ہی نہ تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد مولانا نے خود حقائق اور اسرار پر تقریر شروع کی جس کے ضمن میں وہ تمام مسائل بھی آگئے جو امتحان کی غرض سے یہ لوگ یاد کر کے گئے تھے۔ بالآخر سب کے سب مولانا روم کے مرید ہو گئے۔

حضرت شمس تبریزی دنیا سے رخصت ہو گئے تو مولانا روم کی زندگی ہیجان واضطراب اور قلق سے دوچار ہوگئی۔ اکثر اوقات جذب واستغراق میں رہتے۔ فرض کے وقت صحو کی حالت میں آجاتے اور نماز ادا فرماتے پھر محو وسکر کی حالت طاری ہو جاتی۔ ایک روز حضرت شمس کے یاد میں بے تاب ہو کر گھر سے نکلے۔ راستہ میں شیخ صلاح الدین زرکوب کی دکان تھی اور وہ زرکوبی کے عمل میں مشغول تھے۔ مولانا روم دکان کے اوپر سے گزر رہے تھے کہ ان کے کانوں میں چاندی کے ورق کوٹنے کی آواز آئی۔ اس آواز نے آپ کے قلب پر عجیب وغریب اثر ڈالا اور سماع کا اثر پیدا کیا اور آپ وہیں محویت کے عالم میں رقص کرنے لگے۔ شیخ صلاح الدین نے دیکھا کہ مولانا روم پر جذب کی کیفیت طاری ہے۔ زرکوبی کا عمل ترک کر دیا اور آپ سے بغلگیر ہو گئے اور ان کے اوپر بھی یہی جذب و محویت کی کیفیت طاری ہوگئی اور یہ دونوں بہت دیر بے خودی کے عالم میں رہے۔ مولانا روم کی زبان پر یہ شعر جاری ہوا: ؎

یکے گنجے پدید آمد ازیں دکانِ زرکوبی   زہے صورت، زہے معنی، زہے خوبی، زہے خوبی

اس واقعے کے بعد شیخ صلاح الدین نے اپنی دکان اٹھا دی اور مولانا روم کے ساتھ ہو لیے۔ شیخ صلاح الدین خود بھی صاحبِ حال بزرگ تھے۔ ان کی پُرلطف وکیف آور اور وجد آفریں صحبتوں کی وجہ سے مولانا روم کو طمانیت وسکینت کی ایک نئی دنیا مل گئی اور دونوں کی خوب جمتی رہی اور یہ صحبتیں تقریباً نو سال تک گرم رہیں۔ ۶۶۴ھ میں شیخ صلاح الدین سخت بیمار ہو گئے اور دنیا سے سدھارے۔ مولانا روم کے والد کے پہلو میں محوِ خواب ہیں۔

شیخ صلاح الدین کے انتقالِ پُرملال کے بعد مولانا روم نے اپنے ہی مرید خاص خاضر باش خادم ہمہ وقت حضرت حسام الدین چلپی کو اپنا ہمدم اور ہم نشین بنالیا اور بیشتر وقت ان کی صحبت میں گزارنے لگے۔ ان ہی سے رائے مشورہ بحث و گفتگو اور استفادہ و افادہ کا تعلق قائم کرلیا۔ حسام الدین کا علمی و عرفانی پایہ بہت بلند تھا۔ جس کے باعث مولانا روم اپنے مرید کی بڑی قدر و منزلت کیا کرتے تھے۔ مثنوی کے دفتر دوم، سوم، چہارم، پنجم اور ششم میں مختلف اور متعدد مقامات میں حسام الدین کا ذکر بڑی عظمت اور فضیلت کے ساتھ کیا ہے۔ اور یہ معرکۃ الآراء علمی و عرفانی مثنوی معرض وجود میں آنے کا ذریعہ بھی حسام الدین کی ذات گرامی معلوم ہوتی ہے۔ انھوں نے مختلف مواقع پر مولانا روم کو اس تصنیف کی جانب توجہ مبذول کروائی اور خود ہی مولانا روم کی زبان سے اشعار سن کر ضبط تحریر کیا کرتے تھے۔ اس طرح مثنوی کی تصنیف و جمع اور تدوین میں حسام الدین کا کردار بڑا اہم رہا ہے: ؎

چوں ضیاء الحق حسام الدین عنان　　باز گردانید اوج آسماں
چوں بمعراج حقائق رفتہ بود　　بے بہارش غنچہا نشگفتہ بود!

حسام الدین نے باگ آسماں کی بلندی سے موڑ دی تو اس مثنوی کا تسلسل شروع ہوا کیوں کہ وہ حقائق کی معراج پر پہنچے ہوئے تھے۔ ان کی بہار کے بغیر غنچے کھل نہ سکے۔ دفتر سوم و چہارم کا آغاز تو ان ہی کے نام سے ہو رہا ہے: ؎

اے ضیاء الحق حسام الدین بیار　　ایں سوم دفتر کہ سنت شد سہ بار
برکشا گنجینۂ اسرار را　　در سوم دفتر بہل اعذار را

اے حسام الدین لا یہ دفتر سوم، کیوں کہ تہرانا سنت ہے۔ اسرار کا خزانہ کھول دے۔ دفتر سوم میں عذروں کو چھوڑ دے۔

دفتر پنجم و ششم کی شروعات اس طرح ہو رہی ہے: ؎

شہ حسام الدین کہ نور انجم است　　طالب آغاز سفر پنجم است

حسام الدین جو ستاروں کی روشنی ہے۔ دفتر پنجم کے آغاز کا طالب ہے۔ ؎

اے حیات دل حسام الدین بسے　　میل می جوشد بقسم سادسے!

اے دل کی زندگی حسام الدین، دفتر ششم کی تحریر کی جانب خواہش زور پر ہے۔ ؎

گشت از جذب چو تو علامہ　　در جہاں گرداں حسامی نامہ

آپ جیسے علامہ کی کشش کی وجہ سے حسامی نامہ دنیا میں پھیل گیا۔

حسام الدین کے دل میں بھی مولانا روم کی محبت رچ بس گئی تھی۔ یہ بھی ایک لمحہ کے لیے اپنے شیخ کی جدائی پسند نہیں کرتے تھے۔ حسام الدین اپنے مرشد روحانی و شیخ مربی کے ساتھ کثرت سے نشست و برخاست اور بے تکلفی و اپنائیت کے باوجود ادب کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑتے تھے اور ہر موقعہ اور ہر مجلس میں شیخ کے احترام و اکرام کا پورا پورا پاس و لحاظ

رکھا کرتے تھے ۔ تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے کہ مولانا روم کے وضوخانہ میں وضو کرنا بھی سوءِ ادب خیال کرتے تھے دس سال شیخ کی خدمت میں رہے ۔ ایک دن بھی شیخ کے وضوخانہ میں وضو نہیں کیا۔ شدید برف باری کے وقت بھی اپنے گھر جا کر وضو کر کے چلے آتے تھے ۔

۶۷۲ھ کے سال قونیہ میں چالیس روز تک زلزلے کے جھٹکے محسوس کیے جاتے رہے ۔ جس کی وجہ سے سارا شہر خوف و ہراساں میں مبتلا ہو گیا تھا ۔ آئے دن لوگ مولانا روم کی خدمت میں پہنچ کر اس بلائے ناگہانی کا ذکر کیا کرتے تھے ۔ ایک روز آپ نے فرمایا : زمین بھوکی ہے اور وہ لقمہ تر چاہتی ہے ۔ سامعین پر لقمہ تر کی حقیقت منکشف نہ ہو سکی ۔ جو الہامی زبان سے آپ کی وفات کی پیش گوئی تھی ۔ اس کے بعد آپ سخت بیمار ہو گئے ۔ علاج کی جانب مطلق توجہ نہ دیتے تھے ۔ روزانہ آپ کے گھر پر مریدوں، معتقدوں، شاگردوں، رشتہ داروں، دوستوں اور شہریوں کا ہجوم رہتا تھا ۔ شیخ صدر الدین کو آپ کی علالت کی خبر ملی تو اپنے مریدوں اور شاگردوں کو لیے ہوئے گھر آ پہنچے ۔ آپ حالت دیکھ کر آب دیدہ ہو گئے اور اللہ سے صحت کی دعا مانگی تو سُن کر مولانا روم کہنے لگے : صدر الدین صحت آپ ہی کو مبارک ہو ۔ محب اور محبوب کے درمیان صرف ایک پیرہن کا پردہ رہ گیا ہے ۔ کیا آپ نہیں چاہتے کہ وہ اُٹھ جائے اور نور، نور سے مل جائے ۔ یہ سنتے ہی صدر الدین کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے اور انھیں یقین ہو گیا کہ مولانا روم سفرِ آخرت پر روانہ ہو جائیں گے ۔ ۵ جمادی الثانی ۶۷۲ھ مطابق 1273ء روز یکشنبہ مغرب کے وقت مولانا روم کی روحِ پُرفتوح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی ۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ۔ دوسرے دن تجہیز و تکفین عمل میں آئی ۔ علامہ قاضی سراج الدین نے نمازِ جنازہ پڑھائی ۔ لاکھوں سوگوار اپنی پرنم آنکھوں اور اپنے مغموم دلوں کے ساتھ جنازہ اٹھائے ہوئے مولانا روم کی آخری قیام گاہ کی طرف چل پڑے ۔ اور دیکھتے ہی دیکھتے قونیہ کی زمین نے علم و عرفان کے اس آفتاب کو اپنی آغوش میں لے لیا ۔ آج بھی آپ کی مزارِ پُرانوار زیارت گاہِ خلائق ہے ۔

صوفیاء کے ہاں سجادہ نشین کے تعین و تقرر کی بڑی اہمیت ہے ۔ یہ مسئلہ مولانا روم کے دمِ واپسیں پر سامنے آیا ۔ لوگوں نے آپ سے پوچھا : آپ کا جانشین کون ہوگا ؟ آپ نے اپنے مرید و شاگرد مولانا حسام الدین کا نام لیا ۔ بقول علامہ شبلی :

مولانا روم کے دو فرزند تھے ۔ علاؤ الدین محمد اور سلطان ولد ۔ سلطان ولد علوم ظاہری و باطنی میں یگانہ روزگار تھے ۔ مولانا کی وفات پر سب کی رائے تھی کہ انہی کو سجادہ نشین کیا جائے ۔ لیکن ان کی نیک نفسی نے گوارا نہ کیا انھوں نے حسام الدین چلپی سے کہا کہ والد ماجد کے زمانہ میں آپ ہی خلافت کے خدمات انجام دیتے تھے اس لیے آج بھی آپ ہی اس مسند کو زینت دیجیے ۔ حسام الدین چلپی نے ۶۸۴ھ میں انتقال کیا ۔ ان کے بعد سلطان ولد، اتفاقِ عام سے مسندِ خلافت پر متمکن ہوئے ۔ ان کے زمانہ میں بڑے بڑے علماء و فضلا موجود تھے ۔ لیکن

جب وہ حقائق و اسرار پر تقریر کرتے تو تمام مجمع ہمہ تن گوش بن جاتا۔ ان کی تصنیفات میں خاص قابلِ ذکر ایک مثنوی ہے۔ جس میں مولانا روم کے حالات اور واردات لکھے ہیں اور اس لحاظ سے وہ گویا مولانا کی مختصر سوانح عمری ہے۔
(سوانح مولانا روم: ص ۲۷)

مولانا روم ایک صاحبِ فیض بزرگ ہیں۔ جن کی ذات گرامی سے بھی تصوف کا ایک سلسلہ چل پڑا ہے جو سلسلۂ جلالیہ، سلسلۂ کبرویہ اور فرقۂ مولویہ کے نام سے موسوم ہے۔ مصر، شام، قسطنطنیہ وغیرہ کے لوگ اس سلسلہ سے وابستہ رہے ہیں۔ عالمِ عرب میں مختلف علماء و مشائخ سے تصوف کے سلاسل چل پڑے۔ ان میں سے بعض سلاسل ہمارے ہندوستان میں بھی پہنچے، اور ہمارے ہاں بھی بعض ہندوستانی نژاد علماء و مشائخ سے بھی سلسلے چل پڑے ہیں۔ حضرت بوعلی شاہ قلندر پانی پتی جن کو مولانا روم کی خدمت میں رہنے اور اُن سے علمی و روحانی تربیت حاصل کرنے کا شرف حاصل رہا ہے۔ ان سے بھی ہندوستان میں تصوف کا ایک سلسلہ چل پڑا جو مولانا روم سے پیوست ہے اور یہ سلسلہ 'فرقۂ قلندریہ' کے نام سے موسوم ہے۔ حضرت سید شاہ ابوالحسن ثانی بیجاپوریؒ نے اپنی عربی کتاب 'مخزن السلاسل' میں صوفیاء کے ایک سو اکانوے سلاسل کو جمع کیا ہے۔ ان میں سے ایک مولانا روم کا سلسلہ بھی بیان کیا ہے۔ جس میں مصنف موصوف کو بیعت اور خلافت حاصل ہے۔

مولانا روم کے سلسلہ میں شامل ہونے والے طالب و سالک کے تزکیۂ نفس کشی کی بڑی اہمیت ہے۔ جو بھی اس سلسلہ میں شامل ہو جاتا ہے تو اُسے چالیس دن تک ایسے ایسے امور و مشاغل میں رکھا جاتا ہے، جن کو انجام دینے کے بعد سالک کے اندر تواضع و انکساری، خلقِ خدا کی خدمت گذاری، گناہ سے کنارہ کشی، فرائض کی ادائیگی اور تقویٰ و طہارت کے جذبات و احساسات اُبھر جاتے ہیں۔ پھر اس کے بعد سالک کو صوفیاء کے بعض مخصوص اشغال، اذکار و اعمال کی جانب متوجہ کیا جاتا ہے۔ سلوک اور تزکیہ کے باب میں خود مولانا روم کی کیفیت یہی تھی آپ کثرت سے مجاہدات اور ریاضتیں کیا کرتے تھے۔ کئی کئی دن روزہ رکھتے تھے۔ فرائض کی ادائیگی کے علاوہ نوافل بھی کثرت سے پڑھتے تھے۔ لوگوں سے دُور رہتے اور جنگلوں میں چلے جاتے تھے۔ کسی کو پتہ بھی نہیں چلتا کہ کہاں جاتے اور کہاں رہتے۔ پھر خود بخود لوٹ آجاتے تھے۔

مولانا روم کی زندگی میں تصوف علمی اور عملی دونوں حیثیت سے نمایاں نظر آتا ہے۔ ان کی نثری تصنیف "فیہ ما فیہ" ہو یا ان کی شعری تصنیف "مثنوی" ہو ہر دو رنگ تصوف میں ڈوبی نظر آتی ہیں۔ تصوف سے متعلق اب تک اس قدر مختلف تعبیرات، متعدد تشریحات اور متضاد توضیحات سامنے آچکی ہیں، ان کا سرسری جائزہ و تحقیق اور ترجیح بھی ایک مستقل کتاب کی متقاضی ہے۔ علامہ شبلی نے جو مختصر تعبیر و تشریح بیان کی ہے وہی اس وقت ہمارے پیشِ نظر ہے۔

عموماً یہ مسلم ہے کہ مثنوی کا اصلی موضوع شریعت کے اسرار اور طریقت وحقیقت کے مسائل کا بیان کرنا ہے۔ اس لیے پہلے ان الفاظ کے معنے سمجھنے چاہییں۔ ان تینوں چیزوں کی حقیقت خود مولانا روم نے دفتر پنجم کے دیباچہ میں یہ لکھی ہے:

شریعت ہم چوں شمعے است کہ راہ می نماید، چوں در راہ آمدی ایں رفتنی تو طریقت است و چوں بہ مقصود رسیدی آں حقیقت است۔ (شریعت ایک شمع ہے جو راہ دکھلاتی ہے جب تم اس راہ پر چلنے لگو تو تمہارا یہ چلنا طریقت ہے اور جب تم مقصود کو پہنچو تو یہ حقیقت ہے۔)

حاصل آں کہ ہم چوں علم کیمیا آموختنی است از استاد، یا از کتاب و طریقت استعمال کردن داروہا و مس را در کیمیا مالیدن وحقیقت زر شدن مس، یا مثال شریعت ہم چوں علم طب آموختنی است و طریقت بہ پرہیز کردن بموجب علم طب و دارو خوردن، وحقیقت صحت یافتی۔ (شریعت استاذ یا کتاب کے ذریعہ علم کیمیا سیکھنے کے مانند ہے اور یعنی مثلاً ایک شخص نے علم طب پڑھا، یہ شریعت ہے، دوا استعمال کی یہ طریقت ہے، مرض سے افاقہ ہوگیا یہ حقیقت ہے۔ حاصل یہ کہ شریعت علم ہے، طریقت عمل ہے، حقیقت عمل کا اثر ہے۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ شریعت چار چیزوں کا نام ہے۔ اقرارِ زبانی، اعتقادِ قلبی، تزکیۂ اخلاق، اعمال یعنی اوامر و نواہی۔

اعتقاد تین طریقہ سے پیدا ہوتا ہے۔ تقلید سے، استدلال سے، کشف وحال سے۔ پہلی دونوں قسموں کو شریعت کہتے ہیں۔ ان طریقوں سے کسی کو اگر اعتقاد حاصل ہو تو کہا جائے گا کہ اس کو شرعی اعتقاد حاصل ہے، تیسری قسم کا اعتقاد طریقت ہے۔ یہ قسم بھی شریعت سے باہر نہیں۔ لیکن امتیازاً ایک خاص نام رکھ لیا گیا ہے۔ کیوں کہ یہ اعتقاد سلوک وتصوف اور مجاہدہ و ریاضت کے بغیر حاصل نہیں ہوتا۔

اسی طرح تزکیۂ اخلاق کے جو احکام شریعت میں مذکور ہیں ان کا نام شریعت ہے، لیکن محض احکام کے جاننے سے تزکیۂ اخلاق نہیں ہوتا۔ علمائے ظاہر اخلاق کی حقیقت و ماہیت سے بخوبی واقف ہوتے ہیں۔ لیکن خود اُن کے اخلاق پاک نہیں ہوتے۔ یہ مرتبہ مجاہدات اور فنائے نفس سے حاصل ہوتا ہے۔ اور اسی کا نام طریقت ہے۔ تعمیلِ فرائض اور اجتنابِ منہیات کا بھی یہی حاصل ہے۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ شریعت اور طریقت دو متناقض چیزیں نہیں ہیں بلکہ دونوں میں جسم وجان، جسد و روح، ظاہر و باطن، پوست و مغز کی نسبت ہے۔ تصوف بھی دو جزوں سے مرکب ہے۔ علم، عمل۔ عقائد میں جن مسائل سے بحث کی جاتی ہے، ان میں ذات وصفاتِ باری کے متعلق جو مسائل ہیں، تصوف میں بھی انہی مسائل سے بحث ہوتی ہے۔ لیکن تصوف میں ان عقائد کی حقیقت اور طرح پر بیان کی جاتی ہے یہی حصہ تصوف کا علمی حصہ ہے۔ لیکن تصوف کے اس حصہ میں جو چیز اصلی ما بہ الامتیاز ہے۔ یہ ہے کہ اس میں علم اور

ادراک کا طریقہ عام طریقہ سے مختلف ہے۔ تمام حکما، اور علماء کے نزدیک ادراک کا ذریعہ حواسِ ظاہری اور باطنی یعنی حافظہ، تخئیل، حسِ مشترک وغیرہ ہیں۔ لیکن اربابِ تصوف کے نزدیک ان وسائل کے سوا، ادراک کا ایک اور بھی ذریعہ ہے۔ حضرات صوفیاء کا دعویٰ ہے کہ مجاہدہ، ریاضت، مراقبہ اور تصفیۂ قلب سے ایک اور حاسّہ پیدا ہوتا ہے۔ جس سے ایسی باتیں معلوم ہوتی ہیں جو حواسِ ظاہری اور باطنی سے معلوم نہیں ہوتیں۔

امام غزالی نے اس کی یہ تشبیہ دی ہے کہ مثلاً ایک حوض ہے۔ جس میں نلوں اور جدولوں کے ذریعہ سے باہر سے پانی آتا ہے۔ یہ گویا علمِ ظاہری ہیں۔ لیکن خود حوض کی تہ میں ایک سوت ہے جس سے فوارہ کی طرح پانی اچھلتا ہے اور حوض میں آتا ہے یہ علمِ باطن ہے۔ یہی علم ہے جس کو علمِ لدّنی اور کشف اور علمِ غیبی کہتے ہیں۔ اور یہی علم ہے جو انبیاء اور اولیاء کے ساتھ مخصوص ہے۔ انبیاء اور اولیاء میں فرق یہ ہے کہ انبیاء میں یہ علم نہایت کامل اور فطری ہوتا ہے۔ یعنی مجاہدہ اور ریاضت کا محتاج نہیں ہوتا۔ بخلاف اس کے اولیاء کو مجاہدات اور ریاضات کے بعد حاصل ہوتا ہے۔

حضرات صوفیاء کہتے ہیں کہ جس طرح علوم ظاہری کے سیکھنے کا ایک خاص طریقہ مقرر ہے۔ جس کے بغیر وہ علوم حاصل نہیں ہو سکتے اسی طرح اس علم کا بھی ایک خاص طریقہ ہے۔ جب تک اس طریقہ کا تجربہ نہ کیا جائے اس کے انکار کی وجہ نہیں۔ یہ امر مسلم ہے کہ بہت سے مسائلِ علمی ایسے ہیں جن کو کسی خاص حکیم یا عالم نے دریافت کیا اور لوگ صرف ان کی شہادت کی بناء پر ان مسائل کو تسلیم کرتے ہیں۔ اسی قیاس پر جب سینکڑوں بزرگ جن کے فضل و کمال، صدق و دیانت، دقتِ نظر اور حدّتِ ذہن سے کوئی انکار نہیں کر سکتا مثلاً حضرت بایزید بسطامی سلطان ابو سعید، امام غزالی، شیخ محی الدین اکبر، شیخ سعدی، ملّا نظام الدّین، شاہ ولی اللہ وغیرہ نہایت وثوق اور اذعان سے اس بات کی شہادت دے رہے ہیں کہ علمِ باطن حواس سے بالکل جداگانہ چیز ہے۔ تو ان کی اس شہادت پر کیوں نہ اعتبار کیا جائے۔ سینکڑوں ایسے علماء گزرے ہیں جن کو علمِ باطن سے قطعاً انکار تھا لیکن جب وہ اس کوچہ میں آئے اور خود ان پر وہ حالت طاری ہوئی تو وہ سب سے زیادہ اس کے معترف بن گئے: ع

ذوقِ ایں بادہ نہ دانی بخدا تا نہ چشی

چوں کہ یہ مسئلہ تصوف کے تمام علمی مسائل کی بنیاد ہے۔ اس لیے مولانا روم نے اس کو بار بار بیان کیا ہے۔ اور مختلف مثالوں سے سمجھایا ہے کہ اربابِ ظاہر کا اس سے منکر ہونا ایسا ہی ہے، جیسا کہ ایک بچہ مسائل فلسفیہ سے انکار کرتا ہے یا ان کے سمجھنے سے قاصر ہے: ؎

آئینۂ دل چوں شود صافی و پاک — نقشہا بینی بروں از آب و خاک
پنج حسّی ہست جز ایں پنج حس — آں چو زرِّ سرخ و ایں حسہا چو مس

خویش را صافی کن از اوصافِ خود — تا بہ بینی ذات پاک صاف خود
بینی اندر دل، علوم انبیاء — بے کتاب و بے مُعید و استا

مولانا روم کے بیان کردہ تصوف کا ایک ممتاز پہلو یہ ہے کہ آپ کے ہاں بے علم (استاد) و عمل غالی صوفیوں کی طرح زندگی سے فرار نہیں ہے اور توکل کے نام پر حرکت و عمل اور سعی و کوشش سے کنارہ کشی نہیں ہے۔ مثنوی کے دفتر اول میں فرماتے ہیں: ؎

گفت آرے گر توکل رہبر ست — ایں سبب ہم سنت پیغمبر است
گفت پیغمبر بآواز بلند — بر توکل زانوئے اُشتر بہ بند
زمرۂ الکاسب حبیب اللہ شنو — از توکل در سبب کاہل مشو
گر توکل می کنی در کار کن — کار کن پس تکیہ بر جبّار کن
خواجہ چوں بیلے بدست بندہ داد — بے زبان معلوم شد او را مراد
جہد حق است و دوا حق است و درد — منکر اندر نفی جہدش جہد کرد
سعی شکر نعمت و قدرت بوَد — جبر تو انکار آں قدرت بود
چیست دنیا از خدا غافل بُدن — نے قماش و نقرہ و فرزند و زن

زندگی میں اسباب اختیار کرتے ہوئے اللہ تعالےٰ پر توکل کرو۔ یہی توکل ہمارے لیے رہنما ہے۔ وسائل اور اسباب کو اختیار کرنا پیغمبر کی سنّت ہے۔ پیغمبر نے کہا: اونٹ کو رسّی باندھو، پھر اللہ پر بھروسہ کرو۔ جدوجہد کرنے والا اللہ تعالےٰ کا محبوب بندہ ہے۔ توکل کے نام اسباب اختیار کرنے میں سستی اور کاہلی نہ کرو۔ حرکت و عمل میں لگے رہو توکل کرنا چاہیے اور اللہ پر بھروسہ کرنا چاہیے۔ آقا نے اپنے غلام کو کچھ کہے بغیر اس کے ہاتھ میں بیلچہ دے دیا تو خود بخود اس کا مقصد اور ارادہ معلوم ہو گیا۔ جدوجہد ضروری ہے۔ اور دوا دارو بھی لازمی ہے اور درد بھی حق ہے۔ منکر اپنی سعی کی نفی میں کوشاں ہے۔ سعی اور کوشش ہی قدرت و طاقت کی شکرگزاری ہے۔ آدمی کا خود کو بے بس تصور کرنا اور حرکت و عمل ترک کرنا اللہ کی دی ہوئی قدرت اور اختیار کا انکار ہے۔ اللہ تعالےٰ سے غافل ہو جانے کا نام ہی دنیا ہے نہ کہ ساز و سامان سونا و چاندی اور بیوی بچے۔

مولانا روم کی اس فکر اور پیغام کا خلاصہ اور عطر ایک مختصر جملہ میں یہ ہے: "دست بکار و دل بیار" ہاتھ کام میں رہے اور دل یار میں رہے۔

مولانا روم وحدۃ الوجود کے قائل ہیں۔ وحدۃ الوجود ہو یا وحدۃ الشہود یہ دونوں تصوّف کے دقیق ترین مسائل میں سے ہیں اور دونوں نقطہائے نظر کی تائید میں مستقل مکاتیب فکر موجود ہیں۔ اس مقام

پر مسئلہ وحدت الوجود سے متعلق کسی قدر وضاحت اہلِ علم اور اہلِ ذوق کے لیے فائدہ سے خالی نہیں ہے۔ اس لیے حضرت قطب ویلور قدس سرہٗ کی فارسی تصنیف "غایۃ التحقیق" کی بعض بحثوں کا ترجمہ پیش کیا جا رہا ہے اس کتاب میں حضرت قطب ویلور نے نہ صرف مسئلہ وحدۃ الوجود کا سیر حاصل علمی و تحقیقی جائزہ لیا ہے بلکہ وجودیہ اور شہودیہ کے درمیان تطبیق دی ہے اور غالی حضرات وجودی اور شہودی کی اصلاح فرمائی ہے۔ اور وحدۃ الوجود کا شرعی حکم بیان کیا ہے اور اس راہ کی نشان دہی فرمائی ہے۔ جس پہ گامزن رہنے میں سلامتی اور عافیت ہے۔ لکھتے ہیں: مسئلہ وحدت الوجود حق اور مطابق واقع ہے۔ کیوں کہ اس پہ دلائل عقلیہ اور نقلیہ قائم ہیں۔ صوفیاء نے عالم کو جو عینِ حق کہا ہے اس سے عینیت جمیع وجوہ سے مراد نہیں ہے۔ بلکہ عالم ایک وجہ سے عین اور ایک وجہ سے غیر ہے۔ مثلاً زید نوعِ انسان کا فرد ہے۔ حقیقت کے اعتبار سے عین نوع ہے اور تعین کے اعتبار سے غیر۔

صوفیاء نے جب عالم کو عینِ حق قرار دیا تو وجوداتِ خاصہ کی نفی نہیں کی وہ وجوداتِ خاصہ جو مختلف مراتب میں وجود تنزلی سے حاصل ہوتے ہیں بلکہ انھوں نے تنزلی اور ظہور کے معنی کے بیان کا ارادہ کیا۔ جیسا کہ ایک معقولی زید اور عمر، دونوں کو ایک کہتا ہے تو اس کی مراد یہ ہوتی ہے کہ یہ دونوں ایک ہی نوع ہیں نہ کہ زید اور عمر ہر اعتبار سے ایک ہیں۔

اور جب انسان اور گھوڑے کو ایک کہتا ہے تو اس کی مراد حیوانیت میں اشتراک ہے۔ اور جب زید اور شیر کو ایک کہتا ہے تو اس کی مراد شجاعت میں مشابہت اور مماثلت ہے۔ بالکل اسی طرح صوفیاء بھی عالم کو عینِ حق کہتے ہیں تو ان کی مراد، جو وجود منبسط میں تعینِ کلیہ ہے اور یہ کہ وجود منبسط کا قیام، حق جل مجدہٗ سے (وجود اول) ہے۔ اور اس میں ایک دوسرے کا غیر ہونے کی نفی نہیں ہے۔ وجود کا ہر مرتبہ ایک حکم رکھتا ہے۔ اگر تم حفظ مراتب نہ کرو تو زندیق ہو۔

وجودیہ اور شہودیہ اور متکلمین یہ تینوں اہلِ سنت وجماعت کے گروہ ہیں۔ حلول واتحاد کو کفر سمجھتے ہیں فرقۂ حلولیہ اور فرقۂ اتحادیہ کی تکفیر کرتے ہیں۔ اہل سنّت وجماعت کے اختلاف خواہ ظاہر شریعت کے مسائل میں ہوں یا باطن شریعت کے مسائل میں ہوں۔ وہ اختلاف اس نوعیت کے نہیں ہیں کہ ایک دوسرے کی تضلیل اور تکفیر کریں بلکہ حق ان مختلف اقوال میں دائر ہے۔ اگر ایک قول کی دلیل راجح ہو تو دوسرے قول کو باطل خیال نہیں کرنا چاہیے۔

ہم لوگ جو اس اختلاف (وجودی اور شہودی) کے بعد پیدا ہوئے ہیں۔ طرفین میں سے کسی ایک کا یقین نہیں کر سکتے۔ ہم لوگوں کے لیے سلامتی کی راہ یہی ہے کہ جس طرح مذاہب اربعہ میں حق کو دائر سمجھتے ہیں۔ اسی طرح مذہبِ وجودی اور مذہبِ شہودی میں حق کو دائر سمجھیں۔ اگر ان میں سے ایک دلیل کی وجہ سے راجح ہو تو دوسرے کو گمراہ

نہیں سمجھنا چاہیے۔

مسئلۂ وحدت الوجود پر کمال دقّت وباریکی کی وجہ سے بے شمار عقلی اور نقلی شبہات وارد ہوتے ہیں۔ اور اس کے علاوہ اس مسئلہ کا تعلق اسرار سے ہے۔ شرائع اور ادیان اس مسئلہ کے جاننے پر موقوف نہیں ہے۔ بلکہ سادہ لوح عوام کو اس مسئلہ کی تعلیم دینا اور ان کے سامنے اس مسئلہ کی وضاحت کرنا، الحاد کا دروازہ کھولنا ہے اور شرور وفساد کو راہ دیتا ہے اور احکامِ شریعت میں مداہنت اور بے پروائی کا راستہ صاف کرتا ہے۔

وحدت الوجود کو بہت سے صوفیاء اور نامور علماء اختیار کئے ہوئے ہیں اور اس مسئلہ پر مختلف کتابیں لکھی ہیں۔ سلسلۂ کبرویہ میں مولانا جلال الدین رومی اور حضرت شمس تبریزی گزرے ہیں۔

وجودی اور شہودی میں سے کسی ایک مذہب کی دلیل قوی اور راجح نظر آئے تو دوسرے مذہب کو گمراہ اور باطل نہ کہیں۔ کیوں دوسرے مذہب کو گمراہ قرار دینے سے متعدد نامور علماء اور مشائخ کا گمراہ ہونا لازم آئے گا ظاہر ہے کہ یہ موقف صحیح نہیں ہوسکتا۔

ہاں! اگر کسی ایک مذہب کی تقلید میں غلو کرے اور فرقِ مراتب کا لحاظ نہ رکھے اور جادۂ اعتدال سے باہر قدم رکھے اور عابد کو معبود، حادث کو قدیم، ملوث کو منزہ، حرام کو حلال اور نجس کو طاہر کہنے لگے تو یقیناً ایسے اشخاص کو ملحد اور زندیق کہا جائے۔

اگر کوئی وجودی شخص جادۂ اعتدال سے قدم باہر رکھتے ہوئے الحاد وزندیقیت کی مصیبت پیدا کردے تو وہ یقیناً گمراہ ہے اور گمراہ کن ہے۔

اگر کوئی شہودی شخص جادۂ اعتدال سے قدم باہر رکھتے ہوئے وجودی علماء اور صوفیاء کو گمراہ اور کافر کہنے لگے تو وہ یقیناً مطعون اور قابلِ سرزنش وملامت ہے۔ (غایۃ التحقیق)

محمود شبستری نے اس نکتہ کو ایک نہایت عمدہ تشبیہ سے سمجھایا ہے۔ وہ کہتے ہیں: ؎

روا باشد انا الحق از درختے ۔۔۔ چرا نبود روا، از نیک بختے

یہ ظاہر ہے کہ حضرت موسیٰؑ نے ایک درخت پر جو روشنی دیکھی تھی، وہ خدا نہ تھی لیکن اس سے آواز آئی کہ اِنّی انا ربک یعنی میں تیرا خدا ہوں۔ جب ایک درخت کو خدائی کا دعویٰ اس بناء پر جائز ہے کہ وہ خدا کے نور سے منوّر ہوگیا تھا تو انسان جو قدرتِ الٰہی کا سب سے بڑا مظہر ہے۔ ایک خاص مقام پر پہنچ کر کیوں یہ دعویٰ نہیں کرسکتا

مولانا روم فنا فی اللہ اور بقا باللہ کے درجے پر فائز تھے۔ دنیائے تصوف کے یہ دونوں عظیم المراتب ایک دوسرے کے مقابل ہیں۔ فنا ایک ایسا درجہ ہے جس سے سالک کی صفات عبدیہ مضمحل ہوجاتی ہیں۔ لیکن وہ عبدیت کے لبادہ سے باہر نہیں ہوتا۔ اور اس کی عبدیت ختم نہیں ہوتی جیسے سورج کی روشنی میں چراغ۔ چراغ اپنی ذات

سے باقی ہے اور فانی بھی ہے۔ اس لیے کہ اس کی صفات سورج کی شعاعوں کی وجہ سے مضمحل اور مدہم ہیں۔

اور بقا ایک ایسا درجہ ہے جس میں سالک اللہ تعالیٰ کی صفات کے عکس اور پرتو سے قائم رہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس سے جلال و عظمت کی شان ظاہر ہوتی ہے۔

علامہ شبلی "سوانح مولانا روم" میں مقام فنا سے متعلق مولانا روم کے حوالہ سے وضاحت فرماتے ہیں:

سالک اپنی ہستی کو بالکل مٹا دے اور ذاتِ الٰہی میں فنا ہو جائے۔ یہی مقام ہے جس میں منصور نے انا الحق اور حضرت بایزید بسطامی نے سبحانی ما اعظم شانی کہا تھا اور اس حالت میں ایسا کہنا محل الزام نہیں۔

مولانا روم کے وجودی ہونے کی شہادت درج ذیل اشعار دے رہے ہیں: ؎

گر ہزاراں اند یک کس بیش نیست   جز خیالات عدد اندیش نیست

بحر وحدانیت است جفت و زوج نیست   گوہر و ماہیش غیر موج نیست

اگرچہ ہزاروں ہیں، ایک کے سوا کچھ نہیں۔ کثرت اور تعدد تو ایک خیالی بات ہے۔ صرف وحدانیت کا سمندر ہے۔ طاق اور جفت کچھ نہیں۔ اس کی اصلیت کنہ اور ماہیت موجوں سے الگ نہیں ہے۔

مولانا روم نے اس مقام کو مختلف تشبیہوں سے سمجھایا ہے۔ انسان پر جب کبھی کوئی جن مسلط ہو جاتا ہے تو اس وقت وہ جو کچھ کہتا ہے یا کرتا ہے۔ وہ جن کا قول اور فعل ہوتا ہے۔ جب جن کے تسلط میں یہ حالت ہوتی ہے تو نورِ الٰہی جس شخص پر چھا جائے، اس کی یہ حالت کیوں نہ ہوگی۔

لوہا جب آگ میں گرم کیا جاتا ہے اور سرخ ہو کر آگ کا ہم رنگ بن جاتا ہے تو گو وہ آگ نہیں ہو جاتا لیکن اس میں تمام خاصیتیں آگ کی پائی جاتی ہیں۔ یہاں تک کہتے ہیں کہ آگ ہو گیا۔ فنا فی اللہ کے مقام میں انسان کی بھی یہی حالت ہوتی ہے۔

مقام فنا کی نسبت لوگوں کو نہایت غلطیاں واقع ہوتی ہیں یہی مقام ہے جس کی بنا پر دار کے منبر پر انا الحق کا خطبہ پڑھا تھا۔ جو لوگ سرے سے تصوف کے منکر ہیں وہ کہتے ہیں کہ انسان خدا کیوں کر ہو سکتا ہے؟ اگر ہو سکتا ہے تو فرعون نے کیا جرم کیا تھا کہ کافر اور مرتد ٹھہرا۔ صوفیا میں سے بھی اکثر اس لحاظ سے منصور کے دعویٰ کو غلط سمجھتے ہیں کہ ہستی مطلق اور ممکنات میں تعین اور تشخص کا جو فرق ہے، وہ کسی حالت میں مٹ نہیں سکتا۔ چنانچہ شیخ محی الدین اکبر نے فتوحات مکیہ میں صاف تصریح کی ہے اور اسی بنا پر کہا گیا ہے: ع

گر فرق مراتب نہ کنی زندیقی

مولانا روم وحدت الوجود کے قائل تھے اور مقام فنا میں مستغرق تھے۔ تاہم ان کا یہ مذہب ہے کہ یہ مقام ایک وجدانی اور ذوقی چیز ہے۔ جس شخص پر یہ حالت طاری نہ ہو، اس کو یہ الفاظ استعمال نہ کرنی چاہئیں۔

چناں چہ فرعون اور منصور کا اختلاف حالت اسی پر مبنی ہے۔ ؎

آں انا بے وقت گفتنی لعنت است　　　　واں انا در وقت گفتنی رحمت است

مولانا روم کے تصوف کا ایک گوشہ یہ بھی ہے کہ آپ حضرات انبیاء اور اولیاء سے ان کی وفات کے بعد بھی نبوض و برکات پہنچنے کے قائل ہیں۔ یہ مسئلہ بھی اہل ظاہر اور اہل باطن کے درمیان مختلف فیہ ہے۔ انبیاء کرام سے فیضِ روحانی پہنچنے کے مسئلہ میں صوفیاء اور فقہاء دونوں متفق ہیں۔ اولیائے کرام سے فیض پہنچنے کے بارے میں صوفیاء کا اتفاق ہے اور فقہاء کا اختلاف ہے۔ حضرت قطب ویلور قدس سرہٗ اپنے مکتوب میں لکھتے ہیں۔

بزرگاں چہ در حالتِ حیات وچہ در حالت ممات، قریب و بعید و بیدار و نائم را فیض می رسانند۔

کیا زندگی کیا موت، کیا دور و نزدیکی، کیا خواب و بیداری ہر حالت میں بزرگان کرام فیض پہنچاتے ہیں۔

مولانا روم اپنی مثنوی میں شیخ ابوالحسن خرقانی کے بارے میں فرماتے ہیں کہ شیخ خرقانی بایزید بسطامی کی وفات کے بعد دنیا میں تشریف لائے اور ان کی روح پر فتوح سے اکتساب فیض کیا: ؎

ہر صباحے رو نہادے سوئے گور　　　　ایستادے تا ضحی اندر حضور
تا مثال شیخ پیش آمدی　　　　تا کہ بے گفتی اشکالش حل شدی

حضرت ابوالحسن خرقانی ہر صبح حضرت بایزید بسطامی کی قبر پر حاضر ہوتے تھے اور چاشت کے وقت مراقب رہتے یہاں تک کہ بایزید بسطامی مثالی شکل میں ظاہر ہوتے اور ان کے سارے اشکال اور مسائل حل کر دیتے تھے۔

دنیائے تصوف کی یہ بڑی مشہور بات ہے کہ بزرگوں کی روحوں سے نیوض و برکات پہنچتے ہیں۔ اس مقام پر ہمیں یہ حقیقت پیشِ نظر رکھنی چاہیے کہ یہ فیوض و برکات اللہ تعالیٰ کے حکم و ارادے سے وابستہ ہیں اور یہ قوت من جانب اللہ ان حضرات کرام کو ملتی ہے۔ اس قسم کے تصرفات اور واقعات کی وجہ سے ان بزرگوں کو خلق و ایجاد میں شریک سمجھنا درست نہیں ہے۔ اور نہ ایسی باتوں سے یہ بات لازم آتی ہے۔ علامہ سید احمد حموی نے کہا ہے

فتصرفھم انما ھو باذن اللہ تعالیٰ و ارادتہ۔

اور یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ حضرت بایزید بسطامی نے حضرت امام جعفر صادق کی روح سے اکتساب فیض کیا اور حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبندی نے حضرت عبدالخالق غجدوانی کی روح سے فیض حاصل کیا ہے اور حضرت ابوالحسن محوی ویلوری نے شیخ عبدالقادر جیلانی کی روح سے فیض تربیت پائی۔ اور خود شیخ عبدالقادر جیلانی نے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی روحِ پُرفتوح سے فیض پایا۔ اور اس کا اعتراف ان لفظوں میں کیا: ما ربّانی الا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے میری روحانی تربیت فرمائی۔ حضرت شیخ جیلانی کے تمام تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے کہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کے خواب میں سرکار دو عالمؐ تشریف لائے اور فرمایا:

اے فرزند! تم لوگوں کو وعظ و نصیحت کیوں نہیں کرتے؟ آپ نے عرض کیا: یا رسول اللہؐ میں اپنے اندر اس کام کا حوصلہ نہیں پاتا ہوں۔ یہ سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنا منہ کھولو۔ پھر آپؐ نے اپنا لعاب دہن شیخ عبدالقادر جیلانی کے منہ میں ڈال دیا۔ خواب سے بیدار ہونے کے بعد حضرت غوث پاک محسوس کرتے ہیں کہ آپؒ کا سینۂ مبارک علم و عرفان سے معمور ہو چکا ہے اور قلب میں عزیمت کی شمع فروزاں ہے۔

اس واقعہ کے بعد حضرت غوث پاک سے علم و عرفان کا چشمہ جاری ہو گیا ہو گیا۔ شیخ فریدالدین عطار "تذکرۃ الاولیاء" میں فرماتے ہیں: ایک جماعت ہے جس کو 'اویساں' کہا جاتا ہے۔ اس کی تربیت براہ راست بلا کسی واسطہ نبئ کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ ہوتی ہے۔ حضرت اویس قرنی جنھوں نے بظاہر نبئ کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو نہیں دیکھا، لیکن آپؐ ہی کی ذات اقدس سے تربیت کا شرف حاصل ہے۔

غرض اس قسم کے روایات و حکایات کو بعض علمائے ظاہر قابل قبول نہیں سمجھتے اور ان کے انکار کے درپے ہو جاتے ہیں۔ لیکن یہ حقیقت ہے کہ یہ روایات اور واقعات اپنی جگہ صحیح ہیں اور اہلِ علم کے مشاہدات سے تعلق رکھتے ہیں۔ لہٰذا اس سلسلہ میں بجز اس کے کیا کیا جا سکتا ہے۔ فمن شاء فلیومن ومن شاء فلیکفر۔

مولانا روم کی ذاتِ گرامی سے فیض روحانی جاری و ساری رہنے کا ذکر حضرت قطب ویلور نے اپنے مکتوب میں کیا ہے: وجدی سید عبداللطیف ذوقی چوں از ابیات مثنوی وغیرہ مسئول شدہ سر بجیب رفتے و فرمودے کہ مصنف معنی آں چنیں فرمود۔

میرے دادا محترم سید عبداللطیف ذوقی سے جب کبھی مثنوی وغیرہ کے دقیق مباحث کی تشریح کے لیے کہا جاتا تو آپ مولانا روم کی جانب متوجہ ہوتے اور مراقبہ فرماتے۔ اس کے بعد فرماتے: مولانا روم نے اس کے یہ مطالب اور معانی بیان کئے ہیں۔

مولانا روم اپنی طویل اور مبسوط مثنوی میں واقعات، حکایات، تمثیلات، اشارات، کنایات، تشبیہات اور قیاسات کی روشنی میں تصوّف کے ان گنت مسائل بیان کئے ہیں اور آپ کی ذاتِ گرامی سے ایک ایسا چشمہ صافی رواں دواں ہے کہ آج تک بھی علمائے ظاہر اور علمائے باطن مثنوی سے استفادہ اور استدلال قائم کر رہے ہیں۔ یہ خود اپنی جگہ مولانا روم سے علمی و روحانی فیض کی ایک روشن دلیل ہے۔

مولانا روم کے کلام کو فقیر کے کشکول اور درویش کی گدڑی سے تشبیہہ دی جائے تو شاید غلط تعبیر نہ ہوگی۔ جس طرح ایک فقیر کے کشکول میں کھانے کی مختلف قسمیں جمع رہتی ہیں اور ایک درویش کی گدڑی میں مختلف پیوند لگے رہتے ہیں اسی طرح مولانا روم کے کلام میں قرآن، حدیث تفسیر، فقہ، اصول، فلسفہ، تاریخ، کلام

سیر، تصوّف اور عصریت سب کچھ موجود ہے۔

مولانا روم نے اپنی مثنوی میں جن گوشوں اور پہلوؤں کو نمایاں کیا ہے ان میں سے بعض کا تعلق خواص سے ہے اور بعض کا تعلق اخص الخواص سے ہے۔ اور بعض کا تعلق عوام الناس سے ہے۔ ان تمام جہتوں اور سمتوں کا رخ کرنا ایک مشکل مرحلہ ہے۔ لہٰذا ان میں سے صرف ایک پہلو کی جانب روئے قلم ہے۔

مولانا روم نے انسان کو انسانیت و آدمیت سے آراستہ اور پیراستہ کرنے کے لیے جو ہدایتیں اور نصیحتیں کی ہیں ان میں سے ایک کلیدی نصیحت یہ ہے کہ آدمی اپنے اندر شہوت اور تکبر کو جگہ نہ دے۔ اگر یہ دو خصلتیں کسی کے اندر جمع ہو جائیں تو اس کے اثر سے سارے گناہوں اور مفاسد کا ظہور ہوگا۔ فرماتے ہیں: ؎

نے بوقت شہوت باشد عشار — کہ رود عقل چو کوہت کاہ وار

تا توانی بندہ شہوت مشو — در پے شہوت مکن را گرو

ورنہ شہوت خان و مانت بر کند — زندہ آت در گور تاریک افگند

غلبۂ شہوت کے وقت تیری پہاڑ جیسی عقل بھی تنکا کی طرح ہو جائے گی۔ جہاں تک ہو سکے شہوت کا غلام نہ ہو جا۔ اور شہوت کے پیچھے اپنے دل کو گروی نہ رکھ۔ ورنہ شہوت تیرا گھر بار برباد کر دے گی اور تجھے زندہ قبر میں پہنچا دے گی۔

مثنوی کے دفتر اول میں "مقصود حکایت در فضیلت آخر زمانیاں" اور دفتر چہارم میں "تزئیف سخن ہامان با فرعون علیہ اللعنۃ" کی ذیلی سرخی کی تحت فرماتے ہیں: ؎

مشرق و مغرب چوں تو بس دیدہ اند — کہ سر ایشاں زتن ببریدہ اند

مشرق و مغرب کہ نبود برقرار — چوں کنند آخر کسے را پائیدار

اے خنک آں راکہ ذلت نفسہ — وائے آں کز سرکشی شد چوں کہ او

ایں تکبر زہر قاتل دان کہ ہست — از مئے پُر زہر گشت آں گیج و مست

گر نہ زہر است آں تکبر پس چرا — کُشت شہ را بے گناہ و بے خطا

عقل از سر بنہد و باد! — چوں شنید انجام فرعوناں و عاد

اے فرعون! مشرق و مغرب نے تجھ جیسے بے شمار بادشاہوں کو دیکھا ہے، جن کے سر دھڑ سے جدا کر دیئے گئے۔ مشرق و مغرب ہی پائیدار نہیں ہیں تو وہ کسی کو کیا پائیداری بخش سکتے ہیں۔ جو شخص تکبر اختیار نہ کرے تو وہ قابلِ مبارک باد ہے۔ افسوس تو اس شخص پر ہے جو غرور تکبر سے پہاڑ کی طرح بن گیا ہے۔ تکبر کو سم قاتل سمجھ۔ یہ زہر بھری شراب آدمی کو بدمست اور احمق بنا دیتی ہے۔ اگر تکبر جنونی زہر نہیں ہے تو پھر کیوں ایک بادشاہ دوسرے بادشاہ کو بے خطا اور بے گناہ ختم کر دیتا ہے۔ عقل مند شخص قوم عاد اور فراعنہ مصر کا

انجام سن لے گا تو اپنے دماغ میں تکبر و غرور کو جگہ نہ دے گا۔

حاصل کلام!

مولانا روم کی شخصیت اور ان کے علم و عرفان کی جہتوں اور گہرائیوں اور گیرائیوں کا احاطہ اس مختصر مقالہ میں ایک مشکل امر ہے۔ یہ تو بس چند تعارفی و تعریفی کلمات ہیں۔ جن کے ذریعہ بارگاہ رومی علیہ الرحمہ میں نذرانۂ عقیدت پیش کرنے کی ایک طالب علمانہ سعادت ہے۔

میں اس سمینار کے منتظمین اور سامعین کا شکریہ ادا کرتے ہوئے اپنی جگہ لیتا ہوں۔ ؎

سینہ روشن ہے تو ہے سوز سخن عین حیات
ہو نہ ہو روشن تو سخن مرگِ دوام اے ساقی

○

نعتِ شریف

علیمہ صبا نویدی

چوٹ کھایا ہوا ہے سر آقا
دیجئے مرہم نظر آقا
ظلمتیں پاؤں پاؤں لپٹی ہیں
آپؐ سے دور الحذر آقا
اپنے ہاتھوں سے یا ہاتھ دیجے
زخم ہیں زخم، زخم تر آقا
آپ کی قربتوں میں لے لوں سانس
زندگانی ہو مختصر آقا

آپؐ نے دی ہے زندگی کی بھیک
پھول پھلنے کہاں شجر آقا
روز و شب آپؐ آتے جاتے رہیں
رو برو ایسا بھی ہو گھر آقا
آپؐ کی رہبری ہے نورانی
اب کے مشکل نہیں سفر آقا
پتلیوں نے شہادتیں دی ہیں
جسم و جاں میں ہیں جلوہ گر آقا
آپؐ کی بس نظر ہی کافی ہے
کیا کروں خود کو جان کر آقا





ٹملناڈو میں تصوّف کی اشاعت اور اس کا فروغ

علیم صبا نویدی

ٹملناڈو میں اہلِ عرفان زمانۂ قدیم ہی سے اسلام و عرفان کی روشنی پھیلاتے آرہے ہیں۔ اس علاقہ میں ہمیں یہ روشنی صحابۂ کرامؓ ہی کی آمد کے باعث ملی۔ یہ ہماری خوش نصیبی ہے کہ اس سرزمین میں حضرت عکاشہؓ، حضرت تمیم انصاریؓ حضرت مالک بن دینارؓ جیسے جلیل القدر صحابۂ کرامؓ کے قدوم بابرکات پڑے اور ایک عالم اسلام و عرفان سے پُر نور رہوا۔ حضرت عکاشہؓ نے محمود بندر کو حضرت تمیم انصاریؓ نے مدراس کے قریب ساحل سمندر کے کنارے ایک قریہ کولم شریف کو اور حضرت مالک بن دینارؓ نے ساحلِ ملیبار کو پسند فرمایا۔ ان میں حضرت تمیم انصاریؓ سے متعلق اختلاف ہے کہ آیا وہ باحیات یہاں پہنچے تھے یا اُن کا جسدِ مبارک دریا کی موجوں پر سوار یہاں پہنچا تھا۔ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کیونکہ حضرت کے ہمراہ آنے والی شخصیات بھی مبارک و باسعادت تھیں جن کے باعث حضرت تمیم انصاریؓ کی روحِ پاک کی برکات اس علاقہ کو نصیب ہوئیں۔ ان کی آمد کے باعث عرب علماء اور تجار قافلہ در قافلہ جنوبی ہند کی طرف مائل ہوے اور یہاں اسلام تیزی سے اشاعت پذیر ہوا۔ یہ لوگ بحری راستوں سے جنوبی ہند کی بندرگاہوں پر اُترے اور اطراف و اکناف کے شہروں میں سکونت پذیر ہوے۔ غالباً ہندوستان کی سرزمین پر جنوبی علاقوں کا نصیب زیادہ اچھا تھا یہ مثال دیگر علاقوں میں نہیں ملتی۔ چولا دورِ حکومت میں عبداللہ بن انور نامی ایک اسلامی مبلغ نے ترچناپلی کو اپنا مستقر بنایا۔ اس دور میں ترچناپلی کا نام اُورے یُور (URAIYUR) تھا۔ یہ شہر چولاؤں کا پایہ تخت تھا۔ یہاں حضرت عبداللہ انور کی ایک تعمیر کردہ مسجد کے کھنڈرات آج بھی اُس دور کی اسلامی شان و شوکت کی گواہی دیتے ہیں۔ یہی شہر ایک مشہور ولی اللہ حضرت نطہر اولیا رعف طبلِ عالم بادشاہؒ کا مستقر بھی تھا۔ آخرالذکر بزرگ کے طفیل سے جنوب میں عرفانیات کی روشنی بڑی تیزی سے پھیلی موصوف بزرگ کی وفات ۶۷۳ھ مطابق 1274ء میں ہوی۔ ڈاکٹر شعیب عالم نے اپنی تصنیف ”عربک اینڈ پرشین

اِن سرندیپ اینڈ ٹمل ناڈو ARABIC and PERSIAN in SARANDIP and TAMIL NADU میں لکھا ہے کہ ۲۴۲ھ میں دو عرب مسلم عالم مالک الملک اور علی شاہ ٹمل ناڈو آئے اور مدورے میں مقیم ہوئے۔ اس وقت سُندر پانڈیا عرف "کن پانڈیا" کی حکومت تھی۔ ان دونوں بزرگوں نے دس سونے کے سکّوں کے عوض چھ گاؤں خریدے اور وہاں مسلم آبادی وقوع پذیر ہوئی۔ مروانا سندر پانڈیا دوم کے دورِ حکومت (۶۳۲ھ تا ۶۴۹ھ م 1238ء تا 1251ء) میں لوگوں نے بلا جبر و استبداد اپنی مرضی سے اسلام قبول کیا جس کی کہیں مثال نہیں ملتی۔ یہاں ستّار (SITTAR) نامی خاندان دانشوروں، عالموں، طبیبوں پر مبنی تھا، جن میں بڑی تعداد میں لوگوں نے اسلام قبول کیا۔ ان میں سے ایک مشہور شخصیت یعقوب ستّار کی ہے جن کا نام قبلِ اسلام "راما دیوا" تھا۔ جنوب میں ان بزرگوں کی آمد ہی کے بعد شمال اور سندھ میں عرب مؤرخین و تاجرین کی آمد کا سلسلہ قائم ہوا۔ ۱۳۰۰ھ مطابق 1882ء میں ابن بطوطہ نے جنوبی ہند کا سفر کیا اور ساحلِ ملبار سے ملحقہ علاقوں کا گہرا جائزہ لیا۔ اس نے دیکھا کہ عرصہ دراز ہی میں یہاں اسلام کی روشنی پہنچ چکی تھی۔ یہاں نہ صرف غیر مسلموں نے اسلام قبول کیا بلکہ انہوں نے آگے چل کر حکومت کی باگ ڈور بھی سنبھالی تھی۔ ان میں کئی سلاطین تھے، جن کے سکّے رائج الوقت تھے۔

تاریخ کی مختلف کتب اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہیں کہ عرب ہند تعلقات ان علاقوں میں تجارتی تھے۔ جو آگے چل کر مذہبی و علمی صورت بھی اختیار کر گئے۔ آج سے تقریباً ایک ہزار سال پیشتر ہی قرآن پاک کے تراجم مقامی زبانوں میں کئے گئے تھے۔ حضرت سید سلیمان ندویؒ نے بھی بہت سے عرب ملاحوں اور عراقی النسل ملاحوں کی ان علاقوں میں آمد کی طرف اشارہ کیا ہے۔ انہوں نے اپنے تذکرے میں شہر منصورہ کے بادشاہ عبداللہ اور الور (الرا) کے راجہ کے درمیان (۲۷۰ھ م 883ء) میں تعلقات کا ذکر کیا ہے۔ عبداللہ نے اس راجہ کو اسلام کی دعوت دی تھی۔ اسی دور میں قرآن شریف کا ہندوستانی زبان میں ترجمہ کیا گیا۔ عرب ہندوستان کو بغرض تجارت پسند کرتے تھے۔ وہ براہِ راست ہندوستان نہیں آتے بلکہ دنیا کے دیگر ممالک مثلاً ایران، ترکی فلسطین، مصر، یمن، شام، عراق ہوتے ہوئے ہندوستان کی طرف مائل ہوتے تھے۔ مگر جب وہ ہندوستان کی سرزمین پر قدم رکھتے تو انہیں یہاں ایک طرح کی جاذبیت محسوس ہوتی اور ان میں سے اکثر لوگ ہندوستان ہی کو اپنا مستقر بنا لیتے تھے۔

شمال کے مدبرین اور صوفیائے کرام نے خصوصی طور پر محمد بن تغلق کے دور میں جنوبی ہند کے ٹمل، تلگو اور ملیالم بولنے والے علاقوں کا جائزہ لیا۔ حضرت امیر خسروؒ (خلیفۂ حضرت محبوب الٰہی خواجہ نظام الدین اولیاءؒ) نے اپنے سفر نامے میں ٹمل علاقوں میں مسلمانوں کی بود و باش کا ذکر کیا ہے۔ آپ نے ملیبار کے سلسلہ میں

ایک شعر بھی قلمبند کیا ہے:

بہ بے نیازئ او کعبہ خستہ و خوار است بیاد بیں کہ خرابش چوں ملیبار است

۸۰۰ھ م 1397ء میں تیمور لنگ نے ہندوستان پر حملہ میں دہلی کو تاخت و تاراج کیا تھا۔ اس وقت مسلمان صوفیا، علماء اور عارفین میں انتشار پیدا ہوا اور بہت سوں نے مختلف علاقوں میں پناہ لی اور سکونت اختیار کی۔ تغلق خاندان کے آخری تاج دار سلطان ناصر الدین محمود نے تیمور کے ساتھ سخت مقابلہ کیا۔ مگر شکست پائی۔ اسی دور میں امام الاولیاء سید السادات حضرت مخدوم سید محمد حسینی گیسو درازؒ (خلیفہ حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلویؒ المتوفی ۸ ر ماہ رمضان المبارک ۷۵۷ھ م 1356ء) دہلی میں سجادہ نشین تھے۔ انہوں نے مجبوراً دہلی کو خیر باد کہا اور دکن کی طرف رجوع کیا۔ (سلطان فیروز شاہ بہمنی نے حضرت گیسو دراز سے گلبرگہ میں سکونت پذیر ہونے کی درخواست کی جو قبول کرلی گئی۔ آپؒ نے اپنی عمر کا بیشتر حصہ گلبرگہ میں گزارا اور گلبرگہ آپؒ کے طفیل سے "گلبرگہ شریف" سے موسوم ہوا۔ (آپؒ نے ایک سو سال کی عمر میں ۱۶ ر ذی قعدہ ۸۲۵ھ 1421ء کو وفات پائی۔)

دہلی سے ہجرت کے موقعہ پر حضرت گیسو درازؒ نے بہت سے صوفیا و کرام سے بھی درخواست کی کہ وہ دکن کو ترجیح دیں۔ کیوں کہ دکن اشاعتِ اسلام کے لیے بہت ہی موزوں قطعۂ زمین تھا۔ یہ دور سلطان فیروز شاہ بہمنی کا دور تھا۔ اس رحم دل سلطان کی نظر عنایت ان اولیاء و صوفیاء کی قدر شناس تھی۔ اس نے بڑے خلوص سے ان نورانی شخصیات کا خیر مقدم کیا۔ "تاریخ فرشتہ" میں ملّا محمد قاسم نے بھی یہ اطلاع دی ہے کہ بہمنی سلاطین میں محمود شاہ، السنۂ مشرقیہ میں مہارتِ تامّہ رکھتا تھا۔ وہ بڑا فیاض بھی تھا۔ اسی کی دعوت پر حضرت خواجہ حافظ شیرازی بھی دکن آئے تھے اور اسی مٹی کو اپنے قدم رنجہ ہونے سے نور بخشا۔) حضرت گیسو دراز کے طفیل سے دکن میں سلسلۂ چشتیہ کا آغاز ہوا۔ (ٹمل ناڈو اور مکمل جنوب میں قادریہ سلسلہ کے بعد اگر کوئی سلسلہ بہت زیادہ مقبول ہوا تھا تو وہ چشتیہ سلسلہ ہی تھا۔ حضرت گیسو درازؒ اس سلسلہ کے اہم ترین کڑی تھے۔) مذکورۂ بالا تذکرہ میں کئی بزرگ ہستیاں سلاسل اربعہ کے خرقہ پوش و دستار بند تھے۔

ٹمل ناڈو میں عرفان و اسلام کی ترویج کی تاریخ کسی ایک دور سے مخصوص نہیں بلکہ اس کا سلسلہ مختلف ادوار پر پھیلا ہوا ہے اور آج بھی یہ سلسلہ جاری ہے۔ عادل شاہی اور قطب شاہی ادوار میں بڑی تعداد میں علمی و دینی خانوادے جنوبی ہند میں ہجرت کر کے یہاں سکونت اختیار کر گئے۔ انہوں نے ٹمل ناڈو میں مدراس، آرکاٹ، ویلور، ترپاتور، سیلم، کرشنا گری، تنجاؤر وغیرہ میں مستقل طور پر اپنی خانقاہوں کے قیام کے ذریعہ ترویجِ مذہب و طریقت میں انہماک ظاہر کیا۔ ان عظیم المرتبت بزرگانِ دین میں ہمیں سینکڑوں نام

ملتے ہیں۔ جن میں خصوصی طور پر حضرت نور قادری ویلوری، حضرت ٹیپو اولیاءؒ، حضرت قادر ولی گنج سوائی ناگوری، حضرت شیخ سلطان ابراہیم شہیدؒ، حضرت عبدالحق مخدومؒ ساوی، حضرت ابوالحسنؒ قربی ویلوری، حضرت سید موسیٰ قادری، سید تراب علی شاہ احمدؒ قادری، حضرت سید کریم اللہ شاہؒ قادری، حضرت سید رحمت اللہ شاہ قادری، حضرت سید فضل اللہؒ قادری اور خانقادۂ صبغۃ اللہ تاجپوری کے بزرگان حضرت سید شاہ صبغۃ اللہ الحسینیؒ والقادری اور خانوادۂ نائب رسولؐ کے بزرگ جانشین حضرت سید روح اللہؒ حسینی القادری (سلسلۂ اولیاء کرام کے خانوادہ ہے۔) وغیرہم نے طریقتی، عرفانی اور اسلامی ترویج کے دھارے کو ہمیشہ جاری وساری رکھا اور ایک عالم کو سیرابی بخشی۔ آج بھی ٹمل ناڈو کے چپے چپے میں ان بزرگانِ اہلِ عرفان اور اہل اللہ کی روحانی برکتوں کی خوشبو مہکاتی دکھائی دیتی ہے۔

تصوّف اور عرفان کی ایک طویل تاریخ ہے۔ جس کا سلسلہ حضور پُرنور صلے اللہ علیہ وسلم سے جاملتا ہے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کی ترویج واشاعت آپؐ کے صحابہؓ کرام نے کی۔ خصوصی طور پر حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے ہوتا ہوا یہ سلسلۂ نور برابر جاری وساری ہے اور آج تک یہ سلسلہ منقطع نہیں ہوا ہے۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ اَنَا مَدِیْنَۃُ الْعِلْمِ وَعَلِیٌّ بَابُھَا (میں علم کا شہر ہوں اور علی اس کے صدر دروازہ ہیں۔)

جس علم کی طرف حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے اشارہ کیا ہے، وہ علمِ معرفت ہے۔ اسی علم سے اللہ جل شانہٗ کی ذات سے ہمیں آگاہی نصیب ہوتی ہے۔ معرفت کی ترویج میں حضرت سید محی الدین شیخ عبدالقادرؒ جیلانی کی ذاتِ بابرکات نے بہت عظیم کردار نبھایا ہے اور آپؒ سے قادریہ سلسلہ شروع ہوا اور تقریباً تمام عارفین اسی سلسلہ کو سب سے زیادہ اہمیت دیتے ہیں۔ آپؒ نے بغداد شریف کو جو عظمت بخشی وہ کسی سے چھپی نہیں ہے۔ بغداد انسانی تہذیب وتمدن کا گہوارہ بنا۔ اسی شہر میں حق وباطل کے معرکوں کی ایک الگ تاریخ ہے۔ یہ شہر صدیوں سے روحانیت کا ایک عظیم مرکز قرار پایا ہے۔ آٹھویں صدی عیسوی میں ابوجعفر المنصور بنو عباس کے خلیفۂ دوم تھے۔ جنہوں نے اس شہر کی بنیاد ڈالی۔ جس وقت یورپی ممالک ایامِ جاہلیت سے دوچار تھے، یہ شہر سیاسی، ثقافتی، علمی، ادبی وروحانی حیثیت سے بہت عروج پر تھا۔ اور اس نے ایک عالم کو منور کیا۔ بارھویں صدی عیسوں میں اس سرزمین کو حضرت عبدالقادرؒ جیلانی کے طفیل سے نئی روشنی ملی اور ظاہری علوم کے ساتھ باطنی علوم کو بھی ترویج واشاعت شروع ہوی۔

حضرت غوثِ اعظمؒ طبرستان کے صوبہ میں مقام گیلان (جیلان) میں "نیف" نامی ایک گاؤں میں رمضان المبارک ۴۷۰ھ م 1077ء میں پیدا ہوے۔ آپ کے والد ماجد کا نام حضرت ابوصالحؒ

اور والدہ کا نام حضرت فاطمہ اور کنیت ام الخیر امۃ الجبار ہے۔ آپؒ کی والدہ حضرت عبداللہ الصعومی الزاہد الحسینیؒ کی دختر تھیں۔ حضرت غوث اعظم کا سلسلۂ نسب یوں ہے: ابو محمد محی الدین عبدالقادرؒ بن ابی صالح جنگی دوستؒ بن موسیٰؒ بن ابوعبداللہؒ بن یحییٰؒ زاہد بن موسیٰ ثانیؒ بن عبداللہ ثانیؒ بن موسیٰ الجونؒ بن عبداللہ المحضؒ بن حسن المثنیٰؒ بن حضرت ابو محمد حسنؓ بن امیر المومنین حضرت علی بن ابی طالب رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین۔
آپؒ اپنی والدہ کی جانب سے بھی حسینی سید ہیں جس کا سلسلہ پندرہ واسطوں سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے جا ملتا ہے۔

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ خلیفۂ حضرت شیخ ابوسعید المخزومیؒ، خلیفۂ حضرت ابوالحسن علی ہکاریؒ، خلیفۂ حضرت شیخ ابوالفرح طرطوسیؒ خلیفۂ طرطوسیؒ خلیفۂ حضرت شیخ الواجد ابوالفضلؒ خلیفۂ حضرت جنید ابوالقاسمؒ خلیفۂ حضرت ابوبکر شبلیؒ خلیفۂ حضرت جنید بغدادیؒ خلیفۂ حضرت سری سقطیؒ خلیفۂ حضرت معروف کرخیؒ خلیفۂ حضرت امام موسیٰ کاظمؒ خلیفۂ حضرت امام محمد باقرؒ خلیفۂ حضرت امام زین العابدینؒ خلیفۂ حضرت علی کرم اللہ وجہہ۔ اس بات کا یہاں ذکر بہت ضروری ہے کہ اہل معرفت وطریقت نے بڑے پیمانے پر دو عظیم شیوخ رحمہم اللہ سے استفادہ کیا ہے اور حسب ضرورت ان کے اقوال کے حوالے دینے کا رواج پایا جاتا ہے۔ ان دونوں شیوخ کی تصنیفات کی تعلیم ان کے ہاں بہت ضروری ہے۔ کیوں کہ ان شیوخ نے بڑی گہرائی سے تصوف کے اسرار و رموز پر روشنی ڈالی ہے۔ انہوں نے قرآن وحدیث کی روشنی میں ایک ایک بات کی توضیح و تشریح کی اور جہاں بھی ضرورت پڑی حکایات اور اشارات سے کام لے کر مافی الضمیر کو لوگوں پر آشکار کیا۔ ٹمل ناڈو کے عارفین بھی انہیں دو بزرگوں سے بہت زیادہ متاثر ہوے۔
یہاں کے علماء باطن اور اہل طریقت عربی اور فارسی زبانوں میں حد درجہ درک رکھتے تھے۔ شمالی ہندوستان سے جب بھی کسی بزرگ شخصیت نے جنوب کا قصد کیا تو پہلے وہ اس بات سے قطعی نابلد ہوتے کہ جنوب میں ایسی شخصیتیں موجود ہیں، جن کے ہاں عربی وفارسی کا عام چلن ہے۔ ایک واقعہ کی طرف یہاں اشارہ لازمی ہے۔

مولانا ابوالجلال ندویؒ ایک طویل عرصے تک مدراس اور مضافات میں رہ چکے ہیں۔ مولانا موصوف کی شخصیت خود علم کا ایک موج مارتا ہوا سمندر تھی۔ مولانا کے تعلقات جنوب کے عظیم ترین اہل علم وفضل سے بہت گہرے تھے۔ وہ جب بھی شمال کا سفر کرتے تو وہاں کے اہل علم کو تنبیہ ضرور کرتے کہ اگر کبھی تمہارا گزر جنوب کی طرف تو وہاں کے اہل علم سے ذرا سنبھل کر ہی گفتگو کرنا۔ یہ نہ سمجھنا کہ ان کے پاس کچھ نہیں ہے۔ ان میں سے اکثر شخصیات سے میں خود بہت متاثر ہوں۔ خصوصاً مولانا ندوی دو عظیم شخصیتوں کی طرف اشارہ کرنے سے نہیں چوکتے تھے۔ ان میں پہلی شخصیت حضرت ابوصالح محمد غضنفر حسین شاکر صاحب عرف شاکر نائطی کی تھی جن سے پورا جنوب متاثر تھا۔ جن کی عربی و فارسی استطاعت کا لوہا حضرت مولانا حسین احمد مدنی نے مانا ہے اور سراہا ہے۔ آپ کے شاگردوں کی سینکڑوں پر مشتمل ہے جو ہندو پاک میں پھیلے ہوے ہیں۔ مولانا شاکر نائطی جامعہ دارالسلام عمرآباد میں شیخ الادب تھے۔ آپ کی ادارت میں

مجلہ "مصحف" ماہنامہ ایک طویل عرصے تک جاری رہا۔ جیسے ابوالکلام آزاد کے "الہلال" اور "البلاغ" کا ہم پلّہ قرار دیا جاتا تھا۔ ملک کے بڑے بڑے ادیب وشاعر مصحف کے صفحات پر دکھائی دیتے تھے جس میں ملا رموزی، کوثر چاندپوری اور ماہر القادری جیسی شخصیات کی تحریریں بلا ناغہ اشاعت پذیر ہوتی تھیں۔ آپ نہ صرف صاحبِ علم وفضل تھے بلکہ ایک بہت عظیم عارف اور اہل اللہ بھی تھے۔ آپ کو سلسلۂ قادریہ، چشتیہ، نقشبندیہ، سہروردیہ وغیرہم میں خلافت بھی حاصل تھی۔ آپ حضرت خواجہ علیم اللہ شاہ چشتی قادری، نقشبندی، سہروردی کے لقب سے معروف تھے۔ آپ حضرت خواجہ حبیب اللہ شاہ قادری، چشتی، نقشبندی سہروردی کے خلیفہ تھے۔ آپ سے ظاہری علوم میں جس قدر نوجوانوں نے استفادہ کیا اس سے کہیں زیادہ لوگوں نے آپ سے باطنی فیوض حاصل کئے ہیں۔ آپ کے دستِ مبارک پر لاتعداد لوگوں نے بیعت کی اور آپ کے خلفاء کی بھی ایک طویل فہرست ہے۔ ایک عرصہ تک مولانا ابوالجلال ندوی آپ کے ہم مشرب وہم پیالہ رہے۔ ایک دوسری شخصیت مولانا رحیم احمد فاروقی آزاد کی ہے۔ جو مدراس محامڈن کالج میں اردو اور فارسی کے پروفیسر تھے۔ اردو اور فارسی میں مولانا کو اتنا درک حاصل تھا کہ ان کے مقابل میں شمال کے ادبا وشعرا بھی زیادہ دیر ٹھہر نہیں پاتے تھے۔ لوگوں کو حیرت ہوتی تھی کہ مولانا سے مل کر کوئی یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ وہ خالص جنوب سے تعلق رکھتے تھے۔ گفتگو اور تحریر کی زبانوں کا اگر کسی کو لطف لینا ہو تو وہ مولانا فاروقی کی طرف رجوع کرتا۔ آپ کے بھی بے شمار شاگرد ہیں جن میں اکثر چوٹی کے شاعر ہیں۔ پروفیسر محبوب پاشا محبوب اور حضرت کاوش بدری ان کے خاص شاگرد ہیں۔ جس طرح مولانا شاکر نائطی (جن کی تبحر علمی کا اعتراف خود نیاز حیدر نے قیامِ مدراس کے دوران کیا ہے) کے نامور شاگردوں میں مولانا اسمٰعیل رفیعی، مولانا یوسف کوکن، پروفیسر عظمت اللہ سروری اور حضرت دانش فرازی جنوب میں ممتاز مقام و مرتبہ رکھتے ہیں اسی طرح مولانا فاروقی کے شاگرد شعراء نے بھی اپنا سکۂ استطاعت جاری کیا اور ایک دور پر حکومت کی۔

غرض جنوب کے ان تمام بزرگوں کی عظمت کا اصل راز نہ صرف ان کی تبحرِ علم ہے بلکہ ان کی شخصیتیں خود بڑی قدسی و ملکوتی تھیں۔ ان کے علم کی طرح ان کا عمل بھی بہت نشستہ وشائستہ تھا۔ عربی وفارسی میں استطاعت حاصل کرنا ان بزرگوں کا اولین فریضہ تھا۔ کیوں کہ انہی دو زبانوں میں انہیں علم ظاہری وعلم باطنی سے تعلق رکھنے والی بے شمار کتابیں دستیاب ہو سکتی تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ جنوب میں ابن عربی اور مولانا روم کی تصنیفات مدراس کے نصاب کا اہم ترین حصہ ہوتی تھیں۔ دارالعلوم لطیفیہ حضرت مکان ویلور سے سیراب ہونے والے طلبا ملک کے جید علماء ثابت ہوئے ہیں۔ خود مولانا شاکر نائطی اسی مدرسہ کے فیض یافتہ ہیں۔ اس مدرسہ میں ابن عربی کی کتب، مولانا روم کی مثنوی، دیوان حافظ، کتبِ سعدی شیرازی نصاب میں شامل ہیں۔ اس کی اہم وجہ یہ ہے کہ خاندانِ اقطابِ ویلور کی زندہ جاوید شخصیات تمام کی تمام انہی کتب کے ذریعہ عربی وفارسی میں مہارتِ تامہ حاصل کی تھیں۔ اس خاندان کے بزرگوں نے تقریباً پونے تین سو برس ویلور ہی

میں شمع ہدایت وفضل جلائے رکھی۔ جس کی روشنی سے ایک عالَم کو ضیاء باش کیا۔ جنوب میں حقیقی علم و فضل کی لذتوں سے عوام کو روشناس کرنے والی یہی شخصیات تھیں۔ انھوں نے تحریر و تقریر و تنویر کے ذریعہ علوم ظاہری و باطنی کی شمعوں کو بھی بجھنے نہ دیا۔ یہیں سے باقرؔ آگاہ، حضرت ذوقیؔ، حضرت قربیؔ، حضرت محویؒ، حضرت سید محمدؒ قادری، حضرت مکّیؒ جیسے بزرگوں کی تحریروں نے چار دانگِ عالم میں ایک تہلکہ مچا دیا اور جنوب کی یہ شعاعیں ہند و فارس و عرب کے کونے کونے تک پہنچیں اور لوگوں کا قافلہ جوق در جوق جنوب کی طرف مائل ہونا شروع ہوا۔ آج بھی اس دار العلوم کا فیض جاری ہے۔ ہاں آج کل اس کی تپش میں قدرے کمی پیدا ہوگئی ہے مگر اس دھارے میں اب بھی ایک گونہ تیزی باقی ہے۔

ہم دیکھیں کہ مولانا روم سے یہاں کے عارفین کو شغف اور لگاؤ کیوں تھا اور کیوں ہے؟ اس کی اہم ترین وجہ یہی سمجھ میں آرہی ہے کہ مولانا کا انداز والہانہ اور فکر بڑی گہری ہے۔ ہر درجہ اور ہر رتبہ کے لوگوں کے لیے ان کے ارشادات میں کشش و جاذبیت پائی جاتی ہے۔ عارفین جب اپنے مریدوں کو تلقین کے لیے آمادہ کرتے تو انہیں سب سے زیادہ سہولت مثنوی روم ہی سے ملتی ہے۔ ہر نکتہ کی تفہیم کے لیے اس مثنوی میں مواد موجود ہے۔

مولانا روم کی شخصیت بہت بزرگ ہے۔ مولانا کی زندگی بذاتِ خود ایک عظیم مجاہدہ اور ریاضت رہی ہے۔ آپ کی عبادات صحیح عارف کی عبادات تھیں۔ جس میں اتنا انہماک ہوتا تھا کہ احساس تک نہ ہوتا کہ آیا اس کا اپنا کوئی وجود ہے کہ نہیں۔ مولانا سے متعلق ایک روایت یہ ہے کہ وہ عشاء کے بعد دو رکعت نفل کی نیت باندھتے تھے اور انہی دو رکعتوں میں صبح کر دیتے تھے۔ عارفین کا یہی شیوہ ہوتا تھا اور عارفین اس ریاضت کے دلدادہ تھے کیوں نہ عارفین کے ہاں مولانا کی عظمت نہ پائی جائے اور ان کی محبت میں وہ کیوں نہ گرفتار رہوں؟ خود مولانا نے اپنی نماز کی استغراقی کیفیت کو برملا ظاہر کر دیا ہے: ؎

بخدا خبر ندارم چو نماز می گذارم | کہ تمام شُد رکوعے کہ امام شُد فلانے
(بخدا مجھے نماز کی ادائیگی میں اس بات تک کی خبر نہیں ہوتی تھی کہ کب رکوع پورا ہوا اور کون اپنا امام ہے۔)

مولانا کی مثنوی نے مولانا کو حیاتِ جاوداں عطا کی ہے۔ اس کتاب کی مقبولیت اور اس کی ہر دلعزیزی اتنی بڑھی کہ تمام ایرانی تصانیف اس کے مقابلے میں ہیچ ثابت ہوئیں۔ ایران میں چار کتابوں کو جس قدر شہرت نصیب ہوئی اتنی کسی کو نہیں ہوئی۔ وہ ہیں شاہ نامۂ فردوسی، گلستانِ سعدی، دیوان حافظ اور مثنوی مولانا روم۔ ان تمام میں مثنوی کو دیگر کتب پر اس لیے فوقیت حاصل ہے کہ اس میں مولانا روم رموز و نکاتِ معرفت پر بھرپور نظر ڈالی ہے اور اس انداز سے نظر ڈالی ہے کہ ہر زمرہ و استعداد کا قاری اس سے گہر یاب ہو سکے۔

مولانا روم وحدت الوجود کے زبردست حامی ہیں۔ جو صوفیاء وحدت الوجود کے قائل ہیں ان کا کہنا ہے کہ

وجودِ مطلق ایک ہی ہے اور وہ وجوب، امکان، قدیم، حادث، مجرّد، جسمانی، مومن، کافر، طاہر، نجس مختلف مظاہر میں ظاہر ہے۔ لیکن ہر مظہر کا حکم جداگانہ ہے۔ ان مظاہر میں فرق کرنا بہت ضروری ہے اور ہر مظہر پہ ایک جداگانہ حکم لگانا لازمی ہے۔ طاہر پہ طہارت کا حکم ہے تو نجس پر نجاست کا، کافر کے کچھ احکام ہیں تو مومن کے احکام جداگانہ ہیں: ؎

ہر مرتبہ از وجود حکمے دارد　　گر فرقِ مراتب نہ کنی زندیقی

غرض مولانا روم کی وحدت الوجود کی تفہیم ہی سے وحدت الشہود کی تفہیم ہوتی ہے۔ مولانا نے جداگانہ طور پہ وحدت الشہود کی تفہیم نہیں کی ہے۔ عارفین نے اپنے اپنے طور پر وحدت الوجود کی تشریح کی ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ تمام موجودات عین ذاتِ حق ہیں۔ ممکنات کے تعیّنات اور تشخّصات محض ایک پردہ ہیں۔ بعض صوفیاء کے نزدیک وجود سے مراد مصدری معنیٰ نہیں ہیں۔ کیوں کہ وہ خارج میں موجود نہیں ہیں۔ معقولاتِ ثانیہ میں سے ہیں۔ جس کا وجود صرف ذہن ہی میں ہوتا ہے بلکہ وجود سے ان کی مراد مابہ الوجودیت ہے۔ حضرت حق جل مجدہ اپنے وجود اور ممکنات کے وجود میں غیر کا محتاج نہیں ہے۔ اس کی ذات خود اس کے وجود کی مقتضیٰ ہے۔

صوفیاء کا ایک گروہ وحدت الوجود کے قائل لوگوں کی باتوں کو سُکر اور استغراق کی حالت پر محمول کرتا ہے اور وحدت الوجود کی واقعیت سے انکار کرتا ہے اور کہتا ہے کہ بعض اوقات سالک کو وحدت الوجود کا احساس ہوتا ہے لیکن وہ نفس الامری نہیں ہے۔ مثلاً سورج کی روشنی میں تمام ستارے چھپ جاتے ہیں۔ ان کا چھپ جانا محض احساس ہے نفس الامری میں وہ ستارے موجود بھی ہیں اور روشن بھی تو جو لوگ جس کو وحدت الوجود کہتے ہیں وہ دراصل وحدت الشہود ہے۔ مگر یہ بحث کے لیے ان کی مثالیں ہیں مگر جو چیزیں بہ نظر معدوم ہیں غالباً وہ دراصل معدوم ہو بھی سکتی ہیں اور وحدت الوجود میں محض معدومیت ممکنات پر ہی نظر ڈالتے ہیں۔ وحدت الوجود کے مدعی وجودِ حقیقی اور ممکنات کی تشبیہ دریا اور اس کی موجوں اور بلبلوں سے یا رسّی اور اس کی گرہوں سے دیتے ہیں۔ ؎

گفتم از وحدت و کثرت سخنے گوئی بہ رمز　　گفت موج و کف و گرداب ہمانا دریاست

(میں نے کہا وحدت اور کثرت کو باتوں کو اشاروں میں بیان کر، اس نے کہا موجیں، جھاگ اور گرداب سب دریا ہی ہیں)

اسی بات کو مرزا غالب نے بھی اپنے طور پر کہا کہ: ؎

اصلِ شہود و شاہد و مشہود ایک ہیں　　حیراں ہوں پھر مشاہدہ کس حساب میں

ہے مشتمل نمودِ صُوَر پر وجودِ بحر　　یاں کیا دھرا ہے قطرہ و موج و حباب میں

حضرت مجدّد سرہندی سے قبل ہندوستان کے تمام صوفیاءِ کرام کے ہاں محض ابن العربی کا نظریۂ وحدت الوجود بہت مقبول تھا اور بعض صوفیاء نے اس میں اس قدر غلو کیا کہ وہ تقریباً دائرۂ اسلام سے خارج ہوتے دکھائی دیتے تھے۔

وحدت الوجود اور وحدت الشہود دونوں نظریات کو فلسفہ کہنا درست نہیں۔ فلسفہ من گھڑت نظریہ ہے۔ جس میں بہہ کر ہی لوگ اسلام کے دائرے سے خارج ہونے لگتے ہیں۔ مگر قرآن اور حدیث کی روشنی میں نظریہ حقیقی نظریۂ اسلام رہتا ہے۔ وہ فلسفہ نہیں بنتا۔ تذکرۂ غوثیہ میں دونوں فلسفوں کے فرق کو بخوبی اجاگر کیا گیا ہے۔ وجود جس کو کہتے ہیں وہ دراصل حقیقی ہستی واحد ہے۔ لیکن ایک ظاہر وجود ہے اور ایک باطن وجود۔ باطن وجود ایک نور ہے، جو تمام عالم کے لیے ایک جان کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس نورِ باطن ہی کا پرتو وجود ظاہر ہے۔ مثلاً امواج کی حیثیت عینِ ذاتِ دریا ہے: سُبْحَانَ الَّذِی خَلَقَ الْاَشْیَاءَ وَھُوَ عَیْنُھَا اور اس اعتبار سے کثرت کا وجود اسی حقیقتِ وحدت سے ہے: اَلْحَقُّ مَحْسُوْسٌ وَالْخَلْقُ مَعْقُوْلٌ یہی وحدت الوجود ہے۔

وحدت الشہود یہ ہے کہ کائنات کا وجود، مختلف صفات اور آثار کا ظہور واحدِ مطلق کی ذات وصفات کا ظل ہے جو عدم میں معکوس ہو رہا ہے اور یہ ظل واحدِ مطلق کا ضد نہیں ہے اور نہ وہ اس کا عین ہے۔ غرض وحدت الوجود "ہمہ اوست" کے نظریہ کا حامی ہے اور وحدت الشہود "ہمہ از وست" کا حامی ہے۔ شریعت میں ان مباحث میں پڑنے کی ممانعت ہے۔ مگر صوفیاء نے بحث نہیں کی بلکہ جو نظریہ ان کو حق سے جوڑتا ہے وہ اس میں بلا چوں وچرا منہمک ہو جاتے ہیں اور ان کا انہماک انہیں منزل رسی میں معاونت بھی کرتا ہے۔

قادریہ سلسلہ ہی کو عارفین نے بہت زیادہ اعتبار بخشا ہے اور تمل ناڈو کے اہلِ عرفان نے کم وبیش اسی سلسلہ سے نور حاصل کیا ہے۔ حالاں کہ سلاسلِ اربعہ کی توقیر واحترام میں انھوں نے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا ان بزرگوں میں سے ہم چند اہم بزرگوں پر ایک نظر ڈالتے ہیں اور ان کی پاکیزہ زندگی سے متعلق ہمیں جس قدر معلومات حاصل ہوئی ہیں ان کی تلخیص یہاں پیش کرنے کی جسارت کرتے ہیں۔ اپنی سہولت کے لیے ہم نے مقامات کے تعیّن سے ان بزرگوں کو لیا ہے کیوں کہ اس حیثیت سے ہم اس مقالہ کو تاریخ وار تذکرہ سے جداگانہ انداز دے پائیں گے اور زیادہ سے زیادہ بزرگوں کا احاطہ کر پائیں گے۔ ان بزرگوں نے محض وحدت الوجود ہی کو قبول کیا اور اسی میں زیادہ دلچسپی ظاہر کی۔

حضرت اویس ابن عامر القرنی رضی اللہ عنہ

ڈاکٹر الٰہی فدائی



نام و نسب : آپ کا اسم گرامی اویس اور کنیت ابو عمرو ہے۔ آپ کے والد عامر بن جزء بن مالک بن عمرو بن سعد بن عصوان بن قرن ہیں۔ قرن ابن رومان قبیلۂ مراد (یحابر بن مالک) کے فرد فرید تھے۔ جن کی طرف منسوب ہو کر اویس قرنی کہلائے۔

حضرت اویس قرنی اپنے والدین کے اکلوتے فرزند تھے۔ عامر ابن جزء کے گھر کے یہ چراغ بھی بڑی آرزوؤں اور مدتوں کے بعد روشن ہوا تھا۔ عامر محنت کش آدمی تھے۔ اپنی گاڑھی کمائی سے بیوی اور بچے کا پیٹ پالتے اور ہمیشہ اہلِ خانہ کو خوش و خرم رکھنے کی کوشش کرتے تھے۔ انہیں اپنے نورِ نظر سے بے حد پیار تھا۔ اس معصوم کی وجہ سے گھر کا سارا ماحول مسرور و شادماں تھا۔ انہیں خوش باشیوں میں شب و روز تیزی سے گزر رہے تھے۔ کہ اچانک پردۂ غیب سے عامر کو دار بقا کی طرف کوچ کرنے کا حکم مل گیا۔ دفعتاً خوشیاں غموں میں بدل گئیں گھر کے در و دیوار یکلخت تاریک ہو گئے جیسے شمع محفل کو ہوائے تند و تیز نے بجھا دیا ہو۔ ایسی قیامت خیز گھڑی میں اس نونہال پژمردہ پودے کو ماں کے دستِ شفقت نے تازگی بخشی۔ ماں کی ممتا نے اس ٹمٹماتے دیئے کو گل ہونے سے بچا لیا۔

اویس ابنِ عامر اپنی والدہ کے زیرِ سایۂ عاطفت میں پلے بڑھے اور گبرو جوان ہوئے۔ وہ بچپن سے اونٹ چراتے اور محنت کرتے اور اس کی مزدوری ماں کے ہاتھوں میں تھما دیتے تھے۔ اویس ماں کو اپنی جان سے زیادہ عزیز رکھتے تھے۔ ان کی زبان ماں کے اوصاف گنگناتے ہوئے تھکتی نہیں تھی۔ ماں کی محبت ان کی سانسوں میں رچ بس

گئی تھی۔ ماں کو کبھی دردِ سر ہو جاتا تو اُن کا سارا وجود متاثر ہوتا۔ ماں کے سرہانے بیٹھ کر سر دباتے رہتے یہاں تک کہ ماں کی آنکھ لگ جاتی۔ ان کے خواب بیدار ہوتے اور وہ اطمینان سے نیند کی آغوشِ راحت میں پناہ لے لیتیں۔

انہیں دنوں ریاض الجنتہ مدینتہ الرسول صلے اللہ علیہ وسلم سے ایمان و توحید کی عطر بیز تیز ہوائیں چلیں اور چاروں طرف پھیل گئیں۔ نسیم سحری نے اس ایمانی پیغام کو اپنے دوش پر سنبھال کر بڑے ہی ادب و احترام سے یمن کی سرزمین پر پہونچایا۔ یمن کے قبیلے فوج در فوج دائرۂ اسلام میں داخل ہوتے گئے۔ انہیں قبیلۂ مراد کی شاخ قرن کے جواں سال شخص اویس بھی تھے۔ جن کا سارا وجود اپنی ماں کی محبت میں شرابور رہتا تھا۔ اویس کو پہلی بار احساس ہوا کہ وہ ذاتِ اقدس جن کے عظیم اخلاق و اوصاف، بلند فضائل و شمائل اور اعلیٰ کردار و اقدار کا ذکرِ پاک ان کے کانوں میں رس گھولتا رہتا ہے۔ ماں کی ممتا اور اس کی پُر خلوص چاہت سے اعلیٰ و ارفع ہے۔ پھر جب اویس کے دل میں اس ذاتِ بابرکات سے ملاقات کی شدید خواہش نے جنم لیا تو ان کی روح ماہیٔ بے آب کی طرح تڑپنے لگی جس کے آثار چہرے بشرے ہی سے نہیں، ان کے قول و فعل، ان کی نشست و برخواست بلکہ انگ انگ سے منعکس ہو رہے تھے۔ ماں کی دور رس نگاہوں نے نورِ نظر کی بے تابی کو بھانپ لیا مگر چُپ رہیں۔ ایک دن شہر میں یہ خبر گشت کرنے لگی کہ عاشقانِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قافلہ فیض دیدار کے لیے مدینہ منورہ کو روانہ ہونے والا ہے۔ ماں نے لختِ جگر سے پوچھا: بیٹا! تم اپنے محبوب سے ملنے کے لیے جاؤگے نہیں؟ بیٹا جھینپ گیا۔ کہنے لگا:

ماں! میں آپ کو تنہا کس کے بھروسے پر چھوڑ جاؤں، میری جان! اے میری ماں! آپ کی خدمت اور آپ کی اطاعت میرا جزوِ ایمان ہے۔ میں آپ کے حکم سے سرتابی نہیں کروں گا۔ ایک مستجاب الدعوات بزرگ اصبغ بن زید جھنی (متوفی ۱۵۷ھ) کی روایت ابوبکر بن مالک (شیخ صاحب حلیتہ الاولیاء) نے نقل کی ہے کہ اویس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری سے ماں کی فرمانبرداری نے روک رکھا تھا۔ (انما منع اویساً ان یقدم علی رسول صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم برہ بامہ) مگر بعض روایتوں کے مطابق ان کی والدہ نے اپنے جگر گوشہ کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے شرفِ ملاقات کے حصول کی اجازت اس شرط پر دی کہ اگر حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ منورہ میں تشریف نہ رکھتے ہوں تو آپؐ کے انتظار میں وہاں نہ رکیں بلکہ فوری طور پر لوٹ آئیں۔ حضرت اویسؓ قرنیؒ بڑے ہی اشتیاق کے ساتھ مسجدِ نبویؐ پہونچے تو پتہ چلا کہ حضور اکرمؐ باہر تشریف لے گئے ہیں۔ حضرت اویسؓ انتہائی مایوسی کے عالم یمن واپس ہوئے اور ماں کی خدمت میں جٹ گئے۔ ایک غیر مصدقہ روایت کے مطابق انہی دنوں اویس قرنی کو اطلاع ملی کہ غزوۂ احد میں رسول صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دندان مبارک شہید ہو گیا۔ مگر اس بات کا علم نہ ہو سکا کہ وہ کونسا دندانِ مبارک تھا۔ حضرت اویس قرنی نے فرطِ اتباع میں عاشق صادق کی طرح اپنے تمام دانت توڑ دیے۔ انہیں لوگ دیوانہ سمجھنے لگے۔ ان کا مذاق کیا جانے لگا۔ مگر وہ کب کسی کی پرواہ کرتے۔ انہیں تو بس اپنے محبوب کی یاد سے مطلب

تھا۔ اس دوران وہ اپنی ماں کے لیے توفیق ایمانی کی دعائیں کرتے رہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول کرتے ہوئے اس عمر رسیدہ خاتون کو دولتِ ایمان سے بہرور فرمایا۔ اب بیٹے کے ساتھ ماں پر بھی خدائی رنگ گہرا ہونے لگا فرلیش ہونے کے باوجود اس خاتون نے خود کو عبادت خداوندی کے لیے وقف کردیا۔ یہاں تک کہ عہدِ فاروقی میں رب تعالیٰ کے جوارِ رحمت میں پہنچ گئیں۔

حضرت اویس نے والدہ کی وفات کے بعد اپنا کُل وقت یادِ الٰہی میں لگادیا۔ وہ اکثر غیر آباد علاقوں میں چلا جاتے اور عبادت و ریاضت اس قدر محو و مستغرق ہو جاتے کہ انھیں کھانے پینے کا خیال تو کجا اپنے ظاہر کا بھی ہوش نہیں رہا تھا۔ وقت اسی طرح گزرتا گیا یہاں تک کہ حضور اکرمؐ ۱۱ھ میں پردہ فرما گئے۔ پھر حضرت ابوبکر صدیقؓ کا وصال ۱۳ھ میں ہوگیا۔ بعد ازاں خلیفۂ دوم حضرت عمر فاروقؓ نے حکومت کی باگ ڈور سنبھالی آپؓ ۱۳ھ سے اپنی شہادت ۲۳ھ تک خلافت کی تمام ذمہ داریاں بحسن و خوبی نبھائیں۔ چناں چہ آپؓ کے اواخر عہد کا واقعہ ایک جلیل القدر تابعی اسیر ابن جابرؒ (متوفی ۸۵ھ) بیان کرتے ہیں۔

حضرت فاروقِ اعظمؓ یمن کے امدادی قافلوں میں اویس ابن عامر کے متعلق دریافت کرتے رہتے تھے۔ ایک مرتبہ اہلِ یمن سے آپؓ نے پوچھا: تم میں اویس ابن عامر نامی شخص ہیں۔ قافلہ والوں نے آپؓ کی رہنمائی اویس کی طرف کی۔ آپؓ نے ان سے سوال کیا کہ تم ہی اویس ابنِ عامر ہو؟ جواب ملا: ہاں۔ کیا تمہارا تعلق قبیلۂ مراد کی شاخ قرن سے ہے؟ حضرت اویس نے کہا۔ جی ہاں۔ آپؓ نے اشتیاق سے پوچھا: تمہاری والدہ یمن میں تھیں؟ کہا: کہ ہاں۔ پھر آپؓ نے دریافت کیا کہ تمہارے بدن پر بقدر درہم سفید نشانی ہے؟ جواب ملا: امیر المومنین آپؓ کا ارشاد صحیح ہے۔ میرے جسم پر برص کی سفیدی پھیلی ہوئی تھی، میں نے خدائے تعالیٰ سے شفایابی کے لیے دعا کی تو تمام بدن سے برص کے نشانات مٹ گئے۔ مگر بائیں پہلو کے ناف کے نیچے درہم برابر سفید علامت باقی رہ گئی۔ تاکہ میں اس کو دیکھ کر اللہ کا شکر ادا کروں۔ حضرت عمر فاروقؓ نے ان کے جوابات سے مطمئن ہوکر فرمایا: تم میرے لیے مغفرت کی دعا کرو۔

امام احمد ابن حنبلؒ سے روایت ہے کہ حضرت اویس القرنی نے یہ سن کر عرض کیا: انت احق تسغفرلی، انت صاحب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: یعنی آپ چوں کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابی ہیں۔ لہٰذا میرے حق میں آپ دعائے مغفرت فرمائیں۔

طبقات ابن سعد میں ہے کہ حضرت اویس نے حضرت عمرؓ فاروق سے دعا کی درخواست سنی تو کہا: (یا امیرالمومنین یستغفر مثلی لمثلک) یا امیرالمومنین مجھ جیسا معمولی آدمی آپ جیسی عظیم شخصیت کے لیے دعائے مغفرت کرے! حضرت عمر فاروقؓ نے فرمایا: بے شک! میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فرمان سنا ہے کہ

تمہارے پاس اہلِ یمن کے امدادی قبیلوں کے ہمراہ قبیلۂ مراد کی شاخ قرن کے اویس نامی شخص آئیں گے جن جسم پر درہم کے مقدار میں سفیدی ہوگی۔ وہ اپنی والدہ کے بے حد مطیع و فرمانبردار ہوں گے۔ اگر وہ کسی بات پر خدا کی قسم کھالیں تو اللہ تعالیٰ ان کی قسم ضرور پوری کرے گا۔ اے عمر! ممکن ہو تو تم ان سے دعائے مغفرت کے لیے کہو: (فان استطعت ان یستغفرلك فافعل) حضرت اویس نے جب یہ سنا تو ان پر گریہ طاری ہوگیا۔ پھر انہوں نے حضرت عمرؓ کے لیے دعا کی۔

امام مسلم کی روایت ہے کہ اس کے بعد حضرت عمر فاروقؓ نے اویس قرنی سے دریافت کیا کہ یہاں سے کس طرف کا ارادہ ہے۔ انہوں نے۔ کوفہ، پھر حضرت عمرؓ نے یہ پیش کش کی کہ تم چاہو تو کوفہ کے حاکم کے نام سفارشی خط لکھوں۔ حضرت اویس نے بڑی عاجزی سے کہا: (اکون فی غبراء الناس احبّ الیّ) میں فقیروں کی طرح گمنام رہنا چاہتا ہوں۔ اس کے بعد وہ رخصت ہوگئے۔

امام ابن عماد حنبلی (متوفی ۱۰۸۹ھ) کا بیان ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ کو حکم فرمایا کہ اویس قرنی سے ملاقات ہو تو ان سے دعا کی درخواست کرو۔ (امر النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عمر و علیاً اذالقیاہ ان یطلبا منہ الدعاء) بعض روایتوں میں ہے کہ حضرت اویس قرنی سے امیر المومنین حضرت عمرؓ کی ملاقات میدان عرفات میں ہوئی۔ جب کہ حضرت علی بن ابی طالب بھی آپ کے ہمراہ تھے اور دونوں بزرگوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سلام اور آپؐ کا جبۂ مبارک انہیں پہنچایا۔ جسے دیکھ کر وہ بے حد متاثر ہوئے اور زار و قطار روتے ہوئے حضرت عمر حضرت علیؓ کا شکریہ ادا کیا۔

جب دوسرے سال حجاج کرام نے مدینۂ منورہ کی زیارت کی تو ان میں کوفہ کے معززین کا ایک وفد امیر المومنین سے ملاقات کے لیے حاضر ہوا۔ اس موقعہ پر حضرت عمرؓ نے ان سے اویس قرنی کی خیریت پوچھی تو انہوں نے کہا: اس نام کا انتہائی نادار، بد ہئیت اور پاگل شخص ہمارے یہاں موجود ہے۔ عموماً لوگ اس کا ٹھٹھا اڑاتے رہتے ہیں ہمارے اس وفد میں اس کا ایک چچازاد بھائی بھی ہے۔ جس سے امیر المومنین آپ تصدیق کر سکتے ہیں۔ پھر انہوں نے اویس قرنی کے بھائی کو آگے بڑھایا۔ جو حاکم شہر کے مصاحبین میں تھا۔ اس نے اہل جماعت کی تائید کرتے ہوئے کہا: اویس میرا عم زاد ہے۔ وہ ایک تنہائی پسند شخص ہے۔ اس نے اپنا حال اس طرح بنا رکھا ہے کہ ہم اس کا مذاق اڑایا کرتے ہیں۔ اس پر فقرے کستے ہیں۔ مگر وہ کسی کا جواب نہیں دیتا بلکہ اپنے آپ میں مست رہتا ہے۔ حضرت عمرؓ نے یہ سن کہا: نہیں نہیں! بات دراصل ایسی نہیں ہے۔ پھر آپؓ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشادِ گرامی سنایا: کہ مجھول فی اھل الارض معروف فی السماء لو اقسم علی اللہ لأبرہ، فمن لقیہ منکم فمروہ فلیستغفرلکم: یعنی درحقیقت وہ زمین والوں میں غیر معروف اور آسمانوں میں بے حد معروف

شخص ہے ۔ اگر وہ کسی بات پر اللہ کی قسم کھالے تو اللہ تعالیٰ اس کی قسم کی ضرور لاج رکھے گا ۔ لہٰذا تم اس سے ملاقات کرو تو اپنے لیے دعائے مغفرت کی التماس کرو ۔ حضرت عمرؓ سے فرمانِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سُن کر وہ شخص بجد شرمندہ ہوا ۔ مدینہ منورہ سے واپسی کے بعد کوفہ پہونچ کر اپنا سامانِ سفر مسجد میں رکھا اور سیدھے اویس قرنی کی خدمت میں حاضر ہو کر ان سے معذرت خواہی کی اور دعائے مغفرت کا طلبگار ہوا ۔ حضرت اویس قرنی نے اپنے بھائی کو سنجیدہ اور شرمسار دیکھا تو فرمایا: تمہاری عادت تو ایسی نہیں تھی آج کیا ہوگیا ہے تمہیں؟ میں تمہارے لیے دعا کروں جب کہ تم مقدس سفر سے لوٹے ہو! کیا تم نے حضرت عمرؓ سے ملاقات کی؟ اس نے کہا: ہاں! میرے بھائی امیر المومنین نے آپ کے بارے میں سب کچھ بتا دیا ہے ۔ براہ کرم میرے حق میں دعا کیجیے ۔ حضرت اویس نے اس سے یہ وعدہ لیا کہ وہ کسی سے حضرت عمرؓ کی گفتگو نقل نہیں کرے گا ۔ پھر اس شخص کے حق میں دعائے مغفرت کی ۔ باوجود اخفاءِ حال کے حضرت اویس کے فضائل لوگوں سے چھپ نہ سکے ۔ رفتہ رفتہ آپ سے دعائے مغفرت کے طلب گاروں کا ہجوم ہونے لگا تو آپ نے وہاں سے روپوش ہوجانے میں بہتری دیکھی۔

طبقات ابن سعد میں حضرت اُسیر ابن جابر کی روایت نقل کی گئی ہے کہ حضرت اُسیر نے کوفہ میں حضرت اویس القرنی کو گوشہ نشینی کی حالت میں دیکھا، تو پوچھا کہ کس چیز نے آپ کو زاویہ نشینی پر مجبور کیا ۔ تو آپ نے فرمایا: عریانی نے ۔ حضرت اُسیر نے آپ کی خدمت میں باصرار چادر پیش کی ۔ آپ نے اس کو اوڑھ بھی لیا ۔ مگر لوگوں نے اس چادر کو مذاق کا موضوع بنایا تو آپ نے اُسے اتار دیا ۔ حضرت اُسیر کو پتہ چلا تو طعنہ زنوں کو ڈانٹا اور حضرت عمرؓ کی روایت انہیں سنائی تو لوگ شرمندہ ہوے ۔ پھر آپ کے دیکھتے ہی دیکھتے معتقدین کی بھیڑ لگ گئی ۔ آپ نے انہیں روکا اور بہت سمجھایا ۔ دعا ہی سب کچھ نہیں ہے بلکہ ہر شخص اپنے اعمال کا ذمہ دار ہوگا ۔ مگر پھر بھی لوگوں کا اژدھام بڑھتا ہی گیا اور طلب گارانِ دعا کی آمد و رفت میں اضافہ ہونے لگا تو آپ وہاں سے اچانک غائب ہو گئے ۔

محدث عثمان بن عطا الخراسانی (متوفی ۱۵۵ھ) نے اپنے والد سے روایت کی کہ حضرت اویس کوفہ سے آذربیجان چلے آے اور آپ کا انتقال وہیں ہوا ۔ امام شمس الدین ذھبی (متوفی ۷۴۸ھ) نے آپ کا سال وفات ۸۵ھ تحریر کیا ہے ۔ امام احمد بن حنبل کے فرزند حافظ عبد اللہ بن احمد (متوفی ۲۹۰ھ) نے "زیادات المسند" میں مشہور تابعی حضرت عبد اللہ بن سلمہ کوفی کی روایت نقل کی ہے : غزونا أذربیجان فی زمن عمرؓ و معنا اویس فلما رجعنا مرض فمات" (الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ للامام احمد بن علی بن الحجر العسقلانی المتوفی ۸۵۲ھ) یعنی حضرت عمر فاروقؓ کے عہد خلافت میں ہم آذربیجان کی جنگ (۲۲ھ) میں شریک رہے ۔ اور ہمارے ہمراہ حضرت اویس قرنی بھی تھے ۔ جب ہم وہاں سے لوٹے تو آپ بیمار ہوگئے اور بعد کو آپ کی وفات ہوگئی ۔

حافظ حاکم نیشاپوری (متوفی ۴۰۵ھ) نے اپنے مستدرک میں نقاد حدیث حافظ یحییٰ بن معین (متوفی ۲۳۳ھ)

کی روایت کے ہمراہ حضرت علیؓ کے مصاحب تابعی اصبغ بن نباتہ کی روایت بھی بیان کی ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ میں جنگ صفین کے موقعہ پر حضرت علیؓ کے ہمراہ تھا۔ آپ نے آواز لگائی "من یبایعنی علی الموت" یعنی کون مجھ سے موت پر بیعت کرے گا۔ اس پر ننانوے ۹۹ جانبازوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ پھر آپ نے صدادی "این التمام" یعنی سوّاں جانباز کہاں ہے؟ اس پر ایک مفلوک الحال شخص آگے آیا اور حضرت علیؓ کے ہاتھ پر اس نے بیعت کی۔ وہ حضرت اویس قرنی تھے۔

محدث عبدالرحمٰن بن ابی لیلی (متوفی ۸۲ھ) کی روایت ہے کہ اس موقعہ پر صف مقابل کا ایک شامی فوجی آگے آیا اور اس نے پکار کر کہا: اے اصحاب علی! کیا تم میں اویس قرنی ہیں؟ جواب دیا گیا کہ ہاں۔ اس فوجی نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگاتے ہوئے کہا: میں نے حضور اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سُنا ہے کہ آپؐ نے فرمایا: ان من خیر التابعین اویس القرنی: یعنی بے شک اویس قرنی خیر تابعین میں سے ہیں۔ پھر وہ حضرت علیؓ کی فوج میں شامل ہوگیا۔ آپ نے بڑی بہادری سے شامی فوج کا مقابلہ کیا یہاں تک کہ شہید ہو گئے۔ آپ کے جسم پر چالیس سے زائد زخم تھے۔ حضرت علیؓ نے میدان صفین ہی میں بڑے اہتمام سے آپ کی تدفین کی۔ حضرت اویس نے میدان جنگ میں دعا کی: "اللّٰھم ارزقنی شھادۃ توجب لی الحیاۃ والرزق" یعنی یا اللہ مجھے شہادت کی سعادت سے بہرور فرما جو میرے لیے ابدی زندگی اور جنتی رزق کا باعث بنے۔ چونکہ واقعہ صفین ۳۷ھ میں رونما ہوا۔ اس لیے آپ کا سال وفات مذکورہ روایت کی رو سے ۳۷ھ ہے۔ اور یہی قرین قیاس بھی ہے۔

حضرت اویس قرنی بے حد منکسر المزاج تھے۔ آپ نے ساری زندگی فقر وفاقہ میں گزار دی۔ آپ کی حیات دنیوی حضور اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیشین گوئی کے عین مطابق تھی۔ حضرت احمد بن حنبل (متوفی ۲۴۱ھ) نے ثقہ تابعی حضرت قاضی محارب بن دثار کوفی (متوفی ۱۱۶ھ) کی روایت مرفوعًا کتاب الزھد میں نقل کی ہے۔ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میری امت میں ایسے بھی فقراء ہیں جو عریانی کے سبب مسجد میں داخل ہوتے نہیں ہیں۔ اور ان کا ایمان انہیں سوال کرنے سے روکتا ہے۔ انہیں میں سے اویس قرنی اور فرات بن حیان (صحابی) ہیں۔

حضرت اویس بسا اوقات گھورے کے ڈھیر سے کھانے کے لیے غذا چنتے تھے۔ اگر کوئی کتا بھونکتا تو فرماتے: اے سگِ دنیا! تو اپنے قریب کا کھا اور میں اپنے قریب کا کھاؤں گا۔ اگر تو ذرا بھی اپنے راستہ سے تجاوز کرے گا تو میں تجھ سے بہتر ہوں۔ ورنہ تو مجھ سے بہتر ہے۔ (شذرات الذھب)

حضرت اویس خیر الزہاد تھے۔ اپنے پاس کوئی بھی چیز چاہے کھانے پینے کی ہو یا پہننے اوڑھنے کی، رکھتے نہیں تھے۔ سبھی خیرات کر دیتے اور بارگاہِ الٰہی میں التجا کرتے کہ اللّٰھم من مات جوعا فلا تواخذنی بہ ومن مات عریانًا فلا تواخذنی بہ: یعنی خدایا! جو بھوکا لقمۂ اجل بنا اس کو کھانے پر گرفت نہ فرما اور جو شخص بے لباس

اس دنیا سے رخصت ہوا اس کو اپنی سخت پکڑ سے آزاد فرما دے۔ (حلیۃ الاولیاء)

ایک مرتبہ آپ کی خدمت میں قبیلۂ مراد کا ایک شخص حاضر ہوا۔ علیک سلیک کے بعد اس نے سوال کیا۔ میرے بھائی اویس شب و روز کیسے گزر رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا: میرے بھائی! اس انسان کے بارے میں کیا پوچھتے ہو۔ جو صبح ہوتی ہے تو سمجھتا ہے کہ اس پر شام نہیں آئے گی اور رات ہوتی ہے تو سوچتا ہے کہ یہی آخری شب ہے پھر اس کی سحر نہیں ہوگی۔ پھر آپ نے فرمایا: اے میرے بھائی! موت کی یاد نے مومن کو مسرت کا موقع فراہم نہیں کیا۔ حقوق اللہ کی جانکاری نے سونے چاندی کا ایک حبّہ بھی بچائے نہیں رکھا اور حق کی تائید نے کسی کو دوست بنانے نہ دیا۔ سچ فرمایا محدّث کبیر حضرت علقمہ بن مرشد حضرمی کوفی (متوفی ۱۲۰ھ) نے زہد اور دنیا سے بے رغبتی آٹھ شخصیتوں پر ختم ہے۔ وہ ہیں: عامر بن عبداللہ، اویس قرنی، ھرم بن حیان، ربیع بن خثیم، مسروق بن اجدع، اسود بن یزید، ابو مسلم خولانی اور حسن بن ابی الحسن رحمہم اللہ تعالےٰ اجمعین

حضرت اویس قرنی کے معاصر صوفی و تابعی حضرت ھرم بن حیان العبدی البصری کا بیان ہے کہ میں حضرت اویس کی تلاش میں کوفہ پہنچا۔ لوگوں نے دریائے فرات کے کنارے وضو کرتے ہوئے ایک دیوانے کی طرف رہنمائی کی میں نے قرائن سے یقین کر لیا کہ وہ اویس قرنی ہی ہیں۔ میں نے انہیں سلام کیا تو انہوں نے وعلیکم السلام یا ھرم بن حیان کہا۔ میں نے پوچھا خدا آپ پر رحم کرے۔ میرے نام کا پتہ آپ کو کیسے چلا۔ اویس نے جواب دیا: میری روح نے آپ کی روح کو پہچان لیا۔ اس لیے کہ ارواح آپس میں جسموں کی طرح انس و محبت رکھتے ہیں۔ اور ہمارا التعارف عالم ارواح میں ہو چکا ہے۔ پھر میں نے کہا: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کردہ کوئی حدیث سنائیے۔ تاکہ میں اسے حفظ کر لوں۔ یہ سن کر آپ زار و قطار رونے لگے اور حضور اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود بھیجتے ہوئے کہا: افسوس مجھے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے شرف ملاقات حاصل نہ ہو سکا۔ البتہ آپ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دیدار سے مشرف صحابۂ کرامؓ میں سے حضرت عمر وغیرہ سے گفتگو کی سعادت حاصل ہوئی۔ بعد ازاں حضرت اویس نے امیر المومنین کے وصال کی اطلاع دیتے ہوئے کہا: واعمراہ، واعمراہ۔ حضرت ھرم کہتے ہیں: میں نے کہا: خدا آپ پر رحم فرمائے حضرت عمر ابھی حیات ہیں۔ آپ نے فرمایا: اے ھرم بن حیان! کل ہم دونوں امیر المومنین کے جنازے میں شریک رہیں گے۔ یہ کہہ اویس قرنی امیر المومنین کے حق میں دیر تک دعا کرتے رہے۔ اس کے بعد آپ نے میرے لیے بھی دعا کی کہ یا اللہ! یہ تیری خاطر مجھے چاہتا ہے، تیری خوشنودی کے لیے اس نے مجھ سے ملاقات کی۔ یا رب العالمین! ھرم سے جنت میں ملاقات نصیب فرما۔ جب تک یہ دنیا میں رہے آفات و بلیات سے اس کی حفاظت فرما اور اس کو قلیل دنیا پر راضی فرما دے۔ پھر آپ نے کہا: اے ھرم! مجھے شہرت قطعاً ناپسند ہے۔ لہٰذا آج کے بعد مجھ سے ملاقات کی کوشش نہ کرنا۔

(حلیۃ الاولیاء و طبقات الاصفیاء)

حضرت اویس قرنی کے فضائل کا ذکر مختلف ادوار کے محدثین نے کیا ہے۔ چناں چہ امام حافظ ابو عبداللہ محمد بن سعد بغدادی (متوفی ۲۳۰ھ) نے اپنے "طبقات" میں امام مسلم بن حجاج قشیری نیشاپوری (متوفی ۲۶۱ھ) اپنی تالیف "صحیح" میں، امام حاکم محمد بن عبداللہ نیشاپوری (متوفی ۴۰۵ھ) نے "مستدرک علی الصحیحین" میں، امام حافظ ابو نعیم احمد بن عبداللہ اصفہانی (متوفی ۴۳۰ھ) نے اپنی تصنیف "حلیۃ الاولیاء طبقات الاصفیاء" میں، امام ابوبکر احمد بن حسین البیہقی (متوفی ۴۵۸ھ) نے اپنی کتاب "دلائل النبوۃ" میں، امام حافظ شمس الدین محمد بن احمد ذھبی (متوفی ۷۴۸ھ) نے اپنی مقتدر تالیف "سیر اعلام النبلاء" میں، امام حافظ علامہ احمد بن علی بن حجر عسقلانی (متوفی ۸۵۲ھ) نے اپنی معرکۃ الآراء تصنیفات "الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ" اور "تہذیب التہذیب" میں اور امام شہاب الدین الفلاح عبدالحی بن احمد معروف بہ ابن عماد حنبلی (متوفی ۱۰۸۹ھ) نے اپنی بے مثال کتاب "شذرات الذھب فی اخبار من ذھب" میں حضرت اویس قرنی کے فضائل و خصائل مختلف طرق اور متنوع اسلوب میں بیان کیا ہے۔ ان سب تصانیف میں جس اہم ترین فضیلت کا ذکر بار بار آیا ہے۔ وہ یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: یدخل الجنۃ بشفاعۃ رجل من امتی اکثر من بنی تمیم" کان الحسن یقول ھو اویس القرنی۔ مزید آپ کا ارشاد گرامی حضرت ابو ہریرہ سے مرفوعاً مروی ہے کہ یدخل الجنۃ بشفاعۃ رجل من امتی اکثر من مضر و تمیم قیل من ھو یا رسول اللہ؟ قال اویس القرنی" علاوہ ازیں اس طرح کی ایک روایت حضرت عمر فاروقؓ سے حضرت علقمہ بن مرشد حضرمی (متوفی ۱۲۰ھ) نے بیان کی ہے۔ کہ قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم یدخل الجنۃ بشفاعۃ اویس مثل ربیعۃ و مضر۔ یعنی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات کا ماحصل یہی ہے کہ حضرت اویس قرنی کی سفارش سے بنی تمیم، بنی ربیعہ اور بنی مضر کے افراد زیادہ تعداد میں لوگ بحکم خدا جنّت میں داخل ہوں گے۔ محدث و صوفی ابو بکر بن عیاش اسدی کوفی (متوفی ۱۹۳ھ) نے حضرت اویس قرنی کے ایک ہم قبیلہ شخص سے سوال کیا کہ یہ غیر معمولی فضیلت انہیں کیسے حاصل ہوی؟ اس نے جواب دیا: ذٰلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے، جسے چاہے عنایت کر دے۔

الغرض حضرت اویس قرنی کی شخصیت کے اطراف تمام شہادتوں کے باوجود ہر دور میں پراسرار حلقے وضع کئے جاتے رہے ہیں۔ جس کی وجہ سے آپ کی ذات والا صفات میں مدغم عشقِ رسول صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اعلیٰ وارفع جذبہ تاریخ کی نگاہوں میں تقریباً اوجھل ہو چکا ہے۔ اس کی بازیافت کی ادنیٰ کوشش کے طور پر یہ مقالہ قلمبند کیا گیا ہے۔ اللہ تعالےٰ کے فضل و کرم سے امید قوی کہ دیگر محققین کے لیے یہ تحریر سنگِ ثابت ہوگی۔

وما علینا الا البلاغ۔

لائیں کہاں سے اب اُسے تجھ سا کہیں جسے

ڈاکٹر افضل الدین اقبال علیہ الرحمہ حیدر آبادی

ڈاکٹر بشیر الحق قریشی ویلور

۱۵ رمئی ۲۰۰۸ء روز جمعرات ڈاکٹر افضل الدین اقبال حیدر آبادی سفر آخرت پر روانہ ہو گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ ان کی وفات سے اردو زبان و ادب، تحقیق و ریسرچ، تعلیم و تدریس اور صحافت کی دُنیا میں خلا پیدا ہو گیا۔ کائنات میں تو خلا نہیں ہے۔ کوئی اور اقبال کا لبادہ اوڑھے ظاہر ہو گا جس سے یہ خلا پر ہو جائے گا بھلے سے مدت قلیل ہو یا کثیر۔ انتظار کی زحمت اٹھانی ہی پڑے گی۔ موجودہ زمانہ میں یکے بعد دیگرے اہلِ علم کی دنیا سے رخصتی کو کائنات کا اختتامی علمی منظر نامہ کہا جائے تو بے جا نہ ہو گا۔ زبانِ نبوتؐ نے قربِ قیامت کی ایک علامت یہ بتلائی ہے کہ دنیا سے علم اٹھا لیا جائے گا: یرفع العلم۔ اہلِ علم کی وفات ہی رفع علم ہے۔ ڈاکٹر اقبال کی رخصت بھی رفع علم کی ایک ہلکی سی جھلک ہے۔ خواہ یہ علم قلیل ترین ہی کیوں نہ ہو۔

ڈاکٹر اقبال جس خانوادہ کے چشم و چراغ تھے، وہ جنوبی ہند کا ایک مشہور و معروف علمی و دینی اور ادبی خاندان ہے جس کے افراد مسلسل و تواتر کے ساتھ اور بڑی وسعت اور جامعیت کے ساتھ علم و ادب اور دین کی خدمت انجام دیتے آرہے ہیں۔ اس دودمان عالی شان کے اشخاص حکومت و سیاست سے بھی منسلک رہے ہیں۔ ڈاکٹر اقبال کے جدِ امجد الحاج قادر مرتضیٰ حسین سالار الملک محتشم الدولہ آرکاٹ کے آخری حکمران نواب محمد غوث خان والاجاہ پنجم کے میر منشی اور معتمدِ خاص تھے۔ سالار الملک محتشم الدولہ کے دو ماموں ایک قاضی بدر الدولہ اور دوسرے مولوی عبد الوہاب آرکاٹ نواب کے دیوان تھے۔

اس خاندانِ ذی شان کے چمکتے ستاروں میں چند حضرات کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔ جن کی روشنی سے آسمانِ علم چمک اٹھا۔ مولوی مفتی محمد سعید خان، مولوی محمد مرتضےٰ، مولوی حسین عطاء اللہ، مولوی نصیر الدین ہاشمی، ڈاکٹر

محمد غوث، ڈاکٹر محمد یوسف الدین اور ڈاکٹر محمد حمید اللہ وغیرہ۔

کہا جاتا ہے کہ مولوی مفتی محمد سعید خان اور ان کے برادر محترم مولوی محمد حسین عطاء اللہ یہ دونوں حضرات نواب سالار جنگ اول، وزیر اعظم حکومتِ حیدر آباد دکن کی دعوت پر حیدر آباد تشریف لائے اور یہیں سکونت پذیر ہو گئے۔ یہاں ان کی اولاد پھلی پھولی اور ملک وملت کی تعمیر وترقی اور علم وادب کی ترویج میں اہم کردار ادا کیا۔ ڈاکٹر اقبال کے خاندان کے اشخاص نے حیدر آباد ایجوکیشنل کانفرنس کے انعقاد اور انتظام میں بھی کلیدی رول ادا کیا۔ ان کے والد ماجد مولوی محمد شرف الدین ایک ذی علم اور بلند کردار شخصیت کے مالک تھے۔ انھوں نے حیدر آباد میں سماجی اور فلاحی کاموں میں نمایاں حصہ لیا اور تقریباً نو سال تک حیدر آباد کی کل ہند صنعتی نمائش کے سکریٹری کی حیثیت سے مفید خدمات انجام دیں۔

ڈاکٹر اقبال طفولیت کے دور سے گزر رہے تھے کہ وہ یتیم ہو گئے۔ ان کی والدہ بڑی صابرہ، فہمیہ اور عالمہ خاتون تھیں۔ انھوں نے ڈاکٹر اقبال کی تعلیم وتربیت کی طرف خاصی توجہ دی۔ ماں کی ممتا کے ساتھ باپ کا پیار بھی دیا۔ یہ ماں ہی کی پرورش اور تربیت کا ثمرہ تھا کہ اقبال کا ستارۂ اقبال چمک اٹھا۔

ڈاکٹر اقبال کی تعلیم اشرف المدارس، چادر گھاٹ ہائی اسکول حیدر آباد اور سائنس کالج سیف آباد حیدر آباد میں ہوی۔ انھوں نے سائنس کالج سے بیالوجی سائنس میں بی، یو، سی اور ممتاز کالج حیدر آباد سے بی ایس سی پاس کیا۔ ڈاکٹر اقبال نے گھریلو حالات کی وجہ سے ملازمت اختیار کی۔ ممتاز کالج کی بیالوجی لیبورٹری میں لیبارٹری اسسٹنٹ کی حیثیت سے کام کیا۔

ملازمت کی ذمہ داری سے فارغ ہونے کے بعد پڑھنا، لکھنا اور مطالعہ ہی ان کا محبوب مشغلہ تھا۔ اسی محنت ولگن کے باعث وہ تعلیم کے میدان میں آگے بڑھتے چلے گئے۔ یہ انوکھی مثال ہے کہ ڈاکٹر اقبال سائنس کے طالب علم اور سائنس کے ملازم رہنے کے باوجود اردو زبان وادب کو اپنے مطالعہ اور تحقیق کا محور بنا لیا۔ آخر کار اردو ادب سے رشتہ کے باعث ان کا مستقبل شاندار بن گیا اور اسی اردو نے انہیں حیات جاوید بخشی۔

ڈاکٹر اقبال کی اردو زبان وادب کی تعلیم میں ممتاز علماء ومفکرین کا حصہ رہا۔ انہوں نے اسکول کے زمانے میں مولانا سید محمد صدیق رمزی محمودی سے اردو پڑھا، کالج کے زمانہ میں پروفیسر اکبر الدین صدیقی، پروفیسر سید محمد اور ڈاکٹر حسینی شاہد کے آگے زانوئے تلمذ تہ کیا۔ ان حضرات کی تدریس وتعلیم اور ترغیب وتشویق اور تربیت نے اقبال کی زبان وادب کو سنوارا۔ ڈاکٹر اقبال نے پرائیوٹ طور پر عثمانیہ یونیورسٹی سے اردو میں ایم، اے، پاس کیا اور اسی بنیاد پر پی، ایچ ڈی، میں داخلہ لیا۔ بقول ڈاکٹر اقبال ان کے خاندان کے بزرگ محقق ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے پیارس سے پی، ایچ ڈی، کے لیے یہ عنوان تجویز کیا۔ ”مدراس میں اردو ادب کی نشو ونما“

1976ء میں پروفیسر سیدہ جعفر کی سرپرستی میں یہ مقالہ پایۂ تکمیل کو پہنچا۔ انہوں نے عثمانیہ یونیورسٹی سے ڈاکٹریٹ کی۔ 1978ء میں یہ مقالہ شائع ہوا۔ اس کی رونمائی کا اجلاس عظیم الشان پیمانہ پر منعقد ہوا جس میں اہلِ علم اور اربابِ دانش کثیر تعداد میں شریک رہے۔ جرمن مستشرقہ ڈاکٹر انامیری شمل پروفیسر انڈو مسلم کلچر ہارورڈ یونیورسٹی امریکہ کے ہاتھوں کتاب کی رسم اجراء ادا ہوی۔ اس اجلاس میں پروفیسر گیان چند جین اور دوسرے ادباء و محققین نے مصنف کی کاوشوں کو سراہا۔ گیان چند نے ان لفظوں میں کتاب کے معیاری ہونے کی سند عطا کی۔ "بہت کم ایسے محقق ہوں گے جن کی پہلی تصنیف اتنے اچھے معیار کی ہو"

"مدراس میں اردو ادب کی نشو و نما" سے پہلے بھی ڈاکٹر اقبال کی دو کتابیں منظر عام پر آچکی ہیں۔ ان کے تحقیقی اور معیاری ہونے کا اعتراف بھی کیا گیا ہے۔ ایک کتاب "تاریخ فنِ طباعت" ہے۔ جو 1965ء میں شائع ہوی ہے اور دوسری "تذکرۂ سعید" ہے جو 1973ء میں چھپی ہے۔ ان دو کتابوں کے علاوہ ڈاکٹر محمد حمید اللہ کی علمی و ادبی خدمات پر ممتاز کالج کے میگزین میں 1962ء میں چھپا اور یہ انعام اول کا مستحق قرار پایا۔ اہل علم نے اس مضمون کے معیاری اور عمدہ ہونے کی شہادت دی ہے۔ یہ مضمون دراصل ڈاکٹر اقبال کی تحقیق کی عمارت کی پہلی اینٹ ہے۔ اس کے بعد ان کے قلم سے جتنے بھی مقالات صدور پذیر ہوے تمام میں تحقیقی شان نمایاں ہے۔ ان کی ڈاکٹریٹ کا مقالہ ایک زندہ تصنیف ہے۔ جس کی قدر و منزلت میں آئے دن اضافہ ہو رہا ہے۔ اگر وہ کوئی اور کتاب نہ بھی لکھتے تو یہی ایک مقالہ ڈاکٹر اقبال کو تحقیقی اور ادبی دنیا میں زندہ رکھنے کے لیے کافی ہے۔ "مدراس میں اردو ادب کی نشو و نما" یہ کتاب ہندوستان کی مختلف یونیورسٹیوں میں پڑھائی جارہی ہے۔

1984ء میں ڈاکٹر اقبال عثمانیہ یونیورسٹی کے شعبۂ اردو سے وابستہ ہو گئے اور بہت جلد ترقی کی منزلیں طے کرتے چلے گئے۔ 1992ء میں اسوسیئٹ پروفیسر پھر 2000ء میں پروفیسر بن گئے۔ 2000ء سے 2002ء تک بورڈ آف اسٹڈیز کے چیرمن رہے۔ 2002ء کے اواخر میں اردو عثمانیہ یونیورسٹی کے صدر بن گئے۔ 2003ء میں یو۔جی۔سی ریفریشر کورس کے کوآرڈینیٹر بن گئے 2006ء میں عثمانیہ تدریسی خدمت سے سبکدوش ہوگئے لیکن مطالعہ اور تحقیق اور تحریر و تصنیف سے سبکدوش نہیں ہوے۔ بلکہ اس عمل میں اور بھی تیز ہو گئے۔ ڈاکٹر اقبال کے اندر تحقیق و تفتیش اور تصنیف کا ذوق ان کے زمانۂ طالب علمی ہی سے رہا ہے۔ ان کے ابتدائی مضامین اسکول و کالج کے پرچوں اور "رہنمائے دکن" میں شائع ہوئے ہیں۔ پہلا مضمون "مشعل" میں چھپا ہے۔ اور یہ ذوق وقت کے ساتھ ساتھ پروان چڑھتا رہا اور اس میں تادم زیست کمی واقع نہ ہوی۔ اسی ذوق نے ان کی نوک قلم سے کئی ایک عمدہ اور معیاری اور تحقیقی کتابوں کو وجود بخشا۔ اس مقام پر امیر علی ریسرچ اسکالر کے ایک طویل اقتباس کو نقل کردینا فائدہ سے خالی نہیں ہے جو مجلۂ عثمانیہ سربراہانِ شعبۂ اردو نمبر 2004ء میں ڈاکٹر اقبال سے متعلق ہے۔

1981ء میں جنوبی ہند کی اردو صحافت شائع ہوئی۔ ہندوپاک کے ممتاز اخبارات ورسائل نے اس کتاب کو خوب سراہا۔ پروفیسر مظفر حنفی کلکتہ یونیورسٹی نے لکھا تھا: "اس کتاب کے ہر صفحے پر مصنف کی عرق ریزی اور جاں سوزی کا ثبوت ملتا ہے"۔ پروفیسر لئیق صلاح، صدر شعبۂ اردو، گلبرگہ یونیورسٹی کے نصاب میں شامل کیا۔

1984ء میں ایک اور تحقیقی کتاب 'اردو کا پہلا نثری ڈراما' شائع ہوئی۔ اس کتاب میں اردو کا قدیم ترین 1852ء میں شائع شدہ ڈراما "علی بابا چالیس چور" مصنفہ کیپٹن گرین آوے captain Green Away مکمل متن اور طویل مقدمہ کے ساتھ شائع ہوا۔ یہ تاحال اردو کا قدیم ترین مکمل ڈراما ہے۔ پروفیسر گیان چند جین نے لکھا ہے: "اس ڈراما کی اشاعت سے اندر سبھا، گوپی چند جلندھر، بلبل بیمار، خورشید، سجاد سنبل اور صورت عالمگیری' اردو کے پہلے ڈرامے کے مقابلہ سے خارج ہوگئے۔ یہ ایک اہم تحقیقی انکشاف ہے۔ 1987ء میں نواب اعظم و مثنوی اعظم نامہ شائع ہوئی جس کی تاریخی اہمیت ہے اس کے علاوہ قاضی عبیداللہ اورینٹل لائبریری اور امانتی کتب خانہ خاندان شرف الملک مدراس کے اردو مخطوطات کی وضاحتیں بھی ڈاکٹر محمد غوث کے اشتراک سے مرتب و شائع کیں۔

1993ء میں 'حکایات لطیفہ' شائع ہوئی جو اردو کی قدیم ترین 76 اخلاقی، اصلاحی اور سبق آموز مختصر کہانیوں کا مجموعہ ہے۔ یہ فورٹ سینٹ جارج کالج کا ایک ناقابل فراموش ادبی کارنامہ ہے۔ اس کی تحقیق کے لیے وہ کراچی گئے۔ وہاں کے نیشنل میوزیم میں محفوظ انجمن ترقی اردو کے کتب خانہ خاص کے مخطوطات سے استفادہ کیا

1999ء میں قدیم وجدید ضرب الامثال پر پہلی جامع کتاب "مجمع الامثال" شائع ہوئی۔ یہ بھی فورٹ سینٹ جارج کالج کا اہم ادبی شاہ کار ہے۔ ان تمام کتابوں کو ملک کی مختلف اکاڈمیوں نے گراں قدر ایوارڈ سے نوازا ہے۔ ڈاکٹر افضل اقبال کی مزید دو اور تحقیقی کتابیں شائع ہوئی ہیں۔ "ریاست حیدرآباد میں اردو صحافت کا آغاز وارتقاء"۔ ایچ۔ای۔ایچ دی نظامس اردو ٹرسٹ کی جانب سے شائع ہوئی ہے اور دوسری کتاب۔ "ایسٹ انڈیا کمپنی کے علمی ادارے"۔ فورٹ ولیم کالج اور فورٹ سینٹ جارج کالج تقابلی و تنقیدی جائزہ"۔ یو۔جی۔سی مائینر ریسرچ پروجکٹ کے تحت لکھی گئی اور آندھرا پردیش اردو اکاڈمی کے جزوی مالی تعاون سے شائع ہوئی ہے۔

عثمانیہ یونیورسٹی کے ایم۔اے؛ فاصلاتی تعلیم Distance Education کے نصاب میں ان کی مرتب کردہ "تاریخ اردو زبان وادب" شامل ہے۔ ڈاکٹر امبیڈکر اوپن یونیورسٹی، مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی اور فاصلاتی تعلیم عثمانیہ یونیورسٹی کے نصاب میں ڈاکٹر افضل الدین اقبال کے متعدد مضامین شامل ہیں۔

ڈاکٹر افضل اقبال کی نگرانی میں ایک درجن سے زیادہ ایم، فل، اورتین اسکالرس پی، ایچ ڈی کر چکے ہیں۔ پاکستان اور ہندوستان کی متعدد یونیورسٹیاں کے پی، ایچ ڈی، کے وہ ممتحن رہے۔ انھوں نے کئی سمیناروں میں حصہ لیا اور مقالے پڑھے۔

اس طرح ڈاکٹر افضل اقبال کی زندگی جہد مسلسل کی داستان ہے۔ وہ ایک SELF MADE انسان ہیں۔ انھوں نے اپنی زندگی آپ بنائی۔

ڈاکٹر اقبال کے خاندان، ان کی تعلیم و تربیت، ملازمت، ملازمت میں ترقی، عثمانیہ یونیورسٹی کی پروفیسری شعبۂ اردو عثمانیہ یونیورسٹی کی صدارت، ایم، فل اور پی، ایچ ڈی، کے اسکالرس کی رہنمائی، متعدد یونیورسٹیوں میں پی، ایچ ڈی، کے ممتحن، سمیناروں میں شرکت، ان کی تصنیفات اوران کی کتابوں کی اشاعت کے لیے متعدد اکاڈمیوں کی مالی اعانت اور مختلف یونیورسٹیوں کے نصاب میں ان کی کتابوں کا داخلہ اوران کا مختلف عہدوں پر فائز ہونا اورانہیں گراں قدر ایوارڈ ملنے کا مختصر ذکر کرنے کے بعد مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ڈاکٹر اقبال کے ان واقعات وحالات کو قلم بند کئے جائیں جن کا تعلق راقم الحروف کی ذات سے ہے۔

میرے علمی وادبی رفقاواحباب میں ڈاکٹر اقبال بھی ہیں۔ آج سے تیس سال پہلے کی بات ہے کہ وہ ایک ریسرچ اسکالرس کی حیثیت سے اپنی ڈاکٹریٹ کے مقالہ "مدراس میں اردو کی نشوونما" کے مواد کی فراہمی لیے دارالعلوم لطیفیہ ویلور تشریف لائے۔ اس وقت کے ناظم حضرت مولانا ابوالحسن صدرالدین سید شاہ محمد طاہر قادری علیہ الرحمہ نے مجھے ان سے ملوایا اوران سے میرا تعارف کروایا اور مجھ سے ان کا تعارف پیش کرتے ہوئے ان کے قدوم کی غرض وغائت بیان کی اور مجھے کتب خانہ کی کنجیاں سونپتے ہوے یہ خواہش ظاہر کی کہ میں انہیں کتب خانہ میں موجود فارسی اوراردو کی کتابیں اور قلمی مخطوطات اور بیاضات وغیرہ دکھلاؤں۔ یہ میری ڈاکٹر اقبال سے پہلی ملاقات ہے۔ اور اسی روز میں نے پہلی بار انہیں دیکھا۔ جواں سال، ہنس مکھ چہرہ، موٹی موٹی آنکھیں، بے مونچھ وداڑھی، رنگ گورا، قد میانہ شرٹ اور پتلون میں ملبوس، گفتگو بڑی دلآویز، جس سے عاجزی وانکساری اور سادگی ظاہر ہورہی تھی۔ ڈاکٹر اقبال چار پانچ دن مقیم رہے۔ اس دوران وہ میرے ساتھ اٹھتے، بیٹھتے، چلتے پھرتے، کھاتے پیتے تھے۔ جس سے ہمارے درمیان بے تکلفی پیدا ہوگئی۔ ایک روز مجھے اپنے ہمراہ آرکاٹ لے گئے جو کبھی نوابان مدراس کا پایہ تخت تھا۔ جہاں ان کی تاریخی عمارتیں اب بھی بوسیدہ وخستہ حالت میں ہیں۔ جن سے نوابان آرکاٹ کے شاندار ماضی کی ہلکی اور دھندلی سی جھلک دکھائی دیتی ہے۔ ڈاکٹر اقبال نے ان عمارتوں اوران کے کتبوں کی تصویریں کھینچیں جن میں وہ اور میں موجود ہیں۔ اور یہ یادگار تصویریں ان کے مقالہ میں موجود ہیں۔

ڈاکٹر اقبال اپنے تحقیقی کام سے فارغ ہونے کے بعد حیدرآباد لوٹ گئے۔ ان کی صحبت اور رفاقت میں

گزرے ہوئے خوش گوار لمحات کی یادیں آج بھی قلب و ذہن میں تازہ ہیں۔ گزرے ہوئے تین دہوں میں متعدد بار مختلف جگہوں میں ملاقاتیں ہوتی رہیں اور یہ دوستانہ ربط وضبط ان کی زندگی کے آخری ایام تک رہا۔ ان کی رحلت سے دو تین دن پہلے کی بات ہے کہ میں ڈاکٹر سید عثمان قادری مدظلہٗ کی صاحب زادی کی تقریب ولیمہ میں شرکت کے لیے حیدرآباد پہنچا اور ڈاکٹر اقبال سے فون پر بات چیت ہوی۔ اسی گفتگو کے ذریعہ راقم الحروف اور ڈاکٹر اقبال کے درمیان آخری رابطہ قائم ہوا۔ دوران کلام میں نے انھیں ولیمہ میں شرکت کے لیے کہا۔ تو وہ آمادہ ہوگئے اور شادی خانہ کا پتہ پوچھا۔ میں نے تفصیل گوش گزار کی تو جگہ اور مقام پہچان گئے اور کچھ ہی دیر میں پہنچنے کا وعدہ کیا۔ میں نے انھیں اپنے ساتھ 'اللطیف' کے لیے ایک مضمون لانے کی بات کہی تو رضا مند ہوگئے۔ میں نے شب کے بارہ بجے تک ان کا انتظار کرتا رہا لیکن وہ پہنچ نہیں سکے۔ میرے ویلور لوٹنے کے دو تین دن بعد رفیق محترم علیم صبا نویدی کی زبانی ڈاکٹر اقبال کے انتقال پرملال کی خبر وحشت پہنچی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

ایک ملنسار و مخلص اور ہمدرد و خیرخواہ رفیق و صدیق کی دائمی فرقت کی خبر سے ایک جھٹکا سا لگا۔ دل بھر آیا۔ زبان سے مغفرت کی دعا نکلی اور اب بھی جب کبھی ان کی یاد آجاتی ہے تو ان کے لیے ایصال ثواب کرلیتا ہوں۔ دنیا سے گزرے ہوے لوگوں کی بس یہی ایک موافق شرع شریف خدمت ہے۔ جو اُن کی برزخی زندگی میں کی جاسکتی ہے۔

ڈاکٹر اقبال کے ساتھ جو ملاقاتیں رہیں ان میں ایک ملاقات میرے لیے بڑی عبرت خیز ثابت ہوی۔ ۱۹۸۰ء میں اپنی شادی کے بعد اہلیہ کے ساتھ پہلی مرتبہ حیدرآباد جانے کا اتفاق ہوا۔ جہاں میرے خالو خسر جناب عبدالمجید صاحب مالک واحد واچ کمپنی حیدرآباد رہتے تھے۔ جب اُن کے مکان پہنچا تو رات ہوچکی تھی۔ ان کے گھر چند لمحے بھی نہیں ٹھہرا کہ وہاں سے فوراً نکل کھڑا ہوا اور آٹو کے ذریعہ ڈاکٹر اقبال کے گھر پہنچا۔ وہ مجھے اپنے دروازے پر کھڑا دیکھا تو خوشی سے پھولے نہ سمائے گلے لگالیا۔ ان کے ساتھ ہی رات کا کھانا ہوا۔ اور رات گئے مختلف باتیں ہوتی رہیں۔ شب کے گیارہ بج گئے تو ڈاکٹر اقبال نے کہا، تمھیں کہاں جانا ہے۔ اسکوٹر پر چلیں گے مجھے پتہ بتلائیے۔ اب میری حیرانی کی انتہا نہ رہی مجھے صرف خالو خسر کا نام ضبط ذہن تھا۔ ان کا محلہ، علاقہ، مکان وغیرہ کسی بات کا علم نہ تھا اور ان کے گھر سے نکلتے وقت مجھے یہ خیال تک نہ آیا کہ میں اس وقت ایک نئے اور بڑے شہر میں ہوں۔ پتہ وغیرہ اپنے ساتھ رکھنا چاہیے۔ ڈاکٹر اقبال بھی پیش آمدہ صورت حال سے کافی بے چین اور مضطرب ہوگئے۔ کہ میرے گھر والے اور خالو خسر کے گھر میں کتنے پریشان ہوں گے۔ یہ زمانہ سیل کا نہیں تھا۔ فون سے رابطہ قائم کرنے کے لیے ان کے گھر فون بھی نہیں تھا۔ مزید طرفہ طرازی یہ رہی کہ اسی شب کے شروع حصہ میں سعید پہلوان کو قتل کردیا گیا تھا جس کی وجہ سے پرانے شہر کی ساری دکانیں بند ہوچکی تھیں۔ راستے سنسان ہوچکے تھے۔ ہر طرف ہو کا عالم تھا۔ ایسی وحشت اور دہشت ناک فضا میں ڈاکٹر اقبال مجھے اپنی اسکوٹر پر بٹھائے ہوے اپنے

گھر سے نکل کھڑے ہوئے۔ مجھے اپنی رہائش گاہ کے قریب میں واقع ایک ہوٹل 'شاد کیفے' کا نام یاد آگیا۔ تو ہم لوگ اس مقام پر پہنچے۔ وہ بھی بند ہو چکا تھا۔ اگر کوئی آدمی نظر آتا تو ڈاکٹر اقبال لپک کر اس کے پاس پہنچتے تاکہ منزل کا پتہ معلوم کر سکیں اللہ اللہ کر کے بڑی مشکل اور بڑی دیر کے بعد ایک صاحب ریش معمر آدمی ملے۔ انھوں نے عبدالمجید صاحب کا پتہ بتلایا اس موقعہ پر ہم نے "اراۃ الطریق" کو خطرہ سمجھ کر "ایصال الی المطلوب" کی دلالت کو مفید سمجھا اور اس راہ بر کو ساتھ لے کر منزل کی طرف چل پڑے اور شب کے سہ پہر گھر میں داخلہ ملا۔ اور ڈاکٹر اقبال ایک ٹھنڈی سانس لیتے ہوئے اپنی منزل کی طرف لوٹ گئے۔

زندگی کا یہ واقعہ میرے لیے بڑا عبرت خیز ثابت ہوا۔ اس کے بعد میں جب بھی کسی نئے شہر پہنچا ہوں تو سب سے پہلے اپنی رہائش گاہ کا پتہ اپنے پاس رکھ کر ہی باہر قدم نکالتا ہوں۔

ڈاکٹر اقبال بسیار گو اور قہقہہ زار آدمی نہ تھے۔ ممکن ہے وہ اپنے انتہائی بے تکلف دوستوں کے درمیان اس صفت سے متصف رہے ہوں۔ لیکن ایک مرتبہ میرے ساتھ ایسا واقعہ پیش آیا کہ ہنستے ہنستے ان کی آواز بند ہو گئی۔ میں اپنی کتاب "توسل نبوی ﷺ کی شرعی حیثیت" کا مسودہ بذریعہ پوسٹ ڈاکٹر اقبال کو بھیج دیا کہ اس کی کتابت اور طباعت کروائیں۔ انہوں نے حیدرآباد کے معروف صاحب فن کاتب جناب سلام خوشنویس سے کتابت کروائی۔ کتابت میں غیر معمولی تاخیر ہو گئی یہاں تک کہ کتاب کے اجراء کی تاریخ قریب تر ہو گئی تو میں خود حیدرآباد پہنچا۔ ڈاکٹر اقبال مجھے اپنے ہمراہ لیے ہوئے جناب سلام خوش نویس کے گھر پہنچے سلام صاحب سر جھکائے کتابت میں محو تھے۔ ڈاکٹر اقبال نے کہا: آپ نے بڑی تاخیر کر دی۔ دیکھیے یہ ویلور سے آپہنچے ہیں۔ سلام خوش نویس نے مجھے کبھی نہیں دیکھا تھا پہلی مرتبہ اس کتاب سے غائبانہ متعارف رہے۔ میری طرف متوجہ ہوئے اور کہنے لگے۔ یہ کتابت شدہ کاغذات ہیں۔ دیکھیے میں آپ کے استاد ہی کی کتابت کر رہا ہوں۔ اب صرف چند صفحات رہ گئے ہیں۔ اتنا سننا ہی تھا ڈاکٹر اقبال بے ساختہ زور سے ہنسنے لگے تو سلام خوش نویس حیران رہ گئے۔ ڈاکٹر اقبال نے کہا: یہ صاحب مولانا بشیر الحق کے شاگرد نہیں ہیں، خود مولانا بشیر الحق ہیں۔ سلام صاحب انتہائی حیرت و تعجب کے ساتھ کہنے لگے۔ اس کتاب کے سرورق پر آپ کا طویل اسم گرامی اور ڈگریاں اور آپ کی تحریر پڑھ کر میں یہ سمجھ بیٹھا تھا کہ اس کا مصنف عمر دراز اور ریش سفید آدمی ہوگا۔ آپ تو پچیس سال کے جوان نکلے

سلام خوش نویس کے ذہن میں بنی ہوی میری تصویر سے مجھے ایک نیا سبق یہ ملا کہ لوگوں کے تصورات کا حقیقت اور نفس الامر سے مطابقت رکھنا ضروری نہیں ہے۔ اگر یہ تصورات کسی شخص کے سراپا اور حلیہ سے متعلق ہوں تو یہ چنداں قابل التفات نہیں ہیں۔ لیکن یہی تصورات کسی شخص کے علم و ادب اور فن و ہنر اور کمال سے متعلق قائم ہو جائیں تو وضع الشئی فی غیر محلہ ظلم (کسی چیز کو اس کے محل اور مقام نہ رکھنا ظلم ہے) [بقیہ صفحہ 188 پر ملاحظہ ہو]



سریہ جات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

دوسری قسط

محمد شریف برکاتی۔ آمبور

سریہ: وہ جنگ یا لڑائی جس میں حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے شرکت نہ کی ہو۔ بلکہ کسی صحابی کو امیر لشکر بنا کر بھیجا ہو۔

غزوہ: وہ جنگ یا لڑائی جس میں خود حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے امیر لشکر کی حیثیت سے شرکت کی ہو اور علم کسی صحابی کو دیا ہو۔

ہجرت کا ساتواں سال

۱ شعبان کے مہینے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو تیس ۳۰ صحابہؓ کا امیر بنا کر تربہ روانہ فرمایا۔ یہ جماعت دن کو چھپتی، رات کو سفر کرتی وہاں پہنچی تو قبیلۂ ہوازن اطلاع پا کر فرار ہو گئے

۲ اسی ماہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو سالار بنا کر ایک فوج بنی فزارہ کی طرف روانہ فرمایا۔ وہاں پہنچ کر بنی فزارہ کو شکست دی۔ قبیلہ کی خوب صورت ترین عورت گرفتار ہوئی۔ اسے سلمہ بن الاکوع کو دے دیا اور مکہ کی طرف چلے تاکہ اس کی رہائی کے بدلہ چند مسلمان جو ان کے پاس قید ہیں ان کو رہا کرائیں۔

۳ اسی شعبان کے مہینے میں بشیر بن سعد انصاری کی معیت میں تیس ۳۰ مجاہدوں کو بنی مرہ پر حملہ کے لیے روانہ فرمایا، جو فدک کے قریب بسیرا کر رہے تھے۔ وہاں پہنچ کر ان کے جانوروں کو ہلاک کر کے مدینہ چلے آرہے تھے۔ بنی مرہ نے اطراف کے قبیلے والوں کی مدد سے ان پر حملہ کر دیا اور ایک کے سوا سب کو شہید کر دیا۔ بشیر بن سعد انصاری زخمی حالت میں فدک کے یہود کے پاس آئے۔ کچھ دن آرام کر کے مدینہ واپس آئے۔

۴ رمضان میں غالب بن عبداللہ لیثی کو ایک سو تیس ۱۳۰ جوانوں کا سردار بنا کر نجد کے قریب میضعہ مقام روانہ فرمایا۔ وہاں پہنچ کر دشمن کے جانوروں پر قبضہ پایا اور مدینہ واپس آئے۔ اسامہ بن زید نے ایک کافر کے

لا الٰہ الا اللہ کہنے پر مارا۔ یہ سن کر حضور اکرمؐ خفا ہوئے۔ اسامہ نے کہا: اس نے دل سے نہیں کہا، تو حضورؐ نے فرمایا: کیا تم نے اس کا دل چیر کر دیکھا؟!

۵ شوال میں بشیر بن سعد کو تین سو مجاہدوں کا سردار بنا کر بنی فزارہ جو یمن اور جبار پر مقیم تھے۔ وہاں پہنچنے پر انھیں معلوم ہوا کہ غطفان مدینہ پر ڈاکہ ڈالنے جمع ہو رہے ہیں۔ اور عیینہ بن حصن بھی ان کا ساتھ اور مدد دینے آرہا ہے۔ بشیر اور مجاہدین نے حملہ کر کے غارت گری سے کفار بھاگ نکلے۔

۶ ماہ ذی الحجہ میں بنی سلیم کی سرکوبی کے لیے ابن ابی العوجا سلمی کو پچاس جوانوں پر سردار بنا کر روانہ فرمایا۔ کفار کو اطلاع ہوی۔ وہ بھی تیار ہو کر مقابلہ کے لیے آئے۔ کفار تعداد میں بہت تھے۔ اکثر مسلمان شہید ہوئے میر لشکر بھی زخمی ہوئے۔ غرۂ صفر کو مدینہ پہنچے۔

ہجرت کا آٹھواں سال

۱ ماہِ صفر میں حضور اکرمؐ نے غالب بن عبداللہ لیثی کی سرکردگی میں بیس صحابہ کو بنی ملوح کی سرکوبی کے لیے روانہ فرمایا۔ یہ وہاں پہنچ کر حملہ کیا اور ان کے جانوروں پر قبضہ کر کے واپس ہو رہے تھے۔ کہ بنی ملوح اکٹھا ہو کر ان کا پیچھا کیا۔ اس وقت آسمان ابر آلود تھا۔ یکایک زوردار بارش ہوی۔ پانی کا سیلاب لشکر اسلام اور کافروں کے درمیان آگیا۔ کفار آگے نہ بڑھ سکے۔ مسلمان مدینہ واپس آگئے۔

۲ اسی ماہ میں زبیرؓ بن العوام کی افسری میں دو سو صحابہؓ کو فدک روانہ فرمایا۔ جہاں بشیر بن سعد شہید ہوئے تھے۔ غالب بن عبداللہ فتح یاب ہو کر واپس آرہے تھے۔ حضور اکرمؐ نے زبیرؓ بن العوام کی جگہ غالب کو سرداری دی۔ انھوں نے شب خون مارا۔ ان کے بہت سے آدمی مارے گئے۔ بہت سے جانور اور غنیمت کے ساتھ واپس آئے۔

۳ شجاع بن اسدی کو چوبیس کا امیر بنا کر ہوازن کے قبیلہ جو چشمہ رکسی پر رہتے تھے، کی گوشمالی کے لیے بھیجا۔ وہاں پہنچ کر شب خون مارا۔ ہوازن کے قبیلے والے بھاگ گئے۔ غنیمت، اونٹ، بکریوں کے ساتھ پندرھویں دن مدینہ واپس ہوئے۔ یہ سریہ ربیع الاول میں بھیجا گیا تھا۔

۴ ربیع الاول میں کعب بن عمیر غفاری کی سرکردگی میں پندرہ مجاہدین کو وادی القریٰ سے شام کے علاقہ میں ذات اطلاح روانہ فرمایا۔ مسلمانوں نے ان کے سامنے اسلام کی دعوت رکھا۔ انھوں نے جنگ کی تیاری کی اور تیر اندازی شروع کردی۔ مسلمانوں نے مقابلہ کیا۔ ایک زخمی ہوئے باقی شب شہید ہوئے

زخمی صحابی بچ بچاکر مدینہ پہنچے ۔حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطلاع ہوئی ۔آپ ؐ نے چاہا کہ ایک بڑی فوج بھیجے معلوم ہوا کہ اس قوم نے وہ مقام چھوڑ دیا ہے ۔اس لیے فوج کی روانگی نہ ہوئی ۔

۵ جمادی الاوّل میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے حارث بن عمیر ازدی کو خط دے کر روم کے بادشاہ کی طرف بھیجا ۔جب شام کے علاقہ میں مقام موتہ پہنچے تو وہاں کے حاکم شرجیل بن عمر غسانی نے انھیں گرفتار کرکے قتل کردیا ۔چوں کہ ایلچی (قاصد) کو قتل کرنا خلاف قانون ہے ۔حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم زیدؓ بن حارثہ کی سپہ سالاری میں تین ہزار مجاہدین کا لشکر روانہ فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا: زیدؓ شہادت پا جائیں تو جعفر طیارؓ سپہ سالار ہوں اگر وہ بھی شہید ہو جائیں تو عبداللہ بن رواحہؓ امیر لشکر ہوں گے ۔وہ بھی شہید ہو جائیں تو مجاہدین کو اختیار رہے کہ وہ اپنے میں سے کسی کو امیر منتخب کرلیں ۔زیدؓ بن حارثہ کو پرچم دیتے ہوئے ہوئے فرمایا: حارث کے قتل کی جگہ جاکر کفار کو اسلام کی دعوت دینا، ایمان نہ لائیں تو جزیہ دینا قبول کرلیں اور اس کو بھی نہ مانیں تو اللہ سے مدد مانگ کر جنگ شروع کردینا ۔لشکر کو وداع کرنے حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم ثنیتہ الوداع تک تشریف لے گئے ۔

حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے مجاہدین سے امیرانِ لشکر کی شہادت اور انتخاب کے بارے میں جو ارشاد فرمایا وہ ایک یہودی نعمان بن رہطی جو وہاں موجود تھا سُن رہا تھا: اس نے کہا: اگر محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) اللہ کے سچے رسول ہیں تو لشکر کے تینوں امیر مارے جائیں گے ۔

غرض یہ لشکر شام کے علاقہ معاّن پہنچا ۔جاسوس نے خبر دی کہ روم کے بادشاہ ہرقل دو لاکھ کی فوج جمع کرکے بلقاء کی سرحد مآب پر ڈیرے ڈالے ہے ۔غسانی اور جذام کے قبیلے والے بھی جمع ہیں ۔مسلمانوں نے موتہ میں ڈیرے ڈالے ۔دونوں طرف کے جنگجوؤں میں شدید جنگ ہوئی ۔ارشاد نبوی ؐ کے مطابق تینوں امیرانِ لشکر ایک کے بعد ایک شہید ہوئے ۔آخر حضرت خالد بن ولیدؓ سردارِ لشکر مقرر ہوئے ۔دوسرے دن کی جنگ میں کفار نے ہزیمت پائی ۔

حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے جنگ کی پوری کارروائی منبر پر بیٹھے اصحابؓ کو سنا رہے تھے ۔جعفر طیارؓ کی شہادت پر حضور ؐ کو بہت رنج ہوا ۔جب اسلامی لشکر مدینے کے قریب پہنچا حضور اکرم ؐ نے مجاہدین کا استقبال فرمایا ۔

۶ جمادی الآخر میں عمرو بن العاص کی سرکردگی میں تین سو مجاہدین کا ایک لشکر قبیلہ خزاعہ کی سرکوبی کے لیے روانہ فرمایا ۔یہ قبیلہ مدینے سے پانچ روز کی مسافت پر ذات السلاسل کے مقام پر پانی کے چشمہ آباد تھا ۔اور مدینہ پر ڈاکہ ڈالنے جمع تھا ۔اس لشکر میں مہاجر اور انصار شامل تھے ۔سعید بن زید، سعد بن ابی وقاص عامر بن ربیعہ، صہیب بن سنان، اسید بن حضیر اور سعد بن عبادہ شامل تھے ۔لشکر رات میں سفر کرتا اور دن میں قیام

کرتا ہوا جب قریب پہنچے۔ کفار کی کثرت معلوم ہوئی۔ کمک کے لیے رافع بن کمیث کو بھیجا۔ حضورؐ نے کیفیت سن کر مہاجر اور انصار سے مزید دو سو۲۰۰ مجاہدین ابوعبیدہ بن الجراح، صدیقِ اکبر اور فاروقِ اعظم رضوان اللہ عنھما بھیجا گیا۔ ابوعبیدہ بن الجراح اور عمرو بن العاص میں کچھ نااتفاقی پیدا ہوئی۔ حضور اکرمؐ کی تاکید سے دونوں میں اتفاق ہوگیا۔ وہ سب لشکر میں شامل ہوگئے۔ حضرت عمرو بن العاص کی امامت میں نماز ادا ہوئی۔ نماز کے بعد کوچ کرکے جنگ کے مقام پر پہنچے۔ حملہ کرکے دشمن کفار کو بھاگنے پر مجبور کردیا۔ سلامتی سے یہ لشکر مدینہ پہنچا۔

رجب کے مہینے میں مہاجر اور انصار کے تین سو۳۰۰ افراد کا ایک لشکر ابوعبیدہ بن الجراح کی زیرِ سرکردگی جہینہ قبیلے کی سرکوبی کے لیے روانہ فرمایا۔ جس میں حضرت عمر فاروقؓ بھی شامل تھے۔ راستہ میں توشہ ختم ہوگیا۔ تو خبط یعنی کیکر کے پتے کھانے لگے۔ سعد بن عبادہ نے ۱۹ اونٹ ذبح کیا پھر اور اونٹ قرض لے کر ذبح کرنے لگے۔ سردار لشکر ابوعبیدہ نے اونٹ ذبح کرنے سے روکا۔ اونٹ ذبح ہوجائیں تو باربرداری مشکل ہوجائے گی۔ دریا سے عنبر نامی مچھلی نکل آئی لوگ پندرہ دنوں تک اس کا گوشت کھایا۔ اس کی چربی بدن پر لگانے سے سب کے ہاتھ پاؤں میں طاقت آئی۔ اس سریہ کو سریۂ خبط بھی کہتے ہیں۔

۸ ماہِ شعبان میں ابوقتادہ بن ربعی کو امیرِ لشکر بنا کر پندرہ۱۵ مجاہدین کے ہمراہ بنی غطفان کی سرکوبی کے لیے مقام خَضرت بھیجا۔ وہاں پہنچ کر شب خون حملہ میں اس قبیلے کے عمدہ لوگ مارے گئے دوسرے بھاگ گئے۔ چند عورتیں اور غنیمت میں جانور ملے خمس نکال کر مجاہدین میں تقسیم کیا گیا تو ہر ایک کے حصہ میں پندرہ پندرہ اونٹ ملے۔

۹ رمضان میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوقتادہ بن ربعی کے ساتھ ساٹھ۶۰ مجاہدین کو بطن اضم روانہ فرمایا۔ وہاں پہنچے تو کسی کو نہ پایا۔ واپسی میں معلوم ہوا کہ حضور اکرمؐ فتحِ مکہ کے لیے تشریف لے جارہے ہیں۔ سقیا مقام پر حضور اکرمؐ سے جاملے۔

۱۰ اسی مہینے میں سرکارِ مدینہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ابن ابی حدرد کے ہمراہ ۲ افراد کو غابہ کی طرف روانہ فرمایا۔ بنی جشم کا سردار رفاعہ بن قیس غابہ میں ٹھہرا ہوا تھا۔ قیس کے قبیلہ سے مدد طلب کررہا تھا۔ اس کا حال دریافت کرنے حضورؐ نے انھیں روانہ فرمایا۔ ابن ابی حدرد ان کے گھروں کے نزدیک پوشیدہ ہوگیا۔ رفاعہ بن قیس کا چرواہا اس کے جانور نہیں لایا تھا۔ اس کی تلاش میں باہر نکل آیا۔ اس کے سامنے آتے ہی ابن ابی حدرد نے تیر چلایا۔ تیر اس کے دل پر لگا۔ رفاعہ اسی جگہ مرگیا۔ ابن ابی حدرد نے اس کا سر کاٹا اور اپنے ساتھیوں کے ساتھ مدینہ آگئے۔

۱۱ پچیس رمضان کو حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم خالد بن ولید کے ہمراہ تیس۳۰ صحابہ دیا اور فرمایا نخلہ جاکر عزّیٰ دیوی کو توڑ ڈالیں۔ عزّیٰ کی پوجا قریش اور بنی کنانہ کرتے تھے۔ خالد نخلہ پہنچے اور اسے توڑ ڈالا

اور حضورؐ کو اطلاع دی۔ آپؐ نے کہا: تم نے اُسے نہیں توڑا، جاؤ! اُسے توڑ آؤ۔ خالد واپس بطن نخلہ آئے۔ دیوی کی جگہ ایک بہت ہی کالی عورت۔ بال کھولے تلوار کے ساتھ، مادر زاد برہنہ باہر نکلی۔ خالد نے تلوار مار کر اس کے دو ٹکڑے کر دیے خالد نے حضورؐ کو اطلاع دی تو آپؐ نے فرمایا: عزّیٰ وہی تھی، ماری گئی۔

۱۲ اسی ماہ میں عمرو بن العاص کو ہذیل نامی علاقہ میں سواع نامی بت کو توڑنے کے لیے بھیجا گیا۔ عمرو بن العاص وہاں پہنچے تو پجاری نے کہا: اس بت کو توڑو گے تو فوراً سزا ملے گی۔ عمرو نے اسے توڑ ڈالا۔ جب ان پر کچھ اثر نہ ہوا تو پجاری نے اللہ واحدٌ کا اقرار کیا۔

۱۳ اسی ماہ میں سعد بن زید اشہلی کو بیس سواروں کے ساتھ خزرج اور غسان قبیلے کے معبود کو توڑنے کے لیے بھیجا گیا۔ جب وہاں پہنچے۔ تو اس کے پجاری نے للکارا۔ وہ بت کے قریب پہنچے ہی تھے کہ ایک برہنہ عورت بال کھولے نکلی۔ اسے قتل کیا اور بت کو توڑا۔ حضورؐ کی خدمت میں پہنچے۔

۱۴ شوال کے مہینے میں حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین، انصار اور بنی سلیم کے تین سو پچاس ۳۵۰ صحابہؓ کو بنی خزیمہ کی طرف تبلیغ اسلام کی طرف بھیجا۔ یہ قبیلہ مکہ سے ایک روز کی راہ پر تھا۔ لشکر وہاں پہنچا لشکر کی کمان خالد بن ولید کر رہے تھے۔ قبیلہ والے سب مسلمان ہوئے اور صبانا صبانا کہا (یعنی ہم دوسرے دین میں آئے)۔ خالد نے اسے قبول نہ کیا۔ انھیں قید کر لیا۔ سویرے حکم دیا کہ ان سب کو قتل کر دیا جائے۔ بنی سلیم نے اپنے قیدیوں کو قتل کر دیا۔ مہاجر اور انصار نے انکار کر دیا۔ عبدالرحمٰن بن عوف اور خالد بن ولید میں جھگڑا ہوا۔ دونوں میں تلخ گفتگو ہوئی۔ حضورؐ کو خبر ملتے ہی حضرت خالد پر خفا ہوئے اور حضرت علی کو بھیجا تاکہ جو مارے گئے ان کے ورثاء کو راضی کر کے دیت دلوائے۔ مال و اسباب کی پامالی کا بدلہ عنایت فرمائے۔

۱۵ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے ابو عامر اشعری کو فوج کا امیر بنا کر اوطاس روانہ فرمایا کفار اُن کے مقابلہ کو آئے۔ مشرکین میں دس بھائی تھے۔ ابو عامر سے مقابلہ کے لیے ایک کے بعد ایک آتا گیا۔ نو بھائی قتل ہوئے۔ ایک بچ کر بھاگ نکلا۔ بعد میں یہ بھی آیا اور مسلمان ہو گیا۔ حضرت نے اس کو شریدِ ابو عامر کہہ کر پکارا کرتے تھے۔ ایک کافر کے تیر سے ابو عامر شہید ہو گئے۔ پرچم ان کے بھتیجے ابو موسیٰ اشعری کے حوالہ کر کے سپہ سالار بنایا گیا۔ ان کو فتح حاصل ہوئی۔ عورتوں اور بچوں کو قیدی بنایا گیا۔ ان قیدیوں میں حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی رضاعی بہن شیما بنت حلیمہؓ بھی تھیں۔ حضورؐ کو معلوم ہوا تو آب دیدہ ہوئے۔ اپنی چادر بچھا کر بٹھایا۔ فرمایا: مرضی ہو تو ہنسی خوشی سے رہو۔ اگر اپنی قوم میں جانا چاہو تو عزت سے روانہ کروں گا۔ شیما نے واپس جانے کا ارادہ ظاہر کیا۔ حضرتؐ نے ایک باندی اور ایک غلام عنایت فرمایا اور عزت سے روانہ فرمایا۔ شیما نے اسلام قبول فرمایا اور اپنے قبیلے میں واپس ہوئیں۔

۱۶ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم طفیل بن عمرو دوسی کو ذوالکفین کے بت ڈھانے کے لیے روانہ فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا: بت مسمار کرنے کے بعد اپنی قوم کے ساتھ طائف میں آکر ملو۔ طفیل حسب فرمان عمل کرنے کے بعد اپنی قوم کے چار سو افراد کے ساتھ طائف میں حاضری دی۔

ہجرت کا نواں سال

۱ محرم میں عینیہ بن حصن کے ساتھ پچاس سوار دے کر بنی تمیم کی سرکوبی کے لیے بھیجا۔ یہ دن کو چھپتے، شب کو چلتے ان کے مقام پر پہنچے اور جنگ کی۔ جنگ میں ان کے گیارہ مرد، اکیس عورتیں اور تیئیس بچے گرفتار ہوئے۔ قوم تائب ہو کر حاضر خدمت ہوئی۔ اسلام قبول کیا۔ اُن کا لوٹا ہوا مال مرد، عورتیں اور بچے واپس کردیے گئے

۲ صفر کے مہینے میں قطبہ بن عامر بیس صحابہ کے ساتھ خشعم بھیجا گیا۔ شب خون مارا جس میں چند افراد قتل ہوئے۔ عورتیں اور چاتور اور مالِ غنیمت ملا۔

۳ ربیع الاول میں ضحاک بن سفیان کے ساتھ چند صحابہ کو بنی کلاب کو دعوتِ اسلام دینے کے لیے روانہ فرمایا۔ بنی کلاب دعوت قبول نہیں کیا مقابلہ کے لیے تیار ہوگئے۔ مقابلہ میں کفار کو ہزیمت ہوئی۔ مال غنیمت اور اسباب لے کر مدینہ واپس لوٹ آئے۔

۴ ربیع الآخر میں علقمہ زیدی کے ماتحت تین سو صحابہ کر کے حبشیوں کی سرکوبی کے لیے جدہ روانہ فرمائے۔ حبشیوں کا ٹھکانہ جزیرہ تھا۔ جب یہ فوج دریا تیر کر وہاں گئے تو حبشی لوگ بھاگ گئے۔

۵ اسی مہینے میں حضرت علیؓ کی معیت میں ڈیڑھ سو صحابہ کو کر کے بنی طے کے بُت فلس کو توڑنے کے لیے بھیجا۔ دو سو گھوڑے اور سو اونٹ سواری کے لیے عنایت فرمایا۔ وہاں پہنچ کر شب خون مارا اور فلس بُت کو توڑ پھوڑ کر نابود کردیا۔ حاتم طائی کا بیٹا عدی شام کی طرف نکل گیا۔ قیدیوں میں حاتم طائی کی بیٹی بھی تھی۔ حضورؐ نے اُسے آزاد کردیا۔ وہ اسلام لے آئی۔ شام کی طرف جاکر اپنے بھائی عدی کو ساتھ لائی۔ وہ بھی ایمان لے آیا۔

۶ اسی ماہ میں سرکارِ مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عکاشہ بن محصن کو خباب کی طرف بھیجا۔

۷ تبوک کی جنگ جیتنے کے بعد خالد بن ولید کو امیر لشکر بنا کر چار سو بیس سواروں کے ہمراہ دومۃ الجندل کے حاکم اکیدر بن عبدالمالک کو گرفتار کر کے لانے کے لیے بھیجا۔ یہ ایک نصرانی تھا جو بڑی اور اقتدار کا مالک تھا۔ حضورؐ نے فرمایا: وہ رات کو جنگلی گائے کے شکار کو نکلے گا۔ اس کو اسیر کر کے یہاں لے آؤ۔ رات کے وقت یہ لشکر قلعہ کے قریب پہنچا۔ چاندنی رات تھی۔ بالاخانہ پر اپنی بیوی کے ساتھ بیٹھا تھا۔ ایک جنگلی گائے کہیں سے آئی اور اس کے دروازے کو سینگوں سے گھسنے لگی۔ بیوی نے کہا: عجیب اتفاق ہے کہ آج شکار خود آگیا، شکار کرلو۔ وہ نیچے آیا۔ گھوڑے پر سوار ہوا۔ چند رفیقوں کے ساتھ باہر نکلا۔ اسے دیکھتے ہی اسلامی لشکر نے گھیر لیا۔ اس کا بھائی حسان قتل ہوا۔ اکیدر کو گرفتار کرلیا اور حضور اقدسؐ میں پیش کیا۔ اس نے جزیہ دینے کے ساتھ

دو ہزار اونٹ، آٹھ سو گھوڑے، چار سو بکتر اور چار سو نیزے دے کر رہائی پائی۔

دسواں سالِ ہجرت

1 خالد بن ولید کو لشکر کا امیر بنا کر نجران کے بنی حارث اور بنی عبد المدان کو دعوت اسلام دینے روانہ فرمایا۔
آپؐ کی دعوت پر سب اسلام لے آئے۔ قیس بن الحصن اور یزید بن عبد المدان حاضر خدمت ہوئے۔ چند روز مدینہ میں رہے اور انعامات حاصل کر کے روانہ ہوئے۔ قیس بن الحصن کو سردار مقرر فرمایا۔

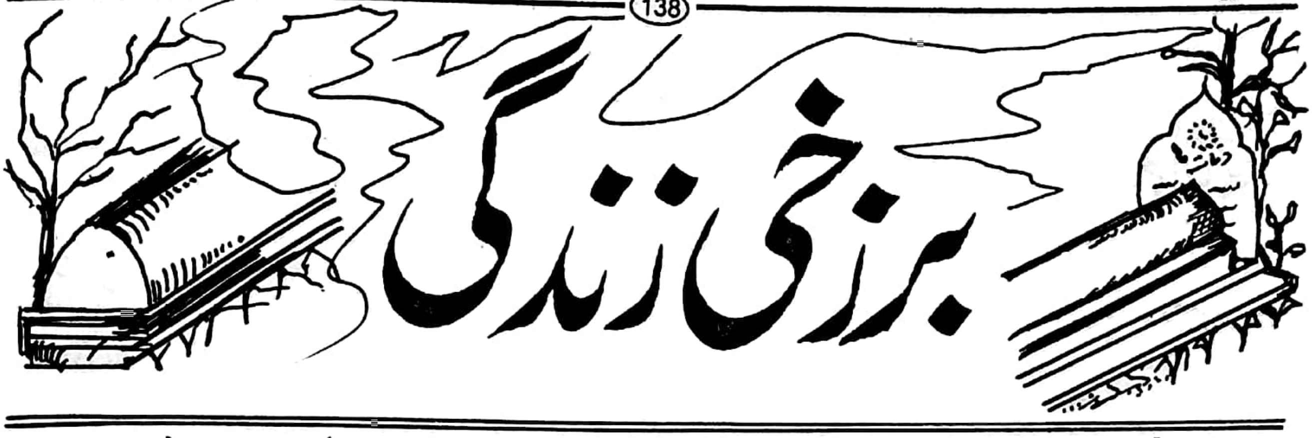
2 رمضان میں حضرت علی کی سرداری میں تین سو صحابہ کو ساتھ کر کے یمن کو بھیجا۔ پگڑی اور جھنڈا خود حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے دستِ مبارک سے عطا فرمایا۔ بنی مدحج ان کو دیکھ کر بھاگ گئے یہاں غنیمت حاصل کر لیا۔ کچھ ہی دیر میں پوری قوم اکٹھا ہوئی اور مقابلہ کرنے لگی۔ حملوں کی تاب نہ لا سکی اور بھاگ نکلی۔ آخر ان کے سرداروں نے اسلام قبول کر لیا۔ یہ اطلاع حضورؐ کو دی گئی۔ حضور اکرمؐ نے معاذ اور ابوموسیٰ اشعری کو یمن کا حاکم بنا کر بھیجا۔ حضرت علیؓ مرتضیٰ حاضر خدمت ہوئے۔

ہجرت کا گیارھواں سال

حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے دوشنبہ ۲۶ صفر کو رومیوں سے جنگ کرنے کے لیے ایک فوج ترتیب دی۔ اس فوج میں مہاجرین، انصار کے عمائدین شامل تھے۔ حضرت عمرؓ، ابوعبیدہ بن الجراح، سعد بن ابی وقاص، سعید بن زید اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہما شامل تھے۔ بعد میں حضور اکرمؐ نے اپنی بیماری کی وجہ سے امامت کے لیے حضرت ابوبکر کو اسامہ بن زیدؓ امیر لشکر سے مانگ لیا۔ اس فوج کی سرداری اسامہ بن زید کو عنایت فرمائی۔ چند صحابہ کو اعتراض تھا حضورؐ نے صحابہ کو سمجھایا کہ اس کا باپ بھی سرداری کے لائق تھا اور اسامہ بھی۔ پنجشنبہ کے دن یہ لشکر مدینہ کے باہر جرف میں ڈیرے ڈالا تھا۔

آخر دوشنبہ کے دن روحِ عالیؐ قبض ہوئی۔ یہ خبر سن کر اسامہ بن زید، حضرت ابوبکر، عمر، ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہم مدینہ پہنچے۔ آپؐ کی وفات کی وجہ سے یہ لشکر روانہ نہیں ہوا۔ صدیق اکبر کی خلافت میں حضور اکرمؐ کی تجہیز و تکفین اور تدفین، صحابہ کے ماتم وغیرہ سے فراغت کے بعد حضرت ابوبکر نے حضرت عمر کو اسامہ سے مانگ لیا۔

حضرت ابوبکرؓ نے تمام مشکلات کا حل بحسن و خوبی انجام دینے کے بعد حضور اکرمؐ نے جس پرچم کو باندھا اور روانہ کرنے کی تاکید فرمائی اُسے نہ کھولوں گا۔ غرۂ ربیع الآخر کو حضرت ابوبکر نے کچھ دُور پیدل چل کر اسامہ بن زید اور لشکر کو کوچ کا حکم دیا بیس روز کے بعد یہ لشکر شہر ابنیٰ پہنچا۔ شب خون میں بہت سے مارے گئے۔ مغرب کے وقت وہاں سے کوچ کیے۔ نو روز میں وادی القریٰ پہنچے۔ وہاں سے چھ روز میں مدینہ آئے۔ یہ آخری لشکر تھا جو حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے روانہ فرمایا تھا۔ •••



برزخی زندگی

افضل العلماء مولوی سید نیاز احمد جمالی بی کام، ایم اے، پرنسپال جمالیہ عربک کالج ۔ پیرمبور چنئی

الحمد للہ رب العالمین وبہ نستعین والصلاۃ والسلام علی نبیہ الامین وآلہ وصحبہ اجمعین الی یوم الدین ۔ اما بعد !

قبر کی زندگی جسے برزخی زندگی کہا جاتا ہے، بالکل حق ہے۔ اس میں علماء اہل سنّت والجماعت کا اختلاف نہیں ہے یہ متفق علیہ عقیدہ ہے ۔ ماضی بعید میں معتزلہ اور دیگر باطل فرقوں نے اس برزخی زندگی کا انکار کیا اور عذابِ قبر کو غلط گردانا۔ ان لوگوں کے پاس قرآن وحدیث سے کوئی دلیل نہیں ہے محض عقل پرستی کی بنیاد پر انھوں نے اس عقیدۂ حقّہ اور حقیقتِ صادقہ کا انکار کیا۔

برزخی زندگی قرآن کی روشنی میں

اگر قرآن وحدیث کا جائزہ لیا جائے تو آیاتِ قرآنی اور حدیثِ نبویؐ قبر والی زندگی کی حقانیت پر شاہدِ عدل نظر آرہے ہیں۔

آدمی کے مرنے کے بعد سے وقوعِ پذیرِ حشر تک کی معیاد کو قبر والی زندگی یا برزخی زندگی کہا جاتا ہے چنانچہ قرآنِ مجید میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے حبیب نجّار کے بارے میں فرمایا کہ قیل ادخل الجنّۃ یعنی حبیب نجّار کو اُن کی شہادت کے فوراً بعد کہا گیا کہ جنّت میں داخل ہو جاؤ۔ یہ واقعہ سورۂ یٰسٓ میں مذکور ہے کہ جب حبیب نجار نے پیغمبروں کا تعاون کیا تو انطاکیہ والوں نے آپ کو شہید کر ڈالا۔ قرآن گواہی دے رہا ہے کہ وقوعِ شہادت کے بعد انھیں جنّت کی بہاروں میں پہونچا دیا گیا۔ پس معلوم ہوا کہ قرآن برزخی زندگی کا ثبوت پیش کر رہا ہے۔

اسی طرح قومِ نوحؑ کی ہلاکت کا واقعہ پیش کرتے ہوئے قرآنِ مجید نے فرمایا: مما خطیئاتھم اغرقوا فادخلوا نارًا۔ یعنی اپنی گنہگاریوں کے سبب غرق کر دیے گئے پس جہنم میں داخل کر دیے گئے۔ اغرقوا اور ادخلوا کے درمیان "ف" ترتیب علی الفور کو واضح کر رہا ہے۔ یعنی عذابِ الٰہی میں مبتلا ہو کر جب غرق ہوئے تو انھیں برزخی زندگی میں جہنمی بنایا گیا اور وہ جہنم کی صعوبتیں جھیل رہے ہیں۔

سورۂ فاطر میں فرعون اور اس کے اصحاب کے متعلق قرآنِ مجید نے فرمایا: النَّارُ یُعْرَضُونَ عَلَیْهَا غُدُوًّا وَّعَشِیًّا - یعنی فرعونیوں کو صبح و شام جہنم کی آگ پر پیش کیا جاتا ہے۔ فرعونیوں کو یہ عذابِ الٰہی عالمِ برزخ میں ہو رہا ہے۔ کیوں کہ اسی سے متصل پروردگارِ عالم نے فرمایا کہ" وَیَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ اَدْخِلُوْا آلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ" جس دن قیامت برپا ہوگی (فرشتوں کو حکم ہوگا) کہ فرعونیوں کو سخت ترین عذاب میں داخل کردو۔ معلوم ہوا کہ مذکورہ آیت میں دونوں مرحلوں کے عذاب کا ذکر کیا گیا ہے۔ پہلا مرحلہ برزخی زندگی کا اور دوسرا مرحلہ قیامت قائم ہونے کے بعد کا۔

برزخی زندگی احادیث کے آئینہ میں

قرآنی آیات کے بعد دلائل شرعیہ میں سے دوسری شرعی دلیل احادیثِ رسول ہیں۔

ذیل میں چند احادیث نبویہ برزخی زندگی کے متعلق پیش کی جارہی ہیں۔

عن عائشة رضی اللہ عنها ان یهودیة دخلت علیها فذکرت عذاب القبر فقالت لها اعاذك اللّٰهُ من عذاب القبر فسألت عائشةُ رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم عن عذاب القبر فقال نعم عذاب القبر حق - (متفق علیه)

بی بی عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ایک یہودن آپ کے پاس آئی اور اس نے عذابِ قبر کا ذکر کیا۔ کہنے لگی کہ اللہ تمہیں عذاب قبر سے محفوظ رکھے۔ جب رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو بی بی عائشہ رض نے حضورؐ سے عذابِ قبر کے متعلق استفسار کیا تو حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہاں! عذابِ قبر حق ہے۔ (بخاری و مسلم)

مذکورہ بالا احدیث سے معلوم ہوا کہ عذابِ قبر کی حقانیت کا عقیدہ اگلی کتابوں میں بھی مذکور تھا۔ جبھی تو یہودی عورت نے اس کا ذکر کیا اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے اس کی تصدیق و توثیق فرمائی۔

سماعِ موتیٰ

برزخی زندگی میں اہلِ قبور سنتے ہیں۔ وجودِ سماعت وجودِ زندگی پر دال ہے۔ چنانچہ صحیحین کی حدیث ہے

عن انس رض قال قال رسول اللہ صلے اللہ علیه وسلم ان العبد اذا وضع فی قبره وتولّی عنه اصحابه انه لیسمع قرع نعالهم۔ حضرت انس رض سے مروی ہے کہ حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب میّت کو قبر میں دفن کردیا جاتا ہے اور اس کے ساتھی رخصت ہونے لگتے ہیں ہیں تو صاحب قبر ان کی جوتیوں کی آہٹ سُنتا ہے۔ کسی چلنے والے کی جوتیوں کی آواز کو سُن لینا، اعلیٰ قوتِ سماعت کی دلیل ہے۔ پس حدیثِ مذکور سے اہلِ قبور کا سماع ثابت ہے۔ علیٰ ہٰذا القیاس صاحبِ قبر زائر کا سلام، اس کی تلاوت اور دیگر چیزیں بھی سُن سکتا ہے۔

اہلِ قبور اور تلاوتِ قرآن

اہلِ قبور اپنی برزخی زندگی میں نہ صرف سنتے ہیں بلکہ تلاوتِ کلام میں بھی مصروف رہتے ہیں۔ ترمذی شریف کی روایت ہے : عن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال ضرب رجل من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم خباءہ علی قبر وھو لا یحسب انہ قبر فاذا قبر انسانٍ یقراء سورۃ الملک حتی ختمھا فاتی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال یارسول اللہ ضربت خبائی علی قبر وانا لا احسب انہ قبر فاذا قبر انسان یقرأ سورۃ الملک حتی ختمھا فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ھی المانعۃ ھی المنجیۃ من عذاب القبر : حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا کہ صحابۂ کرامؓ میں سے کسی شخص نے ایک قبر پر اپنا خیمہ نصب کردیا اور انھیں گمان نہیں تھا کہ وہاں قبر ہے۔ پھر معلوم ہوا کہ وہ ایک قبر ہے اور صاحبِ قبر سورۂ ملک کی تلاوت کررہے ہیں یہاں تک کہ انھوں نے پوری سورۃ تلاوت کی۔ وہ صحابی گھبرا کر نبئ کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں پہونچے اور سارا واقعہ بیان فرمایا تو حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سورۂ ملک مانعہ یعنی روکنے والی ہے اور المنجیہ یعنی عذابِ قبر سے نجات دلانے والی ہے۔

مذکورہ بالا حدیث سے ثابت ہوا کہ اہلِ قبور کی برزخی زندگی بعض زندہ افراد پر منکشف ہوجاتی ہے بشرطیکہ انھیں صفاءِ قلب اور روحانی قوت حاصل ہو۔ حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابی کے کشف کی توثیق فرمادی اور واضح کردیا کہ اہلِ قبور تلاوت اور دیگر انواعِ عبادت میں مشغول رہتے ہیں اگر ان کی سابقہ زندگی اتباعِ شریعت اور پرہیزگاری میں گزری ہو۔

قبروں میں سوال

تدفین کے بعد اموات سے سوالات ہوتے ہیں۔ یہ سوالات رب، دین اور پیغمبر سے متعلق ہوتے ہیں۔ منکر نکیر سائل و ممتحن بن کر آتے ہیں۔ اس میں متعدد احادیث وارد ہیں۔ بطور نمونہ ایک حدیث پیشِ خدمت ہے۔

عن عثمان قال کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا فرغ من دفن المیت وقف علیہ فقال استغفرو الاخیکم ثم سلوالہ بالتثبیب فانہ الان یسأل ۔ رواہ ابوداؤد

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہٗ سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا کہ نبئ کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب تدفین سے فارغ ہوتے تو فرمایا کرتے تھے کہ اپنے مرحوم بھائی کے لیے دعاءِ مغفرت کرو اور اس کے حق میں ثابت قدمی کی دعا کرو اس لیے کہ وہ اب پوچھا جارہا ہے۔ (ابوداؤد)

سوال وجواب کا معاملہ بھی برزخی زندگی کی دلالت کرتا ہے۔ ورنہ بے جان وبے حس شئے سے کچھ پوچھنا اور اس سے جواب کی توقع رکھنا قرینِ عقل نہیں ہے۔

قبر کا منظر اول

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی سے سوال کیا گیا کہ موت کے بعد انسان میں حس و ادراک اور شعور کی قوت باقی رہتی ہے یا نہیں ؟ اور مردے اپنے زائرین کو پہچان سکتے ہیں یا نہیں ؟ آپ نے جواب دیا : انسان کو موت کے بعد حس و ادراک اور شعور باقی رہتا ہے ۔ کیوں کہ حدیثوں میں قبر کے اندر عذاب و ثواب کا ذکر ہے اور حس و ادراک کے بغیر عذاب و ثواب کیسے ممکن ہے اور موتی پر سلام بھیجنے اور دعا پڑھنے کا حکم ہے ۔ انتم سلفنا و نحن بالاثر وان شاء اللہ بکم لاحقون : آپ لوگ ہم سے پہلے جا چکے ہیں اور ہم بھی تمہارے پاس آنے والے ہیں ۔ اللہ تعالیٰ سے ہم اپنے لیے اور تمہارے لیے عافیت طلب کرتے ہیں ۔

قبر کی منزل میں جب نکیرین پہونچیں گے تو صاحب قبر ایسا محسوس کریگا کہ گویا سورج قریب بہ غروب ہے ۔ اگر وہ نمازی تھا تو اسے نماز عصر کا خیال آئے گا ۔ چنانچہ حدیث شریف میں وارد ہے : عن جابر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال اذا ادخل المیّت القبر مُثِّلت له الشمس عند غروبها فیجلس یمسح عینیه ویقول دعونی اصلی ۔ (رواہ ابن ماجہ) حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب میّت کو قبر میں رکھا جائے گا تو اُسے ایسا محسوس ہوگا کہ گویا سورج ڈوب رہا ہے ۔ پس وہ اپنی آنکھیں ملتے ہوے بیٹھے گا اور کہے گا کہ مجھے نماز پڑھ لینے دو ۔ (ابن ماجہ)

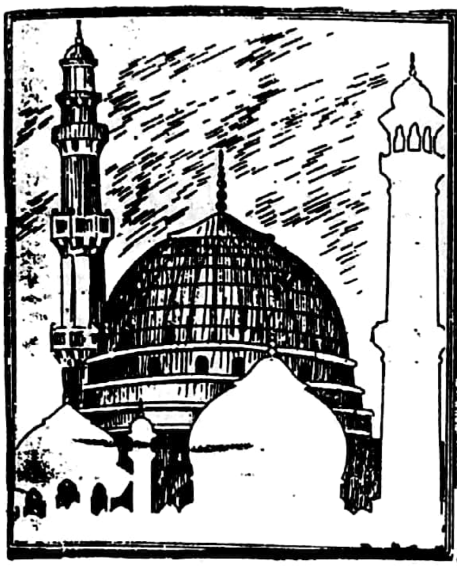
مذکورہ حدیث بھی دلالت کرتی ہے کہ میّت کو قبر میں زندگی حاصل ہے اور اس کے احساسات و خیالات بھی باقی رہیں گے ۔

قبر امتحان گاہ ہے

قبر کی کوٹھری میں میّت سے امتحان لیا جائے گا اور اس آزمائش ہوگی ۔ چناں چہ صحیح بخاری میں ارشادِ نبویؐ ہے کہ اُوحِیَ اِلیَّ انکم تفتنون فی قبورکم : میری طرف وحی آئی کہ تم لوگوں کو تمہاری قبروں میں آزمایا جائے گا ۔ یہ آزمائش یا امتحان منکر و نکیر کے سوالات ہیں ۔ امتحان کا مثبت نتیجہ نکلنے پر قبر راحتوں کا مسکن بن جائے گی اور اگر معاذاللہ امتحان کا منفی نتیجہ نکل آئے تو قبر دارالعذاب بن جائے گی ۔ چناں چہ ابوداؤد کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ، فیفتح له باب الی الجنة فیاتیه من روحها و نعیمها : یعنی صحیح جواب دینے والے سے کہا جائے گا کہ تو کامیاب ہوگیا اور اس کے لیے جنّت کی طرف دروازہ کھول دیا جائے گا پس اُسے جنّت کی خوش بو اور نعمتیں پہونچتی رہیں گی ۔

اگر صاحب قبر اس امتحان میں ناکام ہوا اور صحیح جوابات دینے سے قاصر رہا تو : فیفتح له باب الی النار فیاتیها من حرّها و سمومها ۔

(بقیہ صہ ۱۸۱ پر ملاحظہ ہو)



حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے تبلیغی اخلاق

الحاج سید محمود قادری محمود - موظف: ڈپٹی رجسٹرار - کوآپریٹیو ڈپارٹمنٹ - اے - پی -

محسن انسانیت حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ میں سیرت وصورت دونوں اس پاکیزہ اخلاقی زندگی کے نمایاں جزو ہیں اور تبلیغ رسالت پر دونوں کا اثر پڑتا اور رسول اللہ صلعم کی تبلیغی زندگی میں اس کی موثر مثالیں ملتی ہے۔

ایک بار ایک شخص نے آپؐ سے بہت سی بکریاں مانگیں اور آپؐ نے اس کا سوال پورا کر دیا۔ اس پر آپؐ کی اس فیاضی کا یہ اثر پڑا کہ وہ اپنے قبیلے کی طرف لوٹ کر جب واپس ہوا اور آکر کہا۔ کہ لوگو! مسلمان ہو جاؤ۔ کیوں کہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم اس قدر دیتے ہیں کہ ان کو اپنے تنگدست ہو جانے کا بھی خوف نہیں ہوتا۔

ایک یہودی عالم نے جب آپؐ کو تقاضائے قرض میں اس قدر تنگ کیا۔ کہ ظہر کی نماز سے فجر تک آپؐ کا ساتھ نہ چھوڑا۔ تو صحابہ کرامؓ نے اس کو سخت دھمکیاں دیں۔ لیکن آپؐ نے فرمایا "خدا نے مجھے کسی ذمی پر ظلم کرنے کی اجازت نہیں دی ہے۔" دن چڑھا تو وہ اسلام لایا اور کہا: میرا نصف مال خدا کی راہ میں صدقہ ہے۔ اس سخت گیری سے میرا مقصد یہ تھا کہ توراۃ میں آپؐ کے جو اوصاف مذکور ہیں ان کا تجربہ کریں۔

ثمامہ میں آثال گرفتار ہو کر آئے تھے۔ لیکن جب آپؐ نے ان کو بلا شرط و بلا معاوضہ رہا کر دیا تو انہوں نے فوراً اسلام قبول کر لیا اور ان کا دل اسلام اور داعی اسلام کی محبت سے معمور ہو گیا۔

یہ تو سیرت کا اثر تھا۔ آپؐ کی صورت دلفریب عظمت نے بھی بعض موقعوں پر لوگوں کے دلوں کو نور ایمان سے لبریز کر دیا ہے۔ حضرت ابو رافعؓ آپؐ کی خدمت میں قریش کی طرف سے قاصد بن کر آئے تھے۔ لیکن آپؐ پر نظر پڑتے ہی گرویدہ ہو گئے اور اسی اثر سے اسلام قبول کر لیا۔ حضرت عبداللہؓ بن سلامؓ آپؐ کا چہرہ دیکھتے ہی یقین ہو گیا کہ وجھہ لیس بوجہ کذاب: آپؐ کا چہرہ جھوٹے آدمی کا چہرہ نہیں۔

صرف سیرت وصورت ہی کی تخصیص نہیں بلکہ نبوت ورسالت وصف بسیط نہیں بلکہ ایک وصف مرکب ہے

اور غیر محدود فضائل و مناقب سے اس کی ترکیب ہوتی ہے ۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے جب قیصر روم کے پاس اپنا تبلیغی خط روانہ فرمایا تھا ۔ ابوسفیانؓ اس خط کو لے کر دربارِ قیصر روم پہنچے اور آپ نے یہ خط قیصر روم کے حوالے کیا۔ اس نے یہ خط پڑھ کر آپؐ سے متعلق سوالات کئے ۔ اس سے انہی غیر محدود اجزا میں سے چند نمایاں اجزاء کا سراغ لگانا مقصود تھا ۔

یہاں پر اس موقعہ پر یہ سوالات ان کے نتائج کے ساتھ بیان کئے جاتے ہیں ۔ جن سے معلوم ہو سکے گا کہ تبلیغی حیثیت سے نبوت و رسالت کی ترکیب کن کن اجزاء سے ہوتی ہے :

گفتگو جو قیصر روم اور حضرت ابوسفیانؓ میں وہ پیش کی جاتی ہے ۔

قیصر : رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا خاندان کیسا ہے ؟

ابوسفیانؓ : شریف ہے ۔

قیصر : اس خاندان میں کسی اور نے بھی نبوت کا دعویٰ کیا ہے ؟

ابوسفیانؓ : نہیں ۔

قیصر : جن لوگوں نے یہ مذہب قبول کیا ہے ، وہ کم زور لوگ ہیں یا صاحبِ اثر ؟

ابوسفیانؓ : کم زور لوگ ۔

قیصر : اس کے پیرو بڑھ رہے ہیں یا گھٹتے جا رہے ہیں ؟

ابوسفیانؓ : بڑھتے جا رہے ہیں ۔

قیصر : کبھی تم لوگوں کو اس کی نسبت جھوٹ کا بھی تجربہ ہے ؟

ابوسفیانؓ : نہیں ۔

قیصر : وہ کبھی عہد و اقرار کی بھی خلاف ورزی کرتا ہے ؟

ابوسفیانؓ : ابھی تک تو نہیں کی۔ لیکن اب جو نیا معاہدۂ صلح ہوا ہے اس میں دیکھنا وہ عہد پر قائم رہتا ہے یا نہیں ۔

قیصر : تم لوگوں نے کبھی اس سے جنگ بھی کی ہے ؟

ابوسفیانؓ : ہاں !

قیصر : نتیجہ جنگ کا کیا رہا ؟

ابوسفیانؓ : کبھی ہم غالب آئے اور کبھی وہ ۔

قیصر : وہ کیا سکھاتا ہے ؟

ابوسفیانؓ : وہ کہتا ہے کہ ایک خدا کی عبادت کرو کسی اور کو خدا کا شریک نہ بناؤ ۔ نماز پڑھو ۔

پاک دامنی اختیار کرو، سچ بولو، صلہ رحمی کرو۔
اس سوال وجواب کا جو نتیجہ ہوا۔ قیصر روم اپنے خیالات کو اپنے دربار کے مترجم کے ذریعہ سے اس طرح ظاہر کیا، ابوسفیانؓ سے وہ کہتا جارہا تھا۔
تم نے اس کو شریف النسب بتایا۔ پیغمبر ہمیشہ اچھے خاندان سے پیدا ہوتے ہیں۔
تم نے کہا کہ اس کے خاندان سے کسی اور نے نبوت کا دعویٰ نہیں کیا۔ اگر ایسا ہوتا تو میں سمجھتا کہ یہ خاندانی خیال کا اثر ہے۔
تم نے تسلیم کیا کہ اس خاندان میں کوئی بادشاہ نہ تھا۔ اگر ایسا ہوتا تو میں سمجھتا کہ اس کو بادشاہت کی ہوس ہے
تم مانتے ہو کہ اس نے کبھی جھوٹ نہیں کہا۔ جو شخص آدمیوں سے جھوٹ نہیں بولتا۔ وہ خدا پر کیوں کر جھوٹ باندھ سکتا ہے۔
تم کہتے ہو کم زوروں نے اس کی پیروی کی ہے۔ پیغمبروں کے ابتدائی پیرو ہمیشہ غریب لوگ ہی ہوتے ہیں۔
تم نے تسلیم کیا کہ اس کا مذہب ترقی کرتا جارہا ہے۔ سچے مذہب کا یہی حال ہے۔ بڑھتا جاتا ہے۔
تم تسلیم کرتے ہو۔ کہ اس نے کبھی فریب نہیں کیا۔ پیغمبر کبھی فریب نہیں کرتے۔
تم کہتے ہو کہ وہ نماز اور تقویٰ وعفاف کی ہدایت کرتا ہے۔ اگر یہ سچ ہے تو میری قدم گاہ تک اس قبضہ ہو جائے گا۔
مجھ کو یہ خیال نہ تھا کہ وہ عرب میں پیدا ہوگا۔ میں اگر وہاں جاسکتا تو خود اس کے پاؤں دھوتا۔
حضرات! رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے یہ وہ اخلاق، یہ وہ اوصاف، یہ وہ اعمال اور یہ وہ فضائل ہیں۔
جن کا اثر تبلیغِ رسالت پر بالواسطہ پڑتا ہے اور حدیث وسیرت کی کتابیں ان سے بھری پڑی ہیں۔ علامہ ابنِ قیمؒ نے "زاد المعاد فی ہدیٔ خیر العباد" کے نام سے جو معرکۃ الآراء کتاب سیرۃ محمدیہ پر لکھی ہے۔ اس میں انہیں اخلاق انہی اعمال اور انہی فضائل سے بحث کی ہے۔ •••

بقیہ "ٹیپو سلطان شہید علیہ الرحمہ" ص سے آگے:
جس وقت آپ شہید ہوئے وہ مغرب کی نماز کا وقت تھا۔ 4 رمئی 1799ء۔
حضرت ٹیپو سلطان شہید کا عرس مبارک ہر سال ۲۷ رماہ ذی قعدہ میں منایا جاتا ہے۔ •••

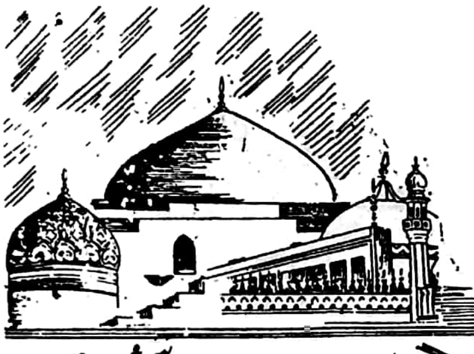
(بقیہ ص۱۴۲ کا "برزخی زندگی") اُس کے لیے جہنم کی جانب دروازہ کھول دیا جائے گا۔ جہنم کی حرارت اور نیز ہوائیں اُسے جھلساتی رہیں گی۔ اللّٰھم اھدنا الصراط المستقیم وقنا عذاب القبر واجعلنا من الراشدین فی الدارین برحمتك یا ارحم الراحمین •

عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ

حضرت سید شاہ کمال کی نظم

چکی نامہ

کی تشریح



الحاج خواجہ محمد بیابانی نور چشتی القادری
صدر فیض العلوم اننت پور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین وعلی الہٖ وصحابہٖ اجمعین

اما بعد مَوْلَایَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّهِمِ

قرآن مجید اور احادیث شریف کی روشنی میں تصوّف و احسان کی تعلیمات کو صوفیائے دکن نے بھی نثر و نظم میں بہت سارے قلمی رسالے قلمبند کئے ہیں۔ ان میں حضرت سید شاہ کمال الدین حسینی قادری و چشتی قدس اللہ سرہٗ بھی جامی جامیٔ دکن کے نام سے مشہور ہیں۔

حضرت کے والد سید جمال الدین حسینی بادشاہ بخاری چشتی القادری قدس اللہ سرہٗ ہیں۔ جن کی درگاہ راجکوٹی میں ہے جو بہت بڑے پایہ کے بزرگ ہیں۔ حضرت کے بڑے بھائی سید محمد حسینی شاہ میراول چشتی القادری قدس اللہ سرہٗ ہیں۔ جن کی درگاہ تلپول شریف میں ہے۔ آپ میرؔ تخلص فرماتے تھے۔ حضرت سید شاہ کمال علیہ الرحمہ کی تعلیم و تربیت بڑے بھائی کی ہی نگرانی میں ہوی۔ اور مرید و خلیفہ بھی انہیں کے ہیں۔ بڑے بھائی شہ میر اولیا قدس اللہ سرہٗ نے بھی فارسی اور اردو میں شعر کہے ہیں اور صاحبِ دیوان شاعر گزرے ہیں۔ حضرت کی شعر گوئی کا اندازہ لگانے کے لیے یہاں چند اشعار درج کئے جاتے ہیں ملاحظہ فرمائیے: ؎

• تیرا خدا جو ہے وہ تیرے سے جُدا نہیں | جو کوئی جُدا ہے تجھ سے وہ تیرا خدا نہیں
تیرا نبی بھی تجھ سے نہیں ہے علٰحدہ | گر ہے علٰحدہ وہ پیمبر ترا نہیں

• مرا دل ہے بڑا ایسا کہ جگ میں کیں سماتا نیں | جگت سب اس میں مایا ہے سو باور کسر کو آتا نیں

رباعی
شہ میرؔ نہ کر فکر تو کچھ قوت کی واللہ | رزاق ترا قادر و قیوم ہے اللہ
چیرا ہے جنے منہ کو وہ کیا رزق نہ دیوے | لاحول ولا قوۃ الا باللہ

حضرت کا فارسی میں ایک شعر بہت مشہور ہے۔ ملاحظہ فرمائیے۔ یہ مشہور عالم قطعہ آپ کے بلند خیالات و توکل کا آئینہ دار ہے۔ ؎

شربت و نان اگرچہ نہ میسر غم نیست	برگ بالائے درخت آب بہ دریا کم نیست
فقر را پایہ بلند است ز تخت شاہی	لیک سائستہ ایں جز لپسر ادہم نیست

حضرت سید محمد حسینی شاہ میر اول قدس اللہ سرہٗ کی تاریخ ولادت اور وفات۔ ولادت سنہ ۱۰۸۲ھ اور وفات سنہ ۱۱۸۶ھ ہے۔ لیکن چھوٹے بھائی سید شاہ کمال الدین حسینی قدس للہ سرہٗ کی تاریخ ولادت معلوم نہ ہوی۔ البتہ تاریخ وفات سنہ ۱۲۲۴ھ ہے۔ درج ذیل اولیاء اللہ کے نام معاصرین میں سے بہت مشہور ہیں:

۱۔	حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ	وفات	سنہ ۱۱۷۶ھ
۲۔	حضرت مخدوم عبدالحق ساوی دستگیر بھنڈاری رحمۃ اللہ علیہ	وفات	سنہ ۱۱۶۵ھ
۳۔	حضرت سید شاہ ابوالحسن قربی ویلوری قدس اللہ سرہٗ	وفات	سنہ ۱۱۸۲ھ
۴۔	حضرت سید شاہ عبداللطیف ذوقی ویلوری قدس اللہ سرہٗ	وفات	سنہ ۱۱۹۴ھ
۵۔	حضرت سید شاہ سراج اورنگ آبادی رحمۃ اللہ علیہ	وفات	سنہ ۱۱۷۷ھ
۶۔	حضرت خواجہ رحمت اللہ ملقب بہ نائب رسول اللہ قدس اللہ سرہٗ رحمت آباد	وفات	سنہ ۱۱۹۵ھ
۷۔	حضرت سید شاہ محمد حسینی شہ میر اول قدس اللہ سرہٗ تلپول شریف	وفات	سنہ ۱۱۸۶ھ

مندرجہ بالا حضرات کے تصانیف اور حالات کا مطالعہ کرنے سے تصوف اور سلوک پر تحقیقی معلومات حاصل کر سکتے ہیں۔ اور ان مقدس حضرات کے فیوض و برکات سے بھی خوب خوب مالامال و فیضیاب ہو سکتے ہیں۔ (انشاء اللہ تعالیٰ)

کشائف دقائق یقین مولوی شاہ محمد رفیع الدین قدس اللہ سرہٗ حضرت خواجہ رحمت اللہ نائب رسول قدس سرہٗ کے مرید و خلیفہ ہیں۔ ان کے مرید و خلیفہ حضرت سید ابو سعید والا قدس سرہٗ نے "بحر رحمت المعروف بہ اخبار اہل عرفان" سن تالیف سنہ ۱۲۴۰ھ میں حضرت سید خواجہ رحمت اللہ نائب رسول قدس سرہٗ کا تذکرہ بہت ہی عمدہ پیرائے میں تحریر فرمایا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت قدس سرہٗ کو چاروں سلاسل میں (یعنی قادریہ، چشتیہ، نقشبندیہ اور رفاعیہ) خلافت حاصل تھی اور بہت سارے اکابر اولیاء اللہ نے حضرت سے بیعت کر کے چاروں سلاسل میں خلافت سے سرفراز ہوئے ہیں۔ اس کتاب "بحر رحمت" کے مصنف حضرت سید ابو سعید والا نے مشہور عالم و شاعر محمد باقر آگاہ کی شاگردی کا شرف بھی حاصل کیا ہے۔ چناں چہ صفحہ ۵۸ میں تحریر فرمایا ہے کہ "میرے استادِ محترم مولوی محمد باقر آگاہ ویلوری جو مقتدائے وقت حضرت سید شاہ ابوالحسن قربی علیہ الرحمہ والرضوان کے سلسلہ سے وابستہ تھے اور اپنے عہد کے مقتداء تھے۔ حضرت خواجہ رحمت اللہ نائب رسول علیہ الرحمہ کی خدمت میں ہمیشہ تعریف و توصیف سے بھرے ہوئے منظوم خطوط لکھ کر استدعا کرتے تھے۔

نمونتًا ایک طویل منظوم خط کے اشعار جو ۴۲ اشعار پر مشتمل ہے، تحریر فرمایا ہے۔ اس میں سے یہاں چند منتخب اشعار ذیل میں درج کئے گئے ہیں ملاحظہ فرمائیے: ؎

این نامہ ز دل بہ دلستانے	از کالبدے بسوے جانے
یہ خط ہے دل سے دل دار کی طرف	ایک بے جان جسم کی طرف سے روح کی طرف
از بندہ بہ شاہِ ارجمندے	از نقش بہ سوئے نقشبندے
ایک غلام کی طرف سے بابرکت بادشاہ کی طرف	ایک خستہ حال (دل جلے) کی طرف سے اور نقش کی طرف سے نقشبند کی طرف
یعنی بر سد بر رحمت آباد	این خط بجناب شیخ عباد
یعنی رحمت آباد کو پہنچے	یہ خط عابدوں کے شیخ کی بارگاہ میں
جسمش شدہ جملہ ہوش دردم	بس ہوش چگونہ بیند عالم
اُن کا جسم سارے کا سارا ہوش دردم ہوگیا ہے	پھر دنیا ان کے اندر ہوش کیوں کر دیکھ سکے گی!
از بس بہ قدم نگاہ را دوخت	آئین نظر بہ پائے آموخت
نظر بر قدم کی مداومت سے آپکی نگاہ قدم پر جمی رہتی ہے	اور آپ نے پاؤں کو نظر کا طور طریقہ سکھا دیا ہے
در شوقِ فنا بہ عزم سرشار	بر جائے نشستہ است سیّار
آپ فنا کے شوق میں ایسے سرشار ہیں	کہ باوجود بیٹھے رہنے کے متحرک ہیں!
بر ذوقِ بقا درونِ محفل	از جملہ نہاں بہ خلوتِ دل
آپ بقا کے ذوق سے محفل کے اندر	دل کے خلوت کدے میں سب سے چھپے ہوئے ہیں
شد وصلِ دوام پائے مردش	حاجت نہ بود بیاد کردش
وصل دوام آپ ہی کا حوصلہ ہے	کہ "یاد کرد" کی اب حاجت نہ رہی
شد جائے قدیم بازگشتنش	غیر آنچہ ندید در نوشتنش
ذاتِ قدیم کی طرف آپکی بازگشت ایسی ہوگئی ہے کہ	آپ کو اس کا غیر نظر ہی نہیں آیا
اکنوں بہ نگاہ داشت او	در سرّ و علن نماند جز "ھو"
اب آپ کی نگاہ داشت کا یہ حال ہے کہ	پوشیدہ اور اعلانیہ سوائے "ھو" کے کچھ نہیں رہا
زیں پیش اگرچہ یاد می داشت	اکنوں علَم شہود افراشت
اس سے پہلے اگرچہ یادداشت تھی	مگر اب شہود کا جھنڈا لہرا رہا ہے
حل گشتہ بہ بہر مرید بے غش	از لطفِ دلش لطائف شش

آپ کے قلب کے لطف و توجہ نے
آپ کے ہر ہر مرید پر لطائف ستہ کھول دیے ہیں
شاہا بمن آں کجاست یارا
تا وصفِ تو گویم آشکارا
اے بادشاہ! مجھے اس کا حوصلہ کہاں
کہ آپ کا وصف تمام و کمال بیان کر سکوں
اکثر داشتم ایں خیال ہر دم
کز رویت تو شوم مکرم
اکثر ہر وقت اسی خیال میں رہتا ہوں
کہ آپ کے دیدار سے مشرف ہو جاؤں
ان شاء اللہ عن قریب
گیرم ز لقائے تو نصیبے!
ان شاء اللہ العزیز عنقریب
آپ کی ملاقات سے بہرور ہوں گا
حیرت زدہ ام زدستِ ایں دل
شاید کہ کنی تو حلِ مشکل
اس دل کے ہاتھوں حیرت زدہ ہوں
چاہیے کہ آپ میری مشکل حل فرما دیں
مِن بے کس و زخمہا نہانی
ہاں اے کسِ بیکساں تو دانی
میں بے سہارا ہوں اور میرے زخم پوشیدہ ہیں
مگر اے بے سہاروں کے سہارے آپ خود واقف ہیں

طویل منظوم خط کے ان چند منتخب اشعار سے ہی برادرانِ طریقت اندازہ لگا سکتے ہیں کہ حضرت خواجہ رحمت اللہ نائب رسول رحمت آبادی قدس اللہ سرہٗ کس پایہ کے بزرگ ہیں۔ ان کے حالات میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ اگر کوئی سخت دل خاکساری سے التجا کرتا ہے تو فوراً آپ کی نظر کیمیا اثر سے اس کی قلبِ ماہیت یعنی اس کی کیفیت بدل جاتی اور اس کا دل زرِ خالص بن جاتا۔

حضرت شیخ مخدوم ساوی میلاپوری قدس اللہ سرہٗ کی ملاقات حضرت خواجہ رحمت اللہ قدس اللہ سرہٗ سے کڈپہ میں ہوا کرتی تھی۔ اور موصوف جب کبھی اپنے محفل میں حضرت خواجہ کا تذکرہ کرتے تو فرماتے۔ کہ "زندگی بھر میں نے کبھی ایسی جلیل القدر کامل و اکمل ہستی نہیں دیکھی اور ان کے حضور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا میں اپنے پیرو مرشد کی خدمت میں حاضر ہوں" اور یہ بھی بیان کیا گیا ہے حضرت خواجہ ان کے متعلق بارہا کہا کرتے تھے کہ انھیں حقیقت محمدی حاصل ہے اور وہ ہمیشہ اس شرفِ سرمدی سے مشرف ہیں۔

حضرت کو مسئلہ وحدت الوجود، معیت، اندراج، تجدد امثال اور جبر و قدر جیسے ادق مسائل کے سمجھانے میں یدطولیٰ حاصل تھا۔ فرمایا کرتے تھے کہ خاص طور پر مسئلہ وحدت الوجود کی تحقیق تو گویا فرضِ عین ہے۔ جو دیگر مسائل کی بنیاد ہے۔ جس طرح دو معبود کا قائل ہونا شریعت میں شرک ہے اسی طرح دو موجود کا قائل ہونا طریقت میں کفر ہوتا ہے۔ مریدوں کو اکثر نصیحت فرماتے تھے کہ "زرِ توحید کو بند غنچہ کی طرح دل کے کیسہ میں چھپائے رکھنا موجب جمعیت و اطمینانِ قلب ہوتا ہے اور اسے (کھلے ہوئے) پھول کی طرح اظہار

کی ہتھیلی پر رکھنا پریشانی و آفت کا باعث ہوتا ہے۔" (از بحرِ رحمت)

حضرت رحمت اللہ نائبُ رسول علیہ الرحمہ والرضوان کے خلفائے کرام میں حضرت سید شاہ ابوالحسن قربیؔ قدس اللہ سرہٗ کا نام بھی "بحرِ رحمت" کے صفحہ ۱۱۳ میں ذکر کیا گیا ہے۔" بقیۂ سلف و خلاصۂ خلف قطب زمن سید شاہ ابوالحسن المتخلص بہ قربیؔ ویلور کے رہنے والے تھے۔ تکمیل کمال کی خاطر خواجہؒ علیہ الرحمہ کے طالب ہوئے اور سلوک نقشبندیہ کی تکمیل تک رحمت آباد میں مقیم رہے۔ پھر حضرت نے انھیں خرقۂ خلافت سے سرفراز کیا۔ پھر ویلور روانہ ہوئے۔ میرے استاد مولوی باقر آگاہ نے اپنی تصنیف "تحفۃ الاحسن فی مناقب السید ابی الحسن" میں اپنے مرشد علیہ الرحمہ کا تذکرہ بڑی تفصیل کے ساتھ کیا ہے اور اس طرح ان کی تاریخ وفات نظم کی ہے:

بوالحسن آنکہ از نمِ فیضش — چمن دیں چو باغِ خلد شگفت
قرطۂ گوشِ عرشیاں گردید — آں گہر ہا کہ در معارف سفت
از پۓ وارداتِ مشہدِ غیب — خس و خاشاکِ غیر از دل رفت
کرد از ایں طاقِ تنگ عزمِ رحیل — تا شود با جہانِ مطلق جفت
در حریمِ بقا بشاہدِ قدس — دوش بردوش شاد و خنداں خفت
بود جانِ جہاں از ایں معنی — از سفر کردنش جہاں آشفت
فکرِ تاریخِ رحلتش کردم! — "غاب قطب البلاد" ہاتف گفت

۱۱۸۲ھ

حضرت سید شاہ کمال الدین حسینی چشتی القادری جامیؔ دکن قدس اللہ سرہٗ نے بھی حضرت خواجہ رحمت اللہ نائبُ رسول رحمت آبادی قدس اللہ سرہٗ کی شان میں اپنے دیوان "مخزن العرفان" میں دو منقبتیں لکھی ہیں۔ ایک طویل اور دوسری اوسط درجہ کی۔ جس کو یہاں درج کر دینا مناسب سمجھتا ہوں۔ ملاحظہ فرمائیے:

رحمت اللہ خواجۂ آفاق تم — ہادیٔ عالم علی الاطلاق تم
خلق کو کرتے ہو دعوت سوئے حق — نائبِ پیغمبرِ خلاق تم
ظاہر و باطن کی نعمت کے قسیم — بیشتر بر قدرِ استحقاق تم
جسم سے با خلقِ عالم مشتغل — جان و دل سے محوِ استغراق تم
بغض و حب منع و عطا للہ پسند — کر ہوئے ہو صاحبِ اخلاق تم
خلق و خُلق و علم و حلم و عقل و نقل — بلکہ ہر نعمت کے صفت میں طاق تم
جو کہ زہرِ سکر سے مدہوش ہو — اس کو دیویں صحو کی تریاق تم

گو چہ جائے واجب وفرض وسنن — نیں کئے ناغہ کبھی اشراق تم
اہلِ دولت سے سبقت لے گئے — باوجود فقر در انفاق تم
شان والا جن کا محبوبِ حق — ان کے ہم مدّاح اور عشاق تم

نیں عجب محبوب کے مداح پر
گر رکھو اپنا کمالِ اشفاق تم

دورانِ مطالعہ یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت سید شاہ ابو الحسن قربی قدس سرہٗ جن کا مزار ویلور شریف میں مرجع خلائق ہے۔ جو کئی خصوصیتوں کے حامل نجیب السادات بزرگ تھے۔ حضرت خواجہ رحمت اللہ نائب رسول قدس اللہ سرہٗ نے آپ کو خرقۂ خلافت سے مالا مال فرما کر خدمتِ خلق اور اشاعتِ علوم ظاہر و باطن کے منصب پر فائز فرمادیا تھا۔

آپ زبردست عالم باعمل، صوفی متقی اور صاحبِ تصنیف و تالیف بزرگ تھے۔ آپ کے رسائل مقبول خاص وعام ہیں۔ جن میں نمک نامہ، بدعت نامہ، چکّی نامہ، معراج نامہ اور ہدایت نامہ مشہور ہیں۔ چوں کہ مضمون زیادہ طویل ہوتا جارہا ہے اس لیے مختصر کرکے صوفیانہ نظم "چکّی نامہ" کی تشریح کرنے کی طرف توجہ کو مبذول کرنا چاہتا ہوں۔

حضرت سید شاہ کمال الدین حسینی چشتی القادری قدس اللہ سرہٗ نے ایک مرتبہ جب رحمت آباد گئے ہوئے تھے تو اس وقت خواجہ رحمت اللہ نائب رسول قدس اللہ سرہٗ کہیں اور گئے ہوئے تھے رحمت آباد میں موجود نہیں تھے۔ حضرت والا کی زوجۂ محترمہ حضرت حبیبہ خاتون رحمۃ اللہ علیہا، حضرت سید شاہ کمال علیہ الرحمہ کی تشریف آوری پر بہت خوشی کا اظہار فرمایا اور ایک درخواست پیش کی کہ ایک صوفیانہ نظم جو عورتوں کے لیے بھی مفید ہو تحریر فرما کر عنایت کریں تو عین نوازش ہوگی۔ کیوں کہ وہ جانتی تھیں کہ حضرت شاہ کمال علیہ الرحمہ اس وقت کے بہت بڑے صوفی شاعر ہیں۔ اس درخواست کو قبول فرما کر یہ طویل نظم چکی نامہ فی البدیہہ لکھ کر حضرت حبیبہ خاتون رحمۃ اللہ علیہا کو دیا تو وہ بہت خوش ہوئیں۔ اُن کو بھی علوم متداولہ پر بڑا عبور تھا اور دقیق مسائل دینیہ کو بھی خاص انہماک سے سن کر خوب غور و خوض کرتی تھیں اور باطنی علوم و معارف کی طرف بھی پوری شدّت کے ساتھ توجہ دیتی تھیں۔ خواجہ رحمت اللہ نائب رسول قدس سرہٗ کی صحبت میں رہ کر عابدہ، زاہدہ، عارفہ بن گئی تھیں۔ اللہ تعالےٰ اپنے خاص فضل و کرم سے اور اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل اور صدقہ سے ہم سب کو بالخصوص عزت مآب خواتین کو بھی یہ توفیق عطا فرمائے۔

حق تعالیٰ کی معرفت تمام دوسری باتوں سے زیادہ اہم ہے اور اعظم امور میں سے ہے۔ اور عبادت کی روح ہے علمِ ذاتِ خداوندی کو اس کے افعال سے پہچانتے ہیں اور عارفین حق کی معرفت تک خود حق کے ذریعہ پہنچتے ہیں اور راہ سلوک طے کرنے کے لیے مرشد کامل کی ضرورت ہے۔ جس نے یہ راہ سلوک طے کی ہو اور جو اپنے سے گزر گیا ہو : ؎

خود بخود نہیں خدا رسی ممکن   پیر شاہ میر راہبر ہونا   (شہ کمالؔ)

حضرت سید عبدالرزاق جھنجھانوی المعروف بہ شاہ العالمین قدس سرہٗ نے ''صحائف معرفت'' میں ارشاد فرمایا ہے کہ '' اللہ تعالیٰ کی بندگی کے طریقے اور اس تک پہنچنے کے راستے بے شمار ہیں۔ چناں چہ آقائے دو عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے : الطریق الی اللہ بعدد انفاس الخلائق ۔ یعنے اس ذاتِ واجب الوجود تک جو '' حقیقت الحقائق '' ہے پہنچنے کی راہیں اتنی ہی ہیں جتنی نفوس خلائق ہیں ''

حضرت سید طاہر رضی القادری حیدرآبادی قدس اللہ سرہٗ اپنی کتاب '' مقالاتِ طاہر'' میں حضرت سیدنا امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کا ارشاد تحریر فرمایا ہے کہ '' من عاش فی ظاہر الرسول فھو سُنّی ومن عاش فی باطن الرسول فھو صوفی '' یعنی جو اپنے ظاہر کو ظاہر رسول کے تابع کرکے زندگی گزارے تو وہ سُنّی ہے اور جو اپنے باطن کو باطن رسول کے تابع کرکے زندگی گزارے تو وہ صوفی ہے۔ یعنی صاحب قال اور صاحب حال بن کر زندگی گزارے : ؎

قال را بگذار مرد حال شو   پیش مرد کاملے پامال شو   (مولانا روم)

اب حضرت سید شاہ کمال چشتی القادری جامیٔ دکن کی صوفیانہ نظم چکی نامہ جو جذبات وکیفیات مستی وسرشاری اور رموز واسرار سے پُر ہے، اس کی تشریح بقدر وسعت کی جاتی ہے ملاحظہ فرمائیں۔ ؎

اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم   بفضلِ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضرت شاہ کمال علیہ الرحمہ نے اس نظم کا آغاز تعوذ اور تسمیہ سے کیا ہے اور اسی کو مطلع کا شعر بنادیا اور اسی بحر میں پوری نظم لکھ دی ہے۔ حضرت نے شیطانِ مردود کے شر سے اور اس کے وسوسوں سے باز رہنے کے لیے اللہ ربّ العزت کی بارگاہ میں پناہ طلب کی ہے اور بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے اس نظم کو شروع کی ہے۔ چناں چہ حدیث شریف میں ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہٗ روایت کرتے ہیں کہ آقائے کائنات حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ جو بھی کام بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے ساتھ شروع نہیں کیا جاتا وہ ادھورا اور نامکمل رہ جاتا ہے۔

اسمِ اللہ جامعیت کے اعتبار سے تمام اسماء پر محیط ومشتمل ہے اور تمام اسماء کی حقیقت اس میں موجود ہے۔ حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے روایت ہے کہ آقائے نامدار تاجدار مدینہ سرورِ قلب وسینہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص ایک مرتبہ بسم اللہ شریف پڑھتا ہے اللہ رب العزت اس

کے نامۂ اعمال میں دس ہزار نیکیاں لکھتا ہے ۔ اور اس کی دس ہزار برائیاں مٹاتا ہے اور ہزار درجے بلند کرتا ہے ۔ (انیس الواعظین) اور دوسری حدیث پاک میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالےٰ عنہٗ سے مروی ہے کہ آقائے دوعالم نور مجسم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو بسم اللہ شریف پڑھے گا اس کے لیے ہر حرف کے بدلے میں چار ہزار نیکیاں لکھی جائیں گی اور چار ہزار گناہ بخشے جائیں گے اور چار ہزار درجے بلند کئے جائیں گے ۔ (نزھۃ المجالس)

شہنشاہِ دکن قطب الاقطاب حضرت سید محمد حسینی خواجہ بندہ نواز قدس سرہٗ العزیز اپنے ایک رسالے میں بسم اللہ شریف کی صوفیانہ تفسیر اس طرح فرمائی ہے : فرماتے ہیں کہ "بسم اللہ حقیقت الحقائق (ساری حقیقتوں کی حقیقت) کے نام سے شروع کرتا ہوں وہی مستحقِ عبادت ہے ۔ اور ساری قابلیات وکمالات اسمائی (ناسوتی وملکوتی) اور صفاتی (جبروتی) کا جامع ہے ۔ قرآنی اسرار (رموز ونکات) فرقانی لطائف (نزاکتیں، باریکیاں خوبیاں) دنیا اور دنیا والوں کا قرار وقیام، ان کا باقی رکھنا، رکھا جانا، اسُی سے اسُی کے لیے ہے ۔ الرحمٰن الرحیم ۔ وجود کا فیضان (خیر کا عام ہونا) اس کی مظہریت (ظاہر ہونے کی جگہ) جس کی بقا تجلیات کی امداد سے اسی کی عطا کی ہوی ایک نعمت ہے ۔ الرحمٰن وہی وہ ہے جو دوسرے مرتبہ میں وجود متوہم کی فنا کے بعد تجلی ملکوتی سے وجود بخشی کیا کرتا ہے ۔ بقا باللہ (اللہ کے ساتھ بقا پانے) کے شامل ہے ۔ الرحیم ۔ جبروت کی تجلی کی بخشش کرنے والا انتہائی مہربان، فیضِ باطن کا بخشنے والا کہ جس فیض بخشی سے باطن (دل) کی آنکھوں میں انوار معانی کشف ہونے یعنی کھل جانے سے مشاہدہ (سامنے دیکھنے میں آجاتے ہیں ۔"

چوں کہ بسم اللہ شریف اللہ کا کلام ہے ۔ بار بار پڑھنے سے ایک خاص ذوق اور رقت پیدا ہوتی ہے ۔ بیان کیا گیا ہے کہ ایک بار حضور اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم چاہتے تھے کہ کچھ پڑھیں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ہی آپ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان مبارک سے ادا ہوی تھی کہ قلب مبارک پر ایک خاص حالت طاری ہوگئی ۔ اسی کو آپ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیس بار پڑھا ۔ حضرت سیدنا امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے نقل کیا گیا ہے کہ آپ نے کہا میں اسی کی پاک ذات کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اللہ پاک نے اپنے کلام پاک میں مخلوقات کے لیے اپنا جلوہ دکھایا ہے ۔ لیکن لوگ ان تجلیات کو دیکھ نہیں سکتے ۔

چوں کہ حضرت سید شاہ کمال علیہ الرحمہ نے اس نظم کو عورتوں کی زبان میں لکھی ہے تو کوئی یہ نہ سمجھیں کہ مردوں کو اس نظم کے پڑھنے اور گنگنانے اور اس کے معنوی خوبیوں سے لطف اندوز ہونے کی ضرورت نہیں ۔ ایسی بات نہیں ہے ۔ مرد حضرات بھی جب اس نظم کو باترنم گنگنانے لگیں تو یوں سمجھیں کہ روح کی زبان سے معنوی کیفیات سے سرشار ہورہے ہیں : ے

۲ • بسم اللہ بسم اللہ ہر دم میں بولوں گی ثنا اور صفت کے موتیوں کو رولوں گی

فرماتے ہیں کہ میں بسم اللہ شریف کا ورد ہر دم جاری رکھوں گی۔ جس میں اللہ رب العزت کی حمد و ثنا ہے اور رحمٰن اور رحیم کے صفات کے انمول موتیوں کو رولتی رہوں گی۔ جس کے بار بار زبان سے دہراتے رہنے میں مجھے بڑی لذت حاصل ہو گی۔ بہت سے اللہ والوں کا یہ معمول رہا ہے کہ کھانا کھاتے وقت بھی ہر لقمے پر بسم اللہ شریف پڑھ پڑھ کر لطف اندوز ہوتے۔ ہ

۳ • بسم اللہ بسم اللہ سمرن میرے من کا ہر دم ہے وظیفہ ناؤں اس ساجن کا

فرماتے ہیں کہ بسم اللہ بسم اللہ کا ورد میرے من کی مالا یعنی تسبیح پر ہر دم جاری رکھتی ہوں۔ جس میں میرے ساجن یعنی یار کا نام پاک ہے۔ اس لیے بسم اللہ شریف کا وظیفہ ہر دم جاری رکھ کر مسرور ہوتی رہتی ہوں۔ ہ

۴ • بسم اللہ جو ناری یک باری کہے گی بدی اس کی ذری باقی نہ رہے گی

فرماتے ہیں جو عورت بسم اللہ شریف ایک مرتبہ پڑھے گی اس کی کوئی بدی باقی نہ رہے گی یعنی اللہ کے فضل و کرم سے اس کے سارے گناہ معاف کر دیے جائیں گے۔ چناں چہ سرکار دو عالم صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جس نے ایک بار بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کو پڑھا۔ اس کے گناہوں میں سے ایک ذرہ بھی باقی نہیں رہتا۔ (انیس الواعظین) سبحان اللہ و بحمدہ سبحان العظیم و بحمدہٖ۔

۵ • بسم اللہ کے کہنے سے شیطان یوں جل جاتا اگن کے درمیانے کتھل جوں گل جاتا

مزید فرماتے ہیں کہ بسم اللہ شریف کے پڑھنے سے شیطان اس طرح جل جاتا ہے جس طرح آگ میں ڈالنے سے کتھل پگھل جاتا ہے۔ انیس الواعظین میں یہ لکھا گیا ہے۔ کہ جب بندہ بسم اللہ شریف پڑھتا ہے تو شیطان اس طرح پگھلتا ہے جس طرح سیسہ پگھلتا ہے۔

۶ • بسم اللہ جو سندر صدق سے کہے گی وہ پار ہو دوزخ سے جنّت میں رہے گی

فرماتے ہیں کہ جو خوبرو عورت یعنی سندر عورت (نیک بخت عورت) سچے دل سے بسم اللہ شریف پڑھے گی وہ دوزخ سے پار ہو کر جنّت میں جائے گی۔ چناں چہ منقول ہے کہ ایک اعرابی نے سرکار دو جہاں صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خدمتِ باپرکت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں بڑا گنہگار ہوں۔ آپؐ میرے لیے بخشش کی دعا فرمائیں۔ سرکار مدینہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھا کرو تو وہ ارحم الراحمین تیرے گناہ بخش دے گا۔ تو وہ اعرابی متعجب ہو کر (تعجب سے) کہنے لگا بس اتنا ہی یا رسول اللہ صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم۔ آپ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "جو مسلمان مرد یا عورت سچے دل اور یقین کے ساتھ بسم اللہ شریف پڑھا کرے تو اللہ تعالےٰ اپنے فضل و کرم سے اس بندہ کو دوزخ سے آزاد

کردے گا۔ (اسرار الفاتحہ) ؎

۷۔ بسم اللہ سے حق نے سنوارا قرآن کو جیسے چندر سورج تاروں سے آسمان کو

فرماتے ہیں کہ بسم اللہ شریف کی آیت قرآن پاک کی ہر سورۃ سے پہلے اس طرح لکھی گئی ہے اور اللہ رب العزت نے قرآن پاک کو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کی تجلیات اور انوار سے اس طرح سجایا اور سنوارا ہے، جیسے کہ آسمان کو سورج، چاند اور تاروں سے سجایا ہے۔ یعنی بسم اللہ شریف کے تجلیات سے قرآن پاک کو روشن کتاب بنا کر چمکا دیا ہے۔ ؎

۸۔ بسم اللہ میں الحمد، الحمد میں مصحف سب بسم اللہ کے "بے (ب)" کے نقطے میں مطلب سب

حضرت سید شاہ کمال علیہ الرحمہ نے اس شعر میں حضرت سیدنا علی مرتضیٰ شیرِ خدا رضی اللہ عنہ کے ارشاد کے مضمون کو بڑی خوبی سے لایا ہے۔ چناں چہ سیدنا مولائے کائنات علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ پورے قرآن مجید کا خلاصہ سورۂ فاتحہ میں ہے اور سورۂ فاتحہ کا خلاصہ بسم اللہ شریف میں ہے اور بسم اللہ شریف کا خلاصہ بے (ب) کے نقطہ میں مندرج ہے اس طرح پورے قرآن شریف کا مطلب بے کے نقطے میں پوشیدہ ہے۔ اسی کو شاہ کمال علیہ الرحمہ نے دوسری جگہ اس طرح ارشاد فرمایا ہے: ؎

ایک نقطہ الف الف سب حرف صد ہزاراں کتاب میں دیکھا

یعنی جس طرح قلم کی نوک سے سیاہی نقطے کی شکل میں نمودار ہوکر وہی اٹھائیس حروف کی شکلیں اختیار کر لیتی ہے۔ اسی طرح نقطے سے ہی سب حروف ظاہر ہوکر مختلف الفاظ کی صورت میں پورے قرآن مجید میں موجود ہوئے ہیں۔ ؎

۹۔ بسم اللہ کے تیہ کی مدن کی ماتی ہوں پل پل اس ناؤں کے صدقے میں جاتی ہوں

فرماتے ہیں کہ جب اسم اللہ کا ذکر جو با مسمّٰے ہے کرنے لگتی ہوں تو شراب محبت سے مخمور و مسرور ہوکر کشتہ بن جاتی ہوں اور لحظہ بہ لحظہ مست و مدہوش ہوکر اس نام پاک پر قربان ہو جاتی ہوں۔ ؎

۱۰۔ بسم اللہ سے پیارے اس تن سے چھٹ جانا مسمّٰی میں بعد از میں پن سے اٹھ جانا

فرماتے ہیں کہ بسم اللہ شریف کے ذکر میں جس میں اسم ذات اللہ با مسمّٰے موجود ہے اس قدر مشغول و منہمک ہو جائے کہ اس تنِ ناسوتی کا ہوش ہی باقی نہ رہے تو ملکوتی تن، جبروتی تن اور لاہوتی تن سے پرے پہنچ کر مسمّٰی میں اللہ کا قرب و وصل کے مقام تک رسائی حاصل ہوگی۔ یعنی سالک اپنے "میں پن" کے خیال سے نکل کر "ہے پن" کا مشاہدہ کرنے لگے گا اور اپنی وہمی خودی سے فنا ہوکر فنا فی اللہ کا مقام حاصل کرلے گا جو بہت بڑی نعمت ہے۔ جہاں من و تو کا جھگڑا ہی باقی نہیں رہتا۔ ؎

۱۱ • بسم اللہ سے کرنا چکّی کا ابتدا — وحدت کے آٹے میں برکت دے گا خُدا

فرماتے ہیں کہ چکّی میں دانے پیسنے کے لیے ڈالتے وقت پہلے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم صدق دل سے پڑھ لینا چاہیے۔ کیوں کہ یہی مسنون طریقہ ہے اور باعثِ برکت ہے۔ دانے ڈال کر چکّی پیستے ہوئے بسم اللہ شریف کا وظیفہ جاری رکھیں تو مختلف دانے وحدت کے آٹے میں بدل جائیں گے اور اللہ رب العزت اپنے فضل و کرم سے اس وحدت کے آٹے میں بہت برکت دے گا۔ کثرت کے دانے وحدت میں بدل جانے کی بڑی عمدہ مثال دی گئی ہے۔

۱۲ • بسم اللہ کے بل سے چکّی میں پھراؤں — کامل سب صفتاں سے ساجن کو سراؤں

فرماتے ہیں کہ بسم اللہ شریف کا ورد کرتے ہوئے چکّی میں پھراتی ہوں گی۔ اللہ تعالےٰ اپنی قدرت سے چکّی پیسنے کی قوت عطا فرمائے گا۔ جیسا کہ ارشاد ہے لاحول ولا قوۃ الا باللہ یعنی اللہ تعالےٰ کی قوت کے بغیر کسی کو حول و حرکت کرنے کی طاقت نہیں ہے۔ اس لیے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم صدق دل سے پڑھتے ہوئے میرے ساجن پیار کی حمد و ثنا کرتے ہوئے اس کے کامل صفتاں سے سراتی جاؤں گی جس سے میرا ساجن بہت خوش ہوگا۔

۱۳ • سہیلیاں کل مل کے نول چکّی میں لانے — دوئی کے خطروں کے بھاکے پیسو دانے

مطلب یہ کہ ساتھ رہنے والی سب سہیلیوں کے ساتھ سب مل کر چکّی کے نول میں دانے ڈال کر جو دراصل دوئی کے خطرے ہیں۔ چکّی کو پیستے جائیں تو وہ سب یکتائی وحدت میں تبدیل ہو جائیں گے۔ گویا دوئی کے خطرے مٹ کر وحدت کی شکل میں نمودار ہو جائیں گے۔ یعنی کثرت وحدت سے بدل جائے گی۔

۱۴ • اقرار کا ہے کھونٹا تصدیق کی ہے میانی — نفی کے ہاتھوں سے اثبات چکسا چھانی

چکّی کے اوپر کے پاٹ میں ایک کھونٹا مضبوطی سے ٹھوک دیتے ہیں۔ تاکہ چکّی کے پیستے وقت برقرار رہے اور نیچے کے پاٹ میں ایک مضبوط میانی بھی قائم کرتے ہیں۔ جس کو حضرت شاہ کمال علیہ الرحمہ نے اقرار کے کھونٹے سے اور تصدیق کی میانی سے تشبیہ دی ہے۔ فرماتے ہیں کہ دل میں اقرار توحید اور تصدیق رسالت کو مضبوطی سے قائم کرنا ہی حقیقی ایمان پر ثابت قدم رہنا ہے اور پھر دین اسلام کے احکامات پر عمل کرنا گویا چکّی کے دو پاٹوں کو گھما کر پیسنے کا کام لینا ہے۔ دولھا اور دلہن کی شادی رچانے وقت دکن میں یہ رسم و رواج جاری ہے کہ نہلانے وقت استعمال میں لانے کے لیے ایک خوشبودار چکسا مختلف خوش بودار اشیاء کو چکّی میں پیس کر تیار کیا جاتا ہے اور اس کا مسالہ شادی شدہ تجربہ کار عورتیں ہی مل کر بناتی ہیں۔ چکّی میں پیسنے کے بعد مختلف خوش بودار اشیاء کی نفی ہو جاتی ہے۔ ایک اثبات چکسا بڑا خوش بودار تیار ہوتا ہے۔ یہاں حضرت نے مختلف اشیاء کی نفی اور ایک اثبات چکسا کو بڑی خوبی سے بیان فرمایا ہے۔

۱۵ • عینیت، غیریت چکی کے دو پاٹاں ! اللہ اور نبیؐ سے ملنے کی دو باٹاں

اب حضرت سید شاہ کمال علیہ الرحمہ نے چکی کے دو پاٹوں کی نسبت کو بڑے عمدہ پیرائے میں سمجھایا ہے۔ فرماتے ہیں کہ ایک عینیت کی پاٹ ہے تو دوسری غیریت کی پاٹ۔ یہ دونوں پاٹاں اللہ تعالے اور نبیٔ کریم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے ملنے کی دو باٹاں یعنے راستے ہیں۔ اصطلاحاتِ تصوف میں بندے میں اور خدا میں عینیت اور غیریت کی دو نسبتیں ثابت ہیں۔ خدا کی ذات اور بندے کی ذات میں غیریت ثابت ہے۔ یعنی ذاتاً خدا اور بندے میں جدائی غیریت حقیقی ثابت ہے اور وجوداً خدا میں اور بندے میں عینیت حقیقی یگانگی ثابت ہے۔ یعنی بندہ روحانی ترقی حاصل کرکے بقا باللہ کے مرتبہ کو پہنچ جاتا ہے۔ تو خدا نہیں ہوجاتا بلکہ خدا نما ہوجاتا ہے۔ چناں چہ حضرت نے اپنے ایک دوسرے شعر میں اس حقیقت کو واضح کردیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں : ؎

صوفیاء کا یاد رکھ قاعدۂ کلیہ ... خلق نہ ہوجائے حق، عبد نہ ہوجائے رب
عینیت اور غیریت کر تو حقیقی ثبوت ... ورنہ حقائق کے بیچ لاف نہ کر موند لب

یہاں اتنا سمجھ لینا کافی ہے کہ غیریت سے مراد شریعتِ مطہرہ ہے۔ جو بندہ نبیٔ کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی اتباع ظاہراً باطناً کرتا ہے تو اللہ رب العزت اپنے خاص فضل وکرم سے اپنے جذب سے اس بندے کو قرب کی دولت سے سرفراز فرماتا ہے اور اس کو اپنا دوست اور محبوب بندہ بنالیتا ہے جیسا کہ اس آیتِ کریمہ سے ثابت ہے : قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ۔

۱۶ • چاکی کو پھرانا ارشاد کی قوت سے ہُوہُو آواز اس میں آتی ہے قدرت سے

فرماتے ہیں کہ جب چکی کو اس ارشاد کی قوت سے یعنی لاحول ولاقوۃ اِلّا باللہ کے ارشاد کی قوت سے جب چکی کو پھراتے جائیں تو اس میں سے ایک پیاری آواز ھوٗھوٗ کی قدرت سے آتی ہے۔ قدرت سے سنائی دے گی۔ سبحان اللہ وبحمدہٖ سبحان العظیم وبحمدہٖ۔ ؎

۱۷ • پیسنا اس چکی کا انبیھائی کو نہیں آتا سہاگن کے ہاتھوں سے چکسا پسے جاتا

فرماتے ہیں غیر شادی شدہ عورتوں سے اس چکی کو پیسنے کا کام نہیں لیا جاتا۔ چکی میں پیس کر چکسا بنانے کا کام تو سہاگن سے یعنی شادی شدہ عورتوں سے ہی لیا جاتا ہے۔ یہاں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جو کسی شیخ کامل سے بیعت کرکے نسبت حاصل نہیں کرتے وہ انبیھائی یعنی ان بیاہی غیر شادی شدہ کے حکم میں داخل ہیں اور شیخ کامل سے بیعت کرکے نسبت حاصل کرنے والے ہی سہاگن ہیں اور اہلِ طریقت ہیں۔ ؎

۱۸ • اول تو یہ چاکی دولہ نے پھرا یا تس پیچھے دلہن کو پھرانے سکھایا

مطلب یہ کہ اول خدا نے قرآن مجید کی تلاوت اور اس معانی و مطالب اور تمام اسرار و رموز حقائق و دقائق اس کے پیارے حبیب اکرم محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو سکھایا۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالےٰ ہے الرحمٰن علم القراٰن ٥ خلق الانسان علمہ البیان ٥ یعنی اللہ رحمٰن نے قرآن سکھایا۔ انسان کو پیدا فرمایا اور بیان سکھایا۔ ھ

۱۹ • بعد از ساری بیویاں دلہن سے سکھاں ہیں زباں پر رکھیاں ہیں دلوں میں لکھیاں ہیں

فرماتے ہیں کہ بعد ازاں اس قرآن مجید کو آقائے کائنات احمد مجتبےٰ محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے سب صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو سکھایا اس طرح صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے قرآنِ مجید کو سیکھا، حفظ کیا اور اس کے اسرار و رموز کو سینوں میں محفوظ فرمالیا۔

لہٰذا آقائے دو عالم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ان کی شان میں فرمایا ہے کہ اصحابی کالنجوم فبای اقتدیتم اھتدیتم: یعنی میرے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین ستاروں کی مانند ہیں، جو بھی ان کی اقتداء کرے ہدایت پر ہے۔ ھ

۲۰ • الا اللہ فرما کے اثبات اپنی جوڑا "لا" کہ کے اللہ نے بولو کس کو چھوڑا

فرماتے ہیں لا الٰہ الا اللہ میں اللہ تعالےٰ نے "لا" کہہ کے کسی کو حالت "نہیں" میں رہنے نہیں چھوڑا بلکہ الا اللہ فرما کر اپنے سے اثبات کی نسبت سے جوڑا ہے۔ یعنے بندے کی ذات معدوم اضافی کو جس کو وجود نہیں ہے اس کو اپنی ذات موجود کی نسبت سے جوڑ کر بندے کی ذات کو موجود نما کیا ہے۔ اس طرح بندہ اپنے آپ سے موجود نہیں ہے بلکہ حق کے وجود سے موجود نما ہوا ہے۔ ھ

۲۱ • لازم ہے ناریاں ہوا اوّل پیو کو پانا حاصل کیا نا پاکے خالی گیتاں گانا

فرماتے ہیں کہ اے میری پیاری خواتین (عورتو) پہلے اپنے آپ کو اپنے پیو سے پیار سے نسبت جوڑ لینا ضروری ہے۔ اپنے پیو سے پیار و محبت حاصل کر کے ہی ازدواجی زندگی کا لطف حاصل کر سکتے ہیں ورنہ بغیر اس نسبت کے خالی گیتاں گانے سے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ زندگی کا حقیقی لطف حاصل نہیں ہوتا اسی طرح جو کوئی شیخ کامل سے بیعت ہو کر اللہ اور اس کے پیارے رسول صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے نسبت حاصل کئے بغیر خالی ظاہری ذکر و اذکار میں مشغول ہوتا ہے تو وہ قرب و وصلِ حق کی لذت سے ناآشنا ہی رہتا ہے۔

ھ خود بخود نہیں خدا رسی ممکن پیر شاہ میر راہبر ہونا (رشحہ کمال)

اس شعر میں اول پیو کو پانے سے مراد شیخ کامل سے بیعت ہو کر معرفتِ الٰہی کا حصول ہے جو اوّلین

فرض ہے ۔ بغیر معرفت کے اشغال واذکار وغیرہ خالی گیتاں گانے کے مترادف ہے ۔ ؎

۲۲ ● میں نیں ہوں یا ہے ہوں یا رب ہوں یا بندی — بوجھی نیں سوناری دونوں جگ میں اندھی

فرماتے ہیں جو کوئی مرد ہو یا عورت یہ نہ بوجھے کہ "میں نیں ہوں" یا "میں ہوں" یا "میں رب ہوں" یا "میں بندی ہوں" "یا بندہ ہوں" تو ایسے افراد دونوں جہاں میں اندھے ہیں۔ کیوں کہ ان کو بصیرت حاصل نہیں ہے۔ اس کی تحقیق شیخ کامل سے کر لینا بہت ضروری ہے ورنہ دونوں جہاں میں اندھے ہی رہیں گے۔ بمصداق اس آیت کریمہ کے: من کان فی ھٰذہٖ اعمٰی فھو فی الآخرۃ اعمٰی۔ ؎

وجود رکھنے والی ذات خدا کی ہے۔ لہذا "ذات وجود مطلق" اللہ ہے۔ اس کے غیر کو وجود نہیں ہے۔ تو ماننا پڑتا ہے کہ لاموجود الا اللہ۔ لہذا بندہ کو "ہے پن" یعنی وجود نہیں ہے۔ اللہ کے "ہے پن" سے بندے کا "نیں پن" موجود نما ہوا۔ جیسا کہ حضرت نے دوسری جگہ ارشاد فرمایا ہے: ؎

ہم نیں سو ہے نہ ہووئیں وہ ہے سو نیں نہ ہووے — اس نیں کو ہے دکھانا تیرا ہے داب یا رب (رشتہ کمال)

اور دوسری جگہ فرماتے ہیں: ؎

● اپنے نیں پن میں حق کا ہے پن دیکھ — میں ہوا فرض معرفت سے ادا

● خدا موجود تھا اوّل نہ تھا غیر — وہ غیر اب بھی عدم ہے گر تو سمجھے

ان اشعار میں خوب غور کریں تو سمجھنے اور بوجھنے میں مدد مل جائے گی۔ ان شاء اللہ العزیز۔ ؎

۲۳ ● خدا ہونا ہو تو خودی کا سر مونڈو — خودی کھونا ہے تو کامل مرشد ڈھونڈو

دکنی زبان میں خدا ہونا ہو تو کا مطلب یہ ہے کہ خدا کو پانا، ہو تو خودی کا سر مونڈنا ضروری ہے۔ یعنی اپنی وہمی خودی کو فنا کر دینا لازمی ہے تا کہ حق تعالیٰ کی یافت و شہود تک رسائی حاصل ہو۔ جیسا کہ حضرت نے دوسری جگہ فرمایا ہے: ؎

پہلے تو فنا ہو جا پندار کی ہستی سے — من بعد بقا حاصل کر یار کی ہستی سے

اس وہمی خودی کو فراموش کرنے کے لیے فنا کرنے کے لیے کامل مرشد کو ڈھونڈنا ہے اور اس سے بیعت ہو کر فنا ہونے کا طریقہ سیکھیں تو بقا باللہ تک رسائی حاصل ہو سکتی ہے۔

۲۴ ● دل کا صندوق کھولو کلمے کی لیو کونجی — اللہ کی پہچانت اس میں مایا پونجی

فرماتے ہیں کہ دل میں حقائق منکشف ہونے کے لیے کلمہ طیبہ کی کنجی سے مدد لینا ضروری ہے۔ کلمہ طیبہ کی تحقیق سے شریعت، طریقت، حقیقت و معرفت کے حقائق دل میں خوب منکشف ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی پہچانت کے اسرار بھی اسی کلمہ طیبہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تحقیق کرنے

سے حاصل ہو سکتے ہیں۔ اللہ تعالےٰ کی پہچانت و معرفت حاصل ہونے کے لیے کلمۂ طیبہ کی مرشدِ کامل سے حاصل کر لینا بہت ضروری ہے۔ ؎

۲۵ ● دولا اور دلہن کی جلوہ کی رات آئی　　　　میں سو تو، تو سو میں کیا بہتر بات آئی

فرماتے ہیں کہ دولا اور دلہن کے وصل کی پہلی رات میں جو جلوہ کی رات کہلاتی ہے۔ دونوں عشق و محبت ایسی بات کرنے لگتے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ دولا اور دلہن الگ نہیں ہیں۔ عاشق اپنے معشوقہ سے کہتا ہے کہ میں سو تو ہے اور تو سو میں ہوں عشق و محبت میں میرا تیرا کچھ نہیں رہتا۔ اسی طرح شب معراج میں اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے حبیبؐ سے یوں خطاب فرمایا تھا۔ جس کو حضرت سید عبدالحق شہ میری قدس سرہٗ نے اس شعر میں ظاہر فرمایا ہے: ؎

معراج کی شب آتی تھی صدا تو اور نہیں میں اور نہیں
کہتا تھا خدا خود انت انا تو اور نہیں میں اور نہیں

اسی کو اعلیٰ حضرت فاضلِ بریلوی حضرت شاہ احمد رضا خان علیہ الرحمہ والرضوان نے بھی کیا خوب فرمایا ہے ملاحظہ ہو: ؎

میں تو مالک ہی کہوں گا کہ ہو مالک کے حبیبؐ
یعنی محبوب و محب میں نہیں میرا تیرا ؎

۲۶ ● حقیقت میں دلہن دولا سے بیگانی　　　　دولا جم جم باقی دلہن نت نت فانی

فرماتے ہیں کہ اللہ رب العزت اپنے پیارے حبیب اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کا عاشق و شیدا ہے۔ اور وہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ باقی رہنے والا ہے اور ذاتِ حبیب اکرم صلے اللہ علیہ وسلم ذاتِ خدا سے جُدا ہے۔ خدا کی ذات ہمیشہ باقی اور بندے کی ذات فانی ہے۔ اسی طرح عشق مجازی میں بھی دلہن دولا سے بیگانی ہے اور محبت میں مجازًا دونوں میں یگانگی کی کیفیت پیدا ہوتی ہے۔ مقامِ عشق میں معشوق و عاشق اور عشق تینوں ایک ہیں۔ ؎

۲۷ ● پھر دیکھو تو یک ہے دولا دلہن دو مل　　　　جدائی اور دوری دونوں میں یک تل

فرماتے ہیں کہ ذاتًا خدا اور بندے میں جدائی ہے لیکن وجودًا دونوں میں جدائی اور دوری رتی بھر نہیں ہے۔ اسی طرح پیارے حبیب اکرم صلے اللہ علیہ وسلم وجودًا اللہ سے ہرگز جدا نہیں۔ دوسری جگہ حضرت سید شاہ کمالؔ علیہ الرحمہ نے یہاں تک کہہ دیا ہے: ؎

وجودِ محمدؐ وجودِ خدا ہے　　　　خدا سے محمدؐ نہ ہرگز جُدا ہے

عشقِ مجازی میں دولا اور دلہن محبت سے مل کر ایک ہو جاتے ہیں اور جدائی اور دوری ان میں بالکل محسوس نہیں ہوتی ۔ جب بندہ کی ذات خدا کی ذات میں فنا ہو جاتی ہے اور بندہ اللہ سے واصل ہو جاتا ہے تو عشقِ حقیقی میں لذت وصل کی کیفیت الفاظ میں بیان کرنا مشکل ہے ۔
مولانا جلال الدین رومی قدس اللہ سرہٗ نے اس اتصال کی کیفیت کو ایک شعر میں کیا خوب بیان فرمایا ہے ۔ ملاحظہ فرمائیے : ؎

اتصالے بے تکیف بے قیاس ہست رب الناس را با جانِ ناس ؎

حضرت شہ کمال علیہ الرحمہ نے بھی وصل اور ہجر کی کیفیت کو دوسری جگہ اسی طرح بیان فرمایا ہے : ؎

شرابِ وصل سے سرور رہنا خمارِ ہجر سے مخمور رہنا ؎

۲۸ • اٹھا ساتوں پردے دیکھو پیو کی صورت ہے پن جس کا معنیٰ ہیں پن جس کی صورت

حضرت سید شاہ کمال الدین شمع خاندانِ چشت جامعٔ دکن علیہ الرحمۃ والرضوان نے اس شعر میں دیدار یار کرنے کا طریقہ بیان فرمایا ہے جو صوفیائے کرام میں بہت اہم اور ضروری مسئلہ ہے ۔ اس مسئلہ کی اہمیت کو اجاگر کرنے کے لیے حضرت نے یہاں تک فرمادیا ہے : ؎

جس نے دیکھا اور دکھایا پیو کو وہ پیر ہے ورنہ بُت ہے دیو ہے یا پیرِ غول ہے یا بیر ہے

چوں کہ رویت حق کا مسئلہ انتہائی باریک اور ادق مسئلہ ہے ۔ اس کی تحقیق بھی شیخ کامل سے خوب کر لیتے رہنا بے حد ضروری ہے ۔ ایک حدیث پاک میں حضرت سرورِ کائنات احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد موجود ہے کہ : اِنَّ اللّٰہِ تَعَالٰے سَبْعُوْنَ اَلْفَ حِجَابًا مِّنْ نُوْرٍ وَّظُلُمٰتٍ تحقیق اللہ تعالٰے ستر ہزار حجابات نور و ظلمت کے رکھتا ہے ۔ اگر کوئی طالب صادق ان طلسماتی تعینات وصور کے پردوں کو جو ظاہری نظر کے درمیان باشکال والوان مختلفہ بصورتِ غیریت حائل ہو رہے ہیں اٹھائے گا تو بالضرور ذاتی جلوہ پائے گا ۔ (از تعلیم غوثیہ) ایک حدیث قدسی میں یہ بھی وارد ہے کہ اِنَّ فِیْ جَسَدِ اٰدَمَ لَمُضْغَۃً وَّفِی الْمُضْغَۃِ قَلْبٌ وَّفِی الْقَلْبِ فُوَادٌ وَّفِی الْفُوَادِ ضَمِیْرٌ وَّفِی الضَّمِیْرِ سِرٌّ وَّفِی السِّرِّ اَنَا ۔ اس حدیث قدسی میں ذرا غور کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ حضرت انسان میں یہ لطائف موجود ہیں ۔ ان سات لطائف پردوں میں ' انا ' میں پن کی صورت پوشیدہ ہے ۔ جب یہ سات پردے اٹھ جاتے ہیں تو انا یعنی ذاتِ واحد الوجود کا جلوہ مشاہدہ میں آجاتا ہے ۔ حضرت سید خواجہ بندہ نواز گیسو دراز ، شہنشاہِ دکن قدس سرہٗ نے اس سلسلہ میں اپنے ایک رسالہ تصوف "توحیدِ خاص" میں فرماتے ہیں کہ صوفی وہ ہے جو حقیقت میں حقیقت کی کان میں گر کر حقیقتاً حقیقت ہو گیا ہو ۔ باقی انعام (بیل بکری وغیرہ)

سب بے خبر جاندار ہیں۔ صرف علما ہی علم سے باخبر ہیں۔ متصوف صوفیوں کے راستے پر چلنے والے کو کہتے ہیں۔ صوفیا ے حق کو پہنچے ہوے ہوتے ہیں "حق" ہوتے ہیں۔ (یعنی حق نما ہوتے ہیں۔)

آگے فرماتے ہیں کہ 'حقیقی مسلمان وہی ہے جو توحیدِ مطلق میں پہنچ گیا ہو۔ توحیدِ مطلق جس کے ہاتھ آگئی ہو۔ جو کوئی توحید مقید میں رہ گیا وہ تقید میں پھنس گیا۔ وہ مسلمان مجازی ہے حقیقی نہیں۔ ؎

جملہ یک نور است لیکن رنگہائے مختلف　　　اختلاف ایں و آں را درمیاں انداختہ

یعنی سب ایک نور ہے۔ رنگ مختلف ہیں یہ اور وہ کے اختلاف کو درمیان میں ڈالا ہے۔ جس پر اس حقیقت کا پردہ کھول دیا جاتا ہے تو "میں اور تو" کی اضافت نسبت اس سے اٹھ جاتی ہے۔ ساری اضافتیں نسبتیں جو کچھ ہیں وہ میں تو کی ہیں۔ وہ اس سے الگ ہو جاتی ہیں۔ ستر ہزار پردے نور وظلمت کے جو سالک کے سامنے ہوتے ہیں ان سب کو ایک نقطہ میں تمہیں دکھار ہا ہوں۔ سو سال کا راستہ ایک گھڑی میں طے کرا رہا ہوں۔ تمہارا محبوب سے غافل رہنا ہی پردہ اور روک ہے۔ جب غفلت نکل جاتی ہے تو پردہ اٹھ جاتا ہے۔ جیسے ہی تم اس سے غافل ہو گئے پردہ میں آگئے۔ محبوب سے غافل رہنا ہی گناہ ہے۔ اگر تمہارا تم ہونا تم میں ہے تو یہ تمہارا تم ہی تو تمہارا غیر ہے۔ یہی پردہ ہے۔ "سب ایک نور ہے" جس کی کوئی انتہا نہیں لہذا جو کچھ عالم صورت و معنی میں ہے وہ اسی صورت ہوی۔ لیکن یاد رہے کہ وہ کسی صورت میں مقید نہیں۔ تمہاری توبہ تمہارا رجوع لوٹ آنا یہی ہے کہ تم اس قید سے نکل کر توحیدِ مطلق میں آجاؤ۔ دوئی ظاہر ہوتی ہے تو سامنے پردہ آجاتا ہے۔" (از رسالۂ توحید خاص) جب یہ سارے پردے غفلت و دوئی کے اٹھ جاتے ہیں تو اپنے یار کا مشاہدہ چشم بصیرت سے کر لیتا ہے۔ میں پن کی صورت میں "ہے پن" کا معنی رکھنے والی ذات "انا" یعنی ذات واحد الوجود کا مشاہدہ حاصل ہو جاتا ہے۔ سبحان اللہ وبحمدہٖ سبحان اللہ العظیم: ؎

۲۹ • نا او دولا میرا نا میں اس کی دلہن!　　　جو کچھ نیں سو میں ہوں جو کچھ ہے سو لالن

یہاں حضرت سید شاہ کمال علیہ الرحمہ دولا اور دلہن سے کیا مراد ہے وضاحت فرماتے ہیں۔ کہ حقیقت میں رب دولا نہیں اور میں یعنی بندہ یا بندی اس کی دلہن نہیں وللہ المثل الاعلےٰ۔ اللہ کے لیے اعلیٰ مثالیں ہیں۔ ان مثالوں سے اللہ پاک ہے۔ جو کچھ بھی ہے وہ اللہ کا وجود ہے اور اس کے پیارے حبیب اکرم محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نور ہے جیسا کہ حضرت نے دوسری جگہ فرمایا ہے: ؎

وجودِ محمدؐ وجودِ خدا ہے　　　خدا سے محمدؐ نہ ہرگز جدا ہے

وحدتِ محمدی برزخ کبریٰ اور واسطہ ہے۔ احدیت ذات، واحدیت کے درمیان یعنی خالق اور مخلوق میں اور فیضانِ الٰہی اسی مرتبہ کے واسطہ سے ذریعہ سے مخلوق کو پہنچتا ہے۔ اس شعر میں 'لالن' سے مراد واسطہ ہے کسی

عارف نے کیا خوب فرمایا ہے ۔ ؎

ادھر اللہ سے واصل اُدھر مخلوق میں شامل ۔۔۔ خواص اس برزخ کبریٰ میں ہے حرفِ مشدّد کا ؎

۳۰ • حقیقت دلہن کی عدم ہے امکانی ۔۔۔ ماہیت دولا کی ہستی ہے وحدانی

مطلب بالکل صاف ہے ۔یعنی بندہ کی ذات عدم اضافی ہے اور اللہ کی ذات حقیقت وجود مطلق ہے اصطلاح میں بندہ کو ممکن الوجود کہتے ہیں ۔ یعنی اس کا وجود بھی اضافی ہے اور عدم بھی اضافی ہے ۔یعنی اس کا رہنا نہ رہنا دونوں برابر ہیں ۔لیکن ذات وجود مطلق اللہ ہمیشہ سے ہے ہمیشہ رہے گا یعنی ہمیشہ باقی رہنے والی ذات جس کی ہستی وحدانی ہے ۔(یعنی واحد الوجود) ؎

۳۱ • دولے کا وہ ہے پن دلہن کا وہ نیں پن ۔۔۔ یک یک کی ماہیت یک یک کا ہے درپن

یعنی اللہ کو "ہے پن" ہستی ہے ۔اس کی ذات خود اپنے "ہے پن" وجود سے موجود ہے ۔ اس کے برعکس بندے کی ذات کو "ہے پن" وجود نہیں ہے ۔ "نیں پن" ہے یعنی معدوم ہے ۔ لہٰذا ذاتِ عبد میں ہستی نہیں نیستی ہے اس طرح اللہ کی حقیقت اور بندے کی حقیقت و ماہیت میں فرق ہے ۔البتہ بندے کی ذات کے آئینے میں اللہ تعالیٰ ظاہر ہے ۔جیسا کہ اس شعر میں حضرت نے اظہار فرمایا ہے ۔ ؎

ظاہر بصورت ہمہ اعیان وجود ہے ۔۔۔ نظارہ کر اگر تجھے چشم شہود ہے ۔

اور ایک جگہ اس طرح ارشاد فرماتے ہیں ۔خوب غور کریں : ؎

اپنے نیں پن میں حق کا ہے پن دیکھ ۔۔۔ میں کیا فرضِ معرفت کو ادا ؎

۳۲ • دلہن کی صورت سے دولا خود ظاہر ہے ۔۔۔ دولے کی ہستی سے دلہن کب باہر ہے

حضرت نے اس شعر میں پچھلے شعر میں جو حقیقت بندے کی ذات میں اور خدا کی ذات میں ہے بیان فرمائی تھی اسی کو اور آگے وضاحت سے بیان فرمایا ہے ۔چناں چہ فرماتے ہیں بندے کی صورت سے خدا خود ظاہر ہے ۔ لہٰذا بندہ اس کے وجود سے جدا نہیں ہے ۔اسی کو اصطلاحِ تصوّف میں یہ کہتے ہیں کہ وجودًا بندے میں اور خدا میں عینیت حقیقی کی نسبت ثابت ہے ۔ ؎

۳۳ • دانائی تجی ہوں دیوانی ہوں پیو کی ۔۔۔ رتی نیں رکھتی ہوں پروا اپنے جی کی

فرماتے ہیں کہ میرے پیو کی یار کی محبت میں میرا حال ایسا ہو گیا ہے کہ میری دانائی و ہوشیاری کو کھو بیٹھی ہوں اور اتنی مست و مدہوش ہو گئی ہوں کہ مجھے رتی بھر میری جان کی بھی پروا نہیں ہے ۔ جب تک بندہ اپنے یار کا دیوانہ نہیں ہوتا اور دل و جان سے اس پر فدا نہیں ہوتا عاشق صادق نہیں کہلاتا مقامِ عشق میں دانائی کام نہیں آتی دیوانگی ہی کام آتی ہے ۔جیسا کہ ایک شعر میں فرمایا ہے : ؎

جوکوئی پایا اپس من کو اُسے پھر تن سے کیا مطلب

جو پایا من کے موہن کو اسے پھر من سے کیا مطلب ؎

۳۴ • پریم کا پیالہ بھر بھر کے دے مجھ شہ میر پیر کے واری متوالی کئے مجھ

فرماتے ہیں کہ میرے پیر و مرشد حضرت سید محمد حسینی شہ میر اولیاء پر قربان جاؤں جنہوں مجھے شرابِ معرفت و محبت پلا پلا کر مست و مدہوش بنا دیا ہے۔ ؎

۳۵ • بختاں سے پائی ہوں ایسا مرشدِ کامل شریعت پو ثابت حقیقت سے واصل

مطلب بالکل واضح ہے۔ فرماتے ہیں کہ یہ میری خوش قسمتی ہے کہ ایسا مرشدِ کامل خدا نے مجھے عطا کیا جو شریعت پر عامل بھی ہے اور معرفت و حقیقت سے واصل بھی ہے۔ الحمد للہ علیٰ ذٰلک۔ یعنے حق سے واصل بھی ہے۔ ؎

۳۶ • گیانی سندر ہے سو بوجے میر بتیاں ست گت کے کاجل سے روشن جس کی نیناں

فرماتے ہیں کہ اُن کے اشعار کو عقل مند خوب صورت و خوب سیرت یعنی ظاہری و باطنی حسن سے آراستہ پیراستہ ہونے والے گیانی لوگ ہی سمجھ سکتے ہیں۔ کیوں کہ ان کی بصیرت دل کی آنکھیں علمِ معرفت کے انوار سے روشن ہیں۔ یعنی جس کے دل کی آنکھیں روشن ہوگئی ہوں وہی ان اشعار کو خوب سمجھ سکتا ہے۔ ؎

۳۷ • ایسا چکی نامہ چاتر دھن کوئی گاوے چکی کے گھونگھٹ میں پیو کا مکھ بھاوے

مطلب بالکل صاف ہے۔ فرماتے ہیں کہ ایسا چکی نامہ عارف باللہ جو مست بھی اور ہوشیار بھی ہے گانے لگ جائے تو اسی چکی کی گھونگھٹ میں (پیکر میں) پیو کا یعنی یار کا مکھڑا دکھنے لگے گا۔ جمالِ یار کا مشاہدہ کرنے لگے گا۔ ؎

۳۸ • ہر شئے اللہ ہے کر یقیں دھر کمالی دوئی کے گماں سے اپس کو کر خالی

یہ مقطع کا شعر ہے۔ فرماتے ہیں کہ اے کمالی ہر شئے اللہ ہے کر کے دل وجان میں یقین کرلے۔ مطلب یہ کہ ظاہر میں شئے ہول مگر باطن میں جان لے کہ اللہ ہے شئے نہیں ہے۔ اسی طرح اے کمال تجھ میں اور خدا میں دوئی نہیں۔ اس گمان کو اپنے سے خالی کر کے دیکھ لے تو یہ حقیقت منکشف ہوجائے گی کہ تو نہیں ہے خدا موجود ہے۔ اس شعر میں مسئلہ وحدت الوجود کی بڑی عمدہ تحقیق ہے۔ اس مسئلہ کو اور وضاحت سے سمجھنے کے لیے حضرت کا یہ شعر بھی ملاحظہ فرمائیں۔ ؎

ظاہر میں بول علم باطن میں جان اللہ کثرت اسے کہے ہیں وحدت اسے کہے ہیں

اب برادرانِ طریقت کی خدمت میں پُر خلوص التماس ہے کہ جو بھی غلطیاں سمجھنے اور سمجھانے میں ہوگئی ہوں تو معاف فرمائیں اور اصلاح کرلیں۔ بتوفیقِ الٰہی صوفی شاعر شہ کمال علیہ الرحمہ (بقیہ صفحہ 216 پر ملاحظہ ہو۔)

ڈاکٹر جاویدہ حبیب

بزرگانِ حضرت مکان ویلور

ضلع شمالی آرکاٹ میں ویلور دارالسرور کا نام لیتے ہی خاندانِ اقطاب ویلور کی بہت سی ایسی بزرگ شخصیتوں کے نام گرامی ذہن میں ابھرتے ہیں۔ جن کی بدولت تین سو سالہ خدماتِ زرّیں کی تاریخ سامنے آجاتی ہے۔ ان خدمات میں دینی، دنیاوی، ادبی اور سماجی ہر قسم کی خدمات شامل ہیں جنوب میں بڑی بڑی ادبی، علمی اور عرفانی خصوصیات کی حامل جو شخصیتیں بنی تھیں ان کا سبب یہی خاندان اقطاب ویلور رہے۔ جہاں کہیں سے بھی تاریخی ثبوت فراہم ہیں۔ اس کی روشنی میں جب ہم حضرت شاہ عبداللطیف قادری قدس سرہٗ کا جائزہ لیتے ہیں تو بہت سی باتیں بالکل واضح اور روزِ روشن کی طرح ہمارے سامنے آجاتی ہیں۔ آپ کی پیدائش بیجاپور میں ۱۰۹۷ھ م 1656ء میں ہوئی۔ آپ کا پدری سلسلہ حسینی ہے جو تقریباً گیارہ واسطوں سے حضرت امام حسینؓ سے جا ملتا ہے۔ آپ کے والد بزرگوار کا نام میراں سید ولی اللہ تھا۔ جن کی وفات تسخیر بیجاپور ہی کے دور میں ۱۰۹۹ھ م 1687ء میں ہوئی۔ حضرت سید عبداللطیف قادری نے اپنی تعلیم و تربیت اپنے والد کے زیرِ سایہ ہی حاصل کی۔ آپ کے والدِ بزرگوار ایک جیّد عالم اور صاحبِ طریقت تھے۔ فنِ تصوف میں بھی آپ نے والد ہی سے استفادہ کیا تھا اور سلوک بھی طے کیے تھے۔ آپ خَلقی اور خُلقی دونوں اعتبار سے احسن خصوصیات کے مالک تھے۔ آپ نے اپنے نانا سید ابوالحسن کے ہاتھ پر بیعت کی اور ۱۷ سلاسل میں خرقۂ خلافت حاصل کیا تھا۔ ان کے علاوہ دیگر سلاسل میں بھی آپ نے اجازت حاصل کی ہے۔ آپ نے ایک طویل مدت بیجاپور میں گزاری اور نواب سعادت اللہ خان اور نواب انورالدین خان کے عہد میں سیاسی ابتریوں کے باعث ترکِ وطن کیا اور کرناٹک کی راہ لی۔ جس وقت آپ کے فرزندِ ارجمند حضرت ابوالحسن قربیؔ صرف چار سال کے تھے یعنی یہ دور ۱۱۲۱ھ م 1709ء کا دور تھا۔ آپ معہ اہل و عیال ہجرت کی اور شاہ نور دہلی سے بیس میل کے فاصلے پر واقع شہر میں دو سال تک قیام کیا۔ وہاں سے میسور سے قریب ایک مقام "سرا" چلے آئے۔ تقریباً دس بارہ سال

وہاں رہے۔ وہاں سے بھی سیاسی حالات کی تبدیلی کے باعث آپ کو ہجرت کرنی پڑی اور آپ آرکاٹ چلے آئے۔ جہاں آپ کا خندہ پیشانی سے خیر مقدم کیا گیا۔ ۱۱۳۸ھ م 1725ء میں آپ آرکاٹ سے ویلور منتقل ہو گئے۔ جس وقت آپ ویلور پہنچے تو وہ رات کا موقعہ تھا اور آپ کو قلعہ کے روبرو ایک بڑے میدان میں رات گزارنی پڑی تھی۔ اسی رات آپ خواب میں زیارتِ حضور پرنورؐ سے مشرف ہوئے۔ آپ کو سرورِ کائناتؐ نے خطاب فرمایا: اے نورالعین اسی جگہ قیام کرو دیکھو یہاں مسجد، یہاں مدرسہ اور یہاں خانقاہ تعمیر کرانا... تمہاری اولادِ امجاد سے ہمیشہ اہلِ اسلام کو فیض پہنچے گا اور اس جگہ اسلام کو بہت زیادہ فروغ حاصل ہوگا...۔"

حضرت سید شاہ عبداللطیف قادری خواب سے بیدار ہوئے تو آپ نے دل میں ٹھان لی کہ وہ فرمانِ رسولؐ کی ضرور تعمیل کریں گے۔ الحمدللہ! آپ کی بدولت ایک بہت بڑے دینی اور علمی خانوادہ کی ویلور میں بنیاد پڑی۔ آپ ویلور میں گیارہ سال تک بقیدِ حیات رہے۔ اور اہلِ عالم کو فیوض و برکات سے آخری وقت تک نوازتے رہے۔ آپ کی وفات حسرت آیات ۱۱۴۹ھ م 1736ء میں ہوئی۔ آپ کا مزار پرانوار جامع مسجد کے احاطے میں مشرقی حصے میں واقع ہے۔ آپ ہی کے خانوادہ کے ایک بزرگ حضرت مولانا رکن الدین ثانی نے تاریخِ وفات کا کتبہ آپ کے مزار شریف پر لگوایا ہے۔ جس کے اشعار یوں ہیں: ؎

قبلہ و کعبہ جدِ من سید	شاہ عبداللطیف عرش راہ
کرد رحلت بگفت رکن الدین	سال ترحیل غاب قطب الٰہ

آپ کا مزار آج کل ہی نہیں بلکہ ہر دور میں مرجع خاص و عام رہا ہے۔ آپ کے مزار پر جاتے سے لوگ بڑا روحانی سکون محسوس کرتے ہیں۔

آپ صاحبِ کشف و کرامات تھے۔ سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ ہر اجنبی آپ سے جلد مانوس ہو جاتا تھا کیوں کہ آپ حسن اور اخلاق دونوں میں کمال کی حد تک بزرگی رکھتے تھے۔ آپ کا خلق ہی آپ کی سب سے بڑی کرامت تھی۔ آپ کے دور میں ایک عالم کو فیوض و برکات حاصل ہوئے۔ غیر مسلموں میں اسلام کی روشنی پھیلی اور ویلور دارالسرور بننے کے قابل ہوا جس بزرگ کے خواب میں حضور اکرمؐ آئیں اور تلقین کریں وہ بزرگ ہستی یقیناً ولی صفت ہی رہی ہوگی جس میں کسی قسم کا شک و شبہ ہو ہی نہیں سکتا اور مزید یہ کہ قدرت نے خود آپ کو منتخب کر کے ویلور کی طرف روانہ کیا تھا تو رہا سہا شبہ و شک بھی دور ہو جاتا ہے۔

سید العارفین حضرت مولانا رکن الدین محمد سید شاہ ابوالحسن قرنیؒ قدس سرہٗ العزیز

آپ کا نام آپ کے والد بزرگوار کے نانا حضرت سید ابوالحسن کے نام پر رکھا گیا۔ آپ کے والد بزرگوار حضرت سید شاہ

عبداللطیف قادری بیجاپوری قدس سرہٗ العزیز ہیں۔ جن کا تذکرہ میں نے ابھی کیا ہے۔ آپ کی پیدائش بیجاپور میں ۱۴ شعبان المعظم سنہ ۱۱۱۸ھ م 1706ء میں ہوئی۔ آپ اس طرح ایک مقدس رات یعنی شب برات کو پیدا ہوئے۔ جب اورنگ زیب عالمگیر ایک سال کے بچے تھے۔ تو آپ کی پیدائش ہوئی تھی۔ آپ کا سنِ پیدائش "نتیجۂ فکر" ہے۔ (مولوی محمد حسین موصوف حضرت قربیؒ کی فارسی کے استاد رہ چکے ہیں، جو ان دنوں بیجاپور سے کرناٹک آگئے تھے۔) جب آپ تین چار سال کے تھے۔ آپ کے والدین بیجاپور سے ہجرت کر کے سنہ ۱۱۲۱ھ م 1709ء میں "شاہ نور" (دہلی کی نواح کا ایک شہر) میں دو سال قیام کیا اور وہاں سے میسور کے قریب ایک مقام "سرا" آئے اور دس بارہ سال وہاں رہ کر آرکاٹ کا رخ کیا۔ سنہ ۱۱38ھ م 1725ء میں آرکاٹ سے ویلور آگئے اور وہاں مستقل سکونت اختیار کر لی۔ جب آپ ویلور پہنچے تھے تو آپ کی عمر چودہ سال کی تھی۔ آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے والد ہی سے حاصل کی۔ قیام آرکاٹ کے دوران آپ نے مولوی محمد حسینؒ بیجاپوری سے فارسی کتب پڑھیں استاد اور شاگرد کے درمیان بڑا گہرا رشتہ قائم ہوا اور برکت صحبت سے قربیؒ نے پورا فائدہ اٹھایا۔ استاد کو بھی اپنے شاگرد پر بڑا ناز تھا۔ ویلور آنے کے بعد آپ نے حضرت شیخ عبدالحق محمد مخدوم ساویؒ (عرف دستگیر) کے مرید اور خلیفۂ خاص حضرت مولانا مولوی فخرالدین مہکری سے فارسی کی فن تصوف میں چند کتابیں پڑھیں اور اسی دوران آپ کو عربی پڑھنے کا شوق بھی لاحق ہوا۔ جس کے لیے آپ نے آرکاٹ میں مقیم پذیر حضرت مولانا محمد ساقی (شاگردِ رشید حضرت مولانا عبدالرحیم) سے ہفتہ میں پانچ دن متواتر درس لینا شروع کیا۔ مگر یہ سلسلہ بعض وجوہات کی بنا پر تادیر قائم نہ رہ سکا۔ اور حضرت قربیؒ نے بذاتِ خود عربی کتابوں کا مسلسل مطالعہ شروع کر دیا۔

حضرت قربیؒ نے جس وقت اپنی آنکھیں کھولی تھیں خود کو ایک صوفیاء و عرفاء کے درمیان پایا۔ آپ کی تربیت میں بھی آپ کے والد بزرگوار نے کوئی کمی نہیں چھوڑی۔ شریعت و طریقت میں آپ نے زندگی بھر کسی طرح کی لوچ اپنے اندر آنے نہیں دی۔ آپ نے اپنے استاد شیخ فخرالدین مہکری کے دستِ مبارک پر بیعت کی اور سلسلۂ قادریہ میں آپ کو اجازت خلافت و اذکار و اشغال حاصل ہوئی۔ پھر موصوف ہی کی ایما پر آپ اپنے دادا پیر حضرت شاہ عبدالحق محمد مخدومؒ ساویؒ کی خدمت اقدس میں بھی پہنچ گئے اور شیخ موصوف کے تصرفِ بزرگانہ سے یگانہ روزگار ثابت ہوئے۔ حضرت قربیؒ نے آپ کی خدمت میں رہ کر جملہ منازل سلوک طے کئے۔ حضرت مخدوم ساویؒ کے جملہ خلفاء و مریدین میں صرف قربیؒ کو یہ شرف حاصل ہوا تھا کہ آپ کو حضرت ساویؒ کی زندگی ہی میں بیعت کرانے کی اجازت ملی تھی۔ حضرت ساویؒ ہی کی ایما پر حضرت قربیؒ نے آرکاٹ کے مشہور بزرگ اور آپ کے عم بزرگوار حضرت سید علی محمد الحسنی قادری صبغۃ اللٰہی قدس سرہٗ کے بھی طالب ہوئے۔ حضرت سید علی محمد الحسنی اس وقت آرکاٹ کے مشہور صوفیا میں سے تھے اور آخر وقت میں بالکل جذب کے عالم میں رہتے تھے۔ حضرت قربیؒ نے اپنے اندر بھی جذب کی کیفیت پیدا کرنے کی کوشش کی تھی مگر معلوم نہیں بعد میں آپ اس سے کیوں باز آگئے تھے۔

حضرت قربیؒ نے چھبیس ۲۶ خانوادوں سے اکتساب فیض کیا تھا۔ اور ایک سو اکیانوے ۱۹۱ سلاسل میں خرقۂ خلافت و اجازت حاصل کی تھی۔ جن میں تین بزرگ مشائخ (۱) آپ کے عم بزرگوار حضرت سید علی محمد الحسینیؒ قادری صبغۃ اللہی۔ (2) حضرت شیخ محمد فخر الدینؒ ٹھکری قادری۔ (3) حضرت شیخ عبد الحق محمد مخدوم ساویؒ کے نام گرامی قابلِ ذکر ہیں۔ آپ بڑی تیزی سے لوگوں کو اپنے حلقۂ ارادت میں لے لیتے تھے اور آپ کا مقصد یہ تھا کہ جتنی تیزی سے راہ بھٹکی ہوئی مخلوق راہِ راست پر آجائے بہتر ہے اور وہ صحیح معنوں میں شریعتِ مصطفویہؐ کی اتباع کرے۔ آپ شریعت و طریقت دونوں میں بہت سخت تھے۔ آپ مریدوں میں اس بات کی سخت تلقین کرتے تھے کہ وہ حرام کھانے، ترکِ صلوٰۃ اور گناہِ کبیرہ سے ہمیشہ بچے رہیں۔ آپ حضرت غوث پاک شیخ محی الدین عبد القادر جیلانی کی زندگی کے عین موافق اپنے آپ کو بھی ڈھالنے کی کوشش کرتے تھے۔ اور دوسروں کو بھی اسی کی نصیحت کیا کرتے تھے۔ آپ کے اندر استغنا، توکل، خلق، دوستی، راست گوئی، نرم مزاجی جیسی اعلیٰ خصوصیات کوٹ کوٹ کر بھری تھیں۔ آپ بے جا دولت جمع کرنے کے سخت خلاف تھے۔ ایک مرتبہ نواب محمد علی والاجاہ آپ کی خدمت میں جاگیر کا پروانہ لے کر حاضر ہوئے تو آپ نے اُسے یہ کہہ کر لوٹا دیا۔ کہ "قربی شاہی اور ملک شاہی دونوں کا متلاشی نہیں ہے بلکہ وہ فقر و مستی کے عالم میں سب سے بلند و بالا ہے جس کا مسند بوریا ہی اس کے لیے باعث فخر ہے۔"

آپ بردبار اور حلیم الطبع بھی تھے اور سخاوت میں اتنے عظیم تھے کہ کوئی سائل آپ کی بارگاہ سے کچھ پائے بغیر واپس نہیں ہوتا تھا۔ آپ نامحرموں کے سامنے کشف الٰہی کی قطعی گفتگو نہیں کرتے تھے۔ بلکہ شریعت کے احکام کو زمانہ میں پہنچانے کے لیے اپنے خانوادے کی عالم خاتونوں کا سہارا لیتے تھے تاکہ شریعت کی پابندی میں کسی طرح کا خلل نہ پیدا ہو۔ اسلام کے فرائضی احکام میں ذرا بھی کوتاہی نہیں کرتے تھے۔ نمازوں کو اُن کے متعینہ اوقات میں ادا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ سخت علالت کی حالت میں بھی بیٹھ کر یا لیٹ کر یا اشاروں سے نمازیں ادا کیں تھی۔ اس قدر عمل کا تواتر اور عمل کی صحت بہت کم لوگوں میں پائی جاتی ہے۔

سنہ ۱۱۰۱ھ میں آپ بیمراج ہالہ (BIMRAJ HALA) تشریف لے گئے تو آپ کے ساتھ سید لطف اللہ اور سید عمر نامی دو مرید بھی ہمراہ تھے۔ ان کا کہنا ہے کہ ایک دن آپ کو ناشتے کے بعد قئے ہونی شروع ہوئی یہاں تک کہ آپ بے ہوش ہوگئے اور آپ کو قطعی خبر ہی نہ ہوئی۔ جب ظہر کا وقت آیا تو آپ کو اچانک ہوش آگیا اور دریافت کیا کہ کیا وہ وقت ظہر تھا؟ اثبات میں جواب پانے کے بعد آپ نے وضو فرمایا اور بیٹھ کر نمازِ ظہر ادا کی۔ نماز کی ادائیگی تک مریدین انھیں تھامے رہے۔ پھر آپ نے لٹا دینے کا حکم دیا۔ جب لیٹ گئے تو دوبارہ آپ پر بے ہوشی طاری ہوگئی اور ٹھیک عصر کے وقت آپ ہوش میں آگئے اور بدستور سابق آپ نے نماز ادا کی۔ دونوں

حالتوں میں آپ انتہائی تکلیف میں تھے مگر حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی اتباع اور اتباع شریعت دونوں کی پاسداری دکھائی دے رہی تھی۔

آپ کے فرزند حضرت محی الدین سید شاہ عبداللطیف ذوقی ویلوری کا کہنا ہے کہ میں شعبان ۱۱۷۵ھ م ۱۷۶۱ء میں آرکاٹ میں سکونت پذیر تھا اور اکثر قصیدۂ بردہ شریف پڑھا کرتا تھا۔ ایک رات میں حضرت رسالت پناہ صلے اللہ علیہ وسلم کو ایک معاملہ میں دیکھا کہ کاغذ کا ایک ٹکڑا مجھ کو عنایت فرمایا۔ جس میں لکھا تھا یا (حضورؐ نے خود فرمایا تھا۔) کہ تمہارے والد (یعنی حضرت قربیؒ) غوث الاعظمؓ کے مقام پر ہیں۔ اللہ اس پر البتہ گواہ ہے"۔

اس خواب سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت قربی کا مقام سلطان الاولیاء کے مقام کے مترادف ہے اور آپ یقیناً اپنے وقت کے بہت بڑے قطب تھے۔ جس کی شہادت خود سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے دی تھی۔ الحمد للہ!

حضرت قربی کی ذات بابرکات سے بہت ساری کرامتوں کا ظہور ہوا۔ ایک بزرگ کا کہنا ہے کہ اولیاء سے کرامتوں کا صدور خالقِ کائنات کی قادریت مطلقہ اور اس کے وجود پر دلیل ہے اور ساتھ ساتھ مسئلہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالٰی نے اپنے برگزیدہ بندوں کو کائنات کے اندر تصرف کی طاقت اور قدرت عطا فرمائی ہے۔ جو کچھ ان سے خرقِ عادات کا صدور ہوتا ہے یہ کوئی شعبدہ نہیں بلکہ منجانب اللہ عطا کردہ ایک حقیقت ہے جو صاحبِ کرامت کی بزرگی اور مقبولیت عنداللہ ہونے کی دلیل ہیں۔

(حضرت مولانا محمد طیب الدین اشرفی مونگیری: عاشق خانوادہ اقطابِؒ ویلور)

حضرت ذوقی فرماتے ہیں۔ کہ ایک مرتبہ ایک دن سید فضل اللہ نامی ایک آدمی، جو ادھر ادھر پھر رہا تھا پکڑ کر حضرت کی خدمت میں لایا گیا۔" میں نے حضرت سے کہا: یہ شخص نماز نہیں پڑھتا اور نازیبا حرکتیں کرتا رہتا ہے۔ حضرت شیخ نے فرمایا... دوسری مرتبہ ایسا نہ کرنا اور بہت سمجھایا۔ اس پر اس نے بہت زیادہ گستاخانہ کلمات استعمال کئے۔ حضرت نے فرمایا...... اس مردود کو باہر کردو....... وہ شخص وہاں سے نکلتے ہی اسی دن دق میں مبتلا ہو گیا اور ریح و خون اس کے سینے سے نکلنے لگا۔ یہاں تک کہ وہ چند روز میں ختم ہو گیا۔

(از: کتاب انشائے عقائد ذوقی)

ایک دوسرا واقعہ اسی مذکورہ کتاب میں درج ہے:

ایک مرتبہ حضرت شیخ ایک لڑکے کو ایک آم کے درخت پر جو صحن مسجد میں (غالباً حضرت مکان کی قدیم ترین مسجد کی طرف یہاں اشارہ ہے۔) واقع ہے بکریوں کے لیے پتے توڑنے کو چڑھایا۔ اور خود حضرت درخت کے نیچے کھڑے رہے۔ قضارا وہ لڑکا درخت کی بلندی سے سقفِ مسجد پر گرا اور پھر وہاں سے صحنِ مسجد میں

آگرا۔ اس وقت آپ کی زبان سے نکلا..... خدا حافظ..... پھر آگے بڑھ کر اٹھایا تو بحمداللہ وہ محفوظ تھا اور اسے کسی قسم کی ضرب نہ پہنچی...۔"

حضرت ذوقی دو راویوں سید مصطفےٰ اور سید اسمٰعیل کے حوالے سے ایک واقعہ کی تفصیل میں یوں فرماتے ہیں:

"یہ لوگ فرماتے ہیں کہ سنہ ۱۱۸۰ھ م سنہ 1766ء میں حضرت شیخ قربیؒ سید پور (موجودہ مدراس کا محلہ کرشنا پیٹ) میں شیخ عبدالحق محمد مخدومؒ ساوی کے مقبرے کے قریب قیام پذیر تھے اور ہم لوگ (مرید اور چار راوی جن کے نام حضرت ذوقی نے سید لطف اللہ، نوراللہ شاہ، سید عمر اور سید آلِ حسن بتائے ہیں۔) آپؒ کی خدمت میں حاضر تھے کہ ایک دن صاحب زادہ غلام احمد (فرزندِ حضرت عبدالحق محمد مخدومؒ ساوی) نہایت عتاب میں آپ کے سامنے آئے اور بیٹھ گئے۔ اور کہا کہ آپ نے اپنی کتاب میں "شریعت" کو 'اصل' اور "حقیقت" کو 'فرع' لکھا ہے۔ بہتر یہی ہے کہ آپ لکھی ہوئی عبارت کو مٹا دیں۔ شیخ نے جواب دیا کہ میں نے جو کچھ لکھا ہے اور حضرت (حضرت مخدوم ساوی) نے اس کا مطالعہ فرمایا ہے۔ لیکن وہ کچھ نہ بولے بلکہ یہی فرمایا کہ اگر میں لکھتا تو یہی لکھتا۔ اس بات پر صاحب زادے نے کان نہ دیا اور عبارت مٹانے میں مشغول ہو گئے۔ ہمارے شیخ ان کے استاد زادے ہونے کی وجہ سے حرمت مرشد کا لحاظ کرتے ہوئے خاموش رہے۔ مزید صاحب زادے نے نازیبا باتیں اور گستاخیاں کیں پھر بھی حضرت خاموش رہے۔ اس شب حضرت مخدوم ساویؒ کو خواب میں دیکھا کہ آپ کے ساتھ نہایت شفقت کلامی سے پیش آئے اور ان کی نازیبا حرکتوں کو تسلیم فرمایا۔ ابھی دو تین دن بھی نہیں گزرے تھے کہ صاحب زادے کے ہاتھ میں رعشہ پیدا ہو گیا۔ اسی سراسیمگی کے عالم میں حضرت کی خدمت میں آکر پاؤں پر گر گئے اور رونے لگے تو حضرت نے خطائیں درگزر فرمائیں اور صاحب زادے کو شفا ہو گئی۔

ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ حسن امام خان اور مرتضےٰ نامی دو شخص جو بہت کٹر رافضی تھے ان دونوں نے حضرت قربیؒ کو قتل کرنے کے لیے چار آدمیوں کو متعین کیا۔ وہ چاروں گھات میں تھے تاکہ شیخ کو شہید کر ڈالیں ابھی دو تین دن نہیں گزرے تھے کہ ان چاروں میں سے ایک مر گیا اور تین بالکل دیوانے ہو گئے۔ جن کا بعد میں بہت ہی بُرا حشر ہوا۔

حضرت قربیؒ کے دور میں نواب سعادت اللہ خان کی اولاد حکومت کر رہی تھی۔ نواب رضا خان ویلور کا قلعہ دار تھا جو بڑا ہی ظالم اور غریبوں کا گھر اجاڑ دیا کرتا تھا۔ جب حضرت قربیؒ کو پتہ چلا تو آپ نے فوراً فرمایا ؎

غریباں فقیراں کا توڑیا ہے سایہ   رضا خاں کی دولت کا مٹتا ہے پایہ

چند دن بھی نہیں گزرے کہ نواب رضا خان کے قبضے سے قلعہ جاتا رہا اور اس کا بھائی مرتضےٰ خان ویلور کے قلعہ پر قابض ہو گیا

حضرت قربیؒ کے ایک مرید سید لطف اللہ نے بھی حضرت کی کرامت کا تذکرہ یوں کیا ہے :

"حضرت کی وفات کے بعد ۱۱۸۵ھ م ۱۷۷۱ء میں محمد جعفر نامی ایک بچہ پانی کے حوض میں گر کر ڈوب گیا۔ ہر چند میں نے تلاش کیا نہ ملا۔ حاضرین میں سے ایک شخص نے غوطہ لگا کر تلاش کیا اور اچانک ان کے ہاتھ میں آ گیا لیکن اس میں زندگی کی ایک رمق بھی باقی نہ تھی۔ آخر بچہ کو حضرت قربیؒ کے مزارِ مقدس پر لا کر لٹا دیا گیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ اٹھا اور روتے ہوئے اپنی ماں کو تلاش کرنے لگا۔" (انشائے عقائدِ ذوقیؒ)

حضرت ذوقیؒ کے قول کے مطابق حضرت قربیؒ کا وصال ۲۰ رمضان المبارک ۱۱۸۳ھ م 1769ء پنجشنبہ بمقام ویلور ہوا۔ مگر حضرت باقر آگاہ ویلوری نے آپ کا سنِ وفات ۱۱۸۲ھ م 1768ء بتایا ہے اور آپ کے مزار مبارک پر بھی کتبہ میں جو مولانا باقر آگاہ ویلوری کا لکھا ہوا ہے سنِ تاریخ ۱۱۸۲ھ ہی نکلتا ہے۔ ؎

رکن الدین شاہ ابوالحسن قربیؒ — پیشوائے مقربان الٰہ
چوں کہ دریافت قربِ حق سالش — غاب قطب البلاد گفت آگاہ

سنِ وفات میں اختلاف محض ایک سال کا ہے۔ ممکن ہے کہ حضرت ذوقی نے "انشائے عقائد ذوقی" میں سہواً ایسی غلطی کی ہے۔

آپ کی تدفین حضرت مکان کے احاطہ میں مسجد کے مشرقی حصہ میں عمل میں آئی۔ جس پر ایک قبہ بھی تعمیر کیا گیا۔ آج کل اس میں خانوادۂ قطب ویلور کے پانچ بزرگوں کے مزارات بازو بازو ہیں۔ ہر جمعہ بعد نماز درگاہ کے پھاٹک کھولے جاتے ہیں اور بعد نماز جمعہ وہاں سلام بڑی خوش الحانی سے پڑھا جاتا ہے۔ جس کے بعد فاتحہ خوانی بھی ہوتی ہے۔ ••• (استفادہ: انوار اقطابِ ویلور: مطبوعہ ۱۳۸۳ھ م 1963ء)

جاری

(بقیہ "آپ کی صحت: ایک طبی جائزہ" صفحہ 207 کا)

منہ ہاتھ دھو کر سیدھے کھڑے ہو کر سامنے کی طرف، پھر اوپر کی جانب، پھر نیچے اس طرح پتلیوں کو گھمائیے۔ لیٹ کر کتاب پڑھنا یا مدھم روشنی میں پڑھنا آنکھوں کے لیے مضر ہے۔ تندرستی کے لیے آرام کرنا ضروری ہے۔ کم از کم سات یا چھ گھنٹہ آدمی کو سونا چاہیئے۔ پُرسکون اور گہری نیند پانچ چھ گھنٹوں کی بھی کافی ہوتی ہے۔ نیند کا تعلق آپ کے مشاغل اور تفکرات سے بھی ہے۔ غذا اور صحت سے بھی۔ سونے سے ہمیشہ دو گھنٹہ قبل کھا لیجیے۔ صحت ہزار نعمتوں سے بڑھ کر ہے۔ اس کی قدر اور حفاظت ہر انسان کے لیے نہایت ضروری ہے۔ آخر میں ایک شعر آپ کی نذر کرتا ہوں : ؎

قدرِ صحت مریض سے پوچھو — تندرستی ہزار نعمت ہے



اظہارِ تعزیت

بر موقعہ فاتحۂ اربعین

حضرت مولانا سیّد شاہ ہلال احمد قادری شطاری علیہ الرحمہ

نائب ناظم دار العلوم لطیفیہ حضرت مکان ویلور

مولوی حافظ ابوالنعمان ڈاکٹر بشیر الحق قریشی یم اے، پی ایچ ڈی، ویلور اسلامک فاؤنڈیشن ٹرسٹ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۝ نحمدہٗ ونصلے علےٰ رسولہ الکریم ! اما بعد !

بزرگانِ محترم ! وعزیزانِ گرامی !

آج کی یہ مجلس تعزیتی بھی ہے اور عبرت خیز بھی ہے۔ ایک مسلمان کی وفات پر تعزیت ادا کرنا دین کی سنّت ہے اور تعزیت سے عبرت حاصل کرنا سلفِ صالحین کی سنّت ہے۔ امام یحییٰ ابن معین کی وفات حسرت آیات پر امام شافعی نے تعزیت میں عبرت ونصیحت کو بھی جگہ دی۔ ؎

انا نعزك لا انا على ثقة ... من الحياة ولكن سنة الدين

ليس المعزي بباق بعد ميتته ... ولا المعزى ولو عاش الى حين

کائنات کی دو عظیم حقیقت ہیں۔ ایک زندگی، دوسری موت۔ زندگی اپنی بے پناہ وسعتوں اور قوتوں کے باوجود ایک غیر یقینی چیز ہے اور دنیا میں موت ہی ایک ایسی چیز ہے، جس کے وجود اور آمد سے متعلق کسی انسان کو شک نہیں ہے۔

موت انسانی زندگی کا اختتام نہیں ہے بلکہ یہ ایک زندگی کی شام ہے تو دوسری زندگی کی صبح۔ ؎

موت کو سمجھے ہیں غافل، اختتامِ زندگی ... ہے یہ شامِ زندگی، صبحِ دوامِ زندگی

یہ انسان کی فطرت ہے کہ وہ زندگی سے مانوس اور موت سے غیر مانوس رہتا ہے اور یہ صرف اہلِ ایمان کی خصوصیت ہے کہ وہ زندگی اور موت دونوں سے مانوس رہتے ہیں اور یہ ان کے صاحبِ ایمان ہونے کی نشانی ہے۔ ؎

نشانِ مردِ مومن با تو گویم ! ... چوں مرگ آید تبسم برلبِ اوست

اہلِ ایمان جب سفرِ آخرت پر روانہ ہوتے ہیں تو موت کے وقت فرشتوں کا نزول ہوتا ہے اور وہ فرماتے

ہیں۔ ہم اس زندگی میں بھی تمہارے رفیق تھے اور اب آنے والی زندگی میں بھی تمہارے رفیق رہیں گے۔ اس طرح فرشتوں کی یہ رفاقت موت کے وقت، پھر قبر کے اندر، پھر محشر میں قبر سے اٹھتے وقت رہے گی۔ نحن اولیاء کم فی الحیوۃ الدنیا و فی الاخرۃ۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث مبارک کو عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ نے ہم تک پہنچایا ہے: من احب لقاء اللہ احب اللہ لقائہ ومن کرہ لقاء اللہ کرہ اللہ لقائہ۔

جو شخص اللہ تعالیٰ سے ملنے کو پسند کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اس سے ملنے کو پسند کرتا ہے اور جو شخص اللہ سے ملنے کو ناپسند کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس شخص سے ملنا پسند نہیں کرتا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: اللہ کے رسول ! اللہ سے ملنا تو موت ہی کے ذریعہ ہو سکتا ہے۔ لیکن ہم میں سے کسی کو بھی موت پسندیدہ چیز نہیں ہے۔ یہ سن کر آپ نے فرمایا: مومن کو موت کے وقت فرشتوں کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی رضا اور جنت کی بشارت دی جاتی ہے۔ جس کو سننے کے بعد مومن کو موت پسندیدہ چیز بن جاتی ہے۔ اسی طرح کافر کو موت کے وقت عذاب اور سزا کو اس کے سامنے کر دیا جاتا ہے جس کی وجہ سے کافر کو موت ناپسندیدہ چیز بن جاتی ہے۔

معزز سامعین کرام!

ہم زندگی میں روزانہ انسانوں کو موت کی آغوش میں جاتے ہوئے دیکھتے رہتے ہیں۔ یہ منظر اور مشاہدہ ہمارے لیے بھی ایک عبرت خیز پیغام دے رہا ہے کہ آپ بھی موت کے لیے تیار رہیے۔ موت کو فراموش نہ کیجیے۔ وہ کسی بھی وقت تم تک پہنچ کر رہے گی۔ اینما تکونوا یدرکم الموت: اسی لیے شریعت مطہرہ نے ہمیں حکم دیا ہے کہ کم از کم ہفتہ میں ایک مرتبہ سہی قبروں کی زیارت کرو اور اس کے لیے بہترین دن جمعہ قرار دیا گیا ہے۔ زوروا القبور فانہ تذکرکم الاخرۃ: قبروں کی زیارت کرو، وہ تمہیں آخرت کی یاد دلاتی ہے۔

موت کسی کی بھی ہو، یہ ہر کسی کے لیے افسوس ناک اور الم انگیز ہوتی ہے۔ لیکن یہی موت جب اپنے کسی عزیز کی ہوتی ہے تو آدمی کے قلب و ذہن پر اس کے اثرات بڑے گہرے ہوا کرتے ہیں۔ اس طرح کے احساسات اور کیفیات سے اللہ کے رسول بھی مستثنیٰ نہیں رہے۔ آپ کے صاحب زادے حضرت ابراہیم علیہ السلام جب فوت ہوئے تو آپ صلے اللہ علیہ وسلم مغموم ہو گئے۔ آنکھیں بھر آئیں۔ صحابۂ کرام نے آپ صلے اللہ علیہ وسلم کو روتے ہوئے دیکھا تو عرض کیا: اللہ کے رسول ! آپ کی آنکھوں میں آنسو؟ فرمانے لگے: ہم ابراہیم کے دنیا سے چلے جانے پر مغموم اور اداس ہیں۔ لیکن ہماری زبان سے کوئی جملہ ایسا نہیں صادر ہوگا، جو اللہ کی رضا و قضا اور قدر کے خلاف ہو۔

نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے اظہار غم کی یہ ادا امت کے لیے سنت بن گئی اور زمانۂ جاہلیت کی

وہ رسم دم توڑ دی، جو عرب معاشرہ میں پھیلی ہوئی تھی۔ لوگ اپنی عظمت و فوقیت اور شان ظاہر کرنے کے لیے اپنے گھر والوں کو وصیت کر جاتے تھے کہ ہماری موت کے بعد نوحہ و ماتم کی مجلسوں کا سلسلہ مدتوں قائم رکھیں۔ چنانچہ مجلسوں کا یہ سلسلہ جتنا طویل ہوتا اتنا ہی مرنے والے کو عرب معاشرہ میں عظیم ترین آدمی سمجھا جاتا تھا۔ لیکن کون کس کے لیے، کب تک رونا دھوتا رہے گا؟ چند ہی دنوں میں رنج و غم کے جذبات سرد پڑ جاتے تھے حزن و یاس کی کیفیات ختم ہو جاتی تھیں۔ اس لیے عہدِ جاہلیت میں رونے والیاں اجرت پر لائی جاتی تھیں اور یہ عورتیں غم افزا کلمات، الم انگیز فقرات اور درد بھرے اشعار کے ذریعہ آہ و بکا اور نوحہ و ماتم کی مجلس گرم کیا کرتی تھیں۔ اس تکلف و تصنع اور غیر فطری اور غیر مفید عمل کو نبیٔ کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے ختم کر دیا اور ایسی صورتیں سامنے لے آئیں جن سے میّت کو نفع پہنچے۔ جیسے صدقہ و خیرات اور دعائے مغفرت وغیرہ۔

معزز حضرات!

اسلام نے ایک مسلمان پر دوسرے مسلمان کے جو حقوق عائد کئے ہیں، ان کا تعلق صرف زندگی تک ہی نہیں ہے بلکہ ایک مسلمان کے مرنے کے بعد بھی قائم رہتا ہے۔ چنانچہ ان میں سے پہلا حق اس کی نمازِ جنازہ اور تدفین ہے۔ اس کے بعد بھی اس کے لیے دعا اور صدقہ کرتے رہنا بھی ایک اخلاقی حق ہے۔ اس کے ایصالِ ثواب کے لیے کم از کم تین مرتبہ قل ھو اللہ شریف پڑھ لیا جائے۔ جو ایک پورے قرآن شریف کے ثواب کے برابر ہے۔ فقہ کی معروف کتاب 'بحر الرائق' میں ہے۔ اہلِ سنّت وجماعت کے پاس مالی اور بدنی عبادتوں کو ثواب میّت کو پہنچتا ہے علامہ تفتازانی شرح عقائدِ نسفی میں فرماتے ہیں: زندوں کی دعاؤں اور صدقات و خیرات میں اموات کے لیے اجر و ثواب ہے۔

حضرت سعد بن عبادہؓ نے نبیٔ کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: یا رسول اللہ! سعد کی والدہ رحلت کر گئی ہیں۔ ان کے لیے ثواب رسانی کی کیا صورت ہو سکتی ہے؟ ارشاد فرمایا: پانی۔ اس پر سعد نے ایک کنواں کھدوایا اور فرمایا: ھٰذہ لامّ سعد:

امام ربانی مجدد الف ثانی مکتوبات کی پہلی جلد کے ۱۰۴ ویں مکتوب میں فرماتے ہیں: مصیبت کسی شخص کے انتقال کرنے پر نہیں ہے بلکہ انتقال کرنے والے کی حالت پر ہے کہ اب اس کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے۔ لہٰذا دعا، استغفار اور صدقہ و خیرات کے ذریعہ اس کی مدد کرنی چاہیے۔ کیوں کہ نبیٔ کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قبر میں میّت کی حالت ڈوبنے والے اس شخص کی طرح رہتی ہے۔ جو ہر لمحہ کسی کی مدد کا طلب گار رہتا ہے اس طرح میّت بھی والدین، بھائی، بہن اور دوست واحباب کی دعا کی منتظر رہتی ہے۔ پس جب دعا اس کو پہنچتی ہے تو یہ چیز اس کے نزدیک دنیا و مافیھا سے محبوب ہو جاتی ہے اور اللہ تعالےٰ اہلِ زمین کی دعا سے اہلِ قبور پر

پہاڑوں کے مانند رحمت نازل فرماتا ہے۔ بے شک زندوں کی جانب سے مردوں کے حق میں بہترین ہدیہ یہ ہے کہ ان کی مغفرت کے لیے دعا کی جائے۔

اس مقام پر ایک شرعی مسئلہ کی گرہ کشائی بھی مفید معلوم ہوتی ہے اور وہ یہ ہے: کہ تم اپنے موتی کی خوبیوں اور نیکیوں کا ذکر کرو اور ان کی برائیوں اور گناہوں کو بیان نہ کرو: اذکروا محاسن موتاکم و کفوا عن مساویھم اور یہ حقیقت ہے کہ دنیا میں کوئی انسان گناہوں، خطاؤں اور لغزشوں سے محفوظ نہیں۔ یہ صرف انبیائے کرام کی خصوصیت ہے کہ وہ گناہوں سے معصوم ہوتے ہیں اور اولیائے کرام کی شان ہے کہ وہ گناہوں سے محفوظ رہتے ہیں۔ اس لیے ہر مسلمان کی یہ اخلاقی اور شرعی ذمہ داری ہے کہ مرنے والے کا ذکر صرف خیر اور بھلائی کے ساتھ کرے اور دیگر ساری چیزوں سے سکوت اختیار کرے۔

انسانوں کی موت بھی مختلف ہوتی اور اس کے اثرات بھی متفاوت ہوتے ہیں۔ کسی کی موت پر نہ کوئی آنسو بہانے والا ہوتا ہے اور نہ کوئی یاد کرنے والا ہوتا ہے۔ کسی کی موت صرف اس کی بیوی بچوں کے لیے غم کا سبب بنتی ہے تو کسی کی موت خاندان و قبیلہ، رشتہ دار و قرابت دار، دوست و احباب، محلّہ و شہر بلکہ سارے مسلمانوں کے لیے غم کا باعث بنتی ہے۔ دنیا میں جو آدمی جس قدر وسیع پیمانہ پر لوگوں کے لیے نفع پہنچاتا ہے، اسی قدر وسیع پیمانہ پر اس کی موت رنج و غم کا موجب بنتی ہے۔ ؎

بارے دنیا میں رہو غم زدہ یا شاد رہو ایسا کچھ کرکے چلو یاں کہ بہت یاد رہو

حضرت مولانا سید شاہ ہلال احمد قادری شطاری کی جواں سال موت نہ صرف ان کی اہلیہ محترمہ اور دو صاجزادیاں اور اہل خاندان بلکہ خانوادۂ حضرت قطب ویلور کے افراد اور دارالعلوم لطیفیہ کے اساتذہ کرام اور طلبائے عزیز کے لیے بھی بے انتہا دکھ و رنج اور غم و الم کا باعث بنی۔

حضرت ہلال باشاہ کا نسبی تعلق خانوادہ سادات کرام سے ہے۔ جو شہر بنگلور میں بڑا مکان کے نام سے مشہور ہے۔ اس خاندان کے جد اعلیٰ سید شاہ عطاء اللہ شطاریؒ سے سلطان ٹیپو شہید کو بڑی عقیدت تھی اور ان کے ساتھ سلطان کے تعلقات و مراسم تھے۔ حضرت ہلال کی پیدائش ۲۳ر جنوری ۱۹۶۲ء کو بنگلور میں ہوی۔ ان کے بچپن ہی میں ان کے والد جناب سید نقی احمد شطاری فوت ہوگئے۔ یہ اور ان کے ایک حقیقی بھائی جناب سید بلال احمد شطاری دونوں لڑکپن ہی میں مربی اور سرپرست کے بغیر رہ گئے۔ خانوادۂ حضرت قطب ویلور سے ان کی قرابت تھی اور اس قرابت نے ۵ر آگست ۱۹۸۴ء کو ایک نئے رشتہ کی بنیاد استواری کردی۔ اور حضرت ہلال نے مولانا ابوالحسن صدرالدین سید شاہ محمد طاہر قادری علیہ الرحمہ سابق ناظم دارالعلوم لطیفیہ ویلور کی دوسری صاحب زادی محمود النساء عرف بیگم باشاہ کو اپنی زوجیت میں قبول کیا اور اس ایجاب و قبول

کا دائرہ صرف ازدواجی زندگی کے حقوق کی ادائیگی تک محدود نہ تھا۔ بلکہ خانقاہ حضرت قطب ویلور کی روایات اور دارالعلوم لطیفیہ کے فرائض کی ادائیگی کا بھی عہد و پیمان تھا۔ اس کے بعد وہ یہیں کے ہو کر رہ گئے اور شیخ المشائخ اعلیٰ حضرت مولانا ابوالنصر قطب الدین سید شاہ محمد باقر قادری علیہ الرحمہ، سابق سجادہ نشین کی سرپرستی میں آگئے۔ ۱۴ر ستمبر ۱۹۸۴ء کو بیعت و خلافت سے مشرف ہوئے اور ہم پنے ہمزلف حضرت مولانا ڈاکٹر سید شاہ عثمان قادری، ناظم دارالعلوم لطیفیہ کے دست راست بن کر اس چمنستانِ علم و عرفان کی آبیاری میں مصروف رہے اور حضرت مکان کی املاک اور اس سے منسلک امور و مسائل کو حسن و خوبی کے ساتھ انجام دیتے رہے۔

حضرت ہلال انگریزی زبان روانی اور شستگی کے ساتھ بولتے تھے، حالاں کہ انھوں نے کسی کالج میں تعلیم حاصل نہیں کی۔ یہ ملکہ انہیں صرف کیمرج اسکول بنگلور B.S.E.C کی تعلیم و تربیت کے باعث حاصل ہوا مزید انہوں نے انگریزی اخبارات و جرائد کے مطالعہ کے ذریعہ اپنی صلاحیت اور قابلیت میں اضافہ کیا۔ اسی کا اثر تھا کہ وہ حضرت مکان کی جائیداد اور اس کے مقدمات وغیرہ سے متعلق وکلاء اور حکومت کے افسران اور دیگر انگریزی تعلیم یافتہ لوگوں کے سامنے مافی الضمیر خوبی کے ساتھ ادا کرتے تھے اور ترولور یونیورسٹی جس سے لطیفیہ کا الحاق ہے۔ آپ ہی تعلیمی و تدریسی اور دیگر امور و معاملات سے متعلق ڈرافٹنگ کرتے تھے۔

حضرت ہلال کی دینی تعلیم کے لیے ان کے خسر حضرت مولانا ابوالحسن صدرالدین سید شاہ محمد طاہر قادری علیہ الرحمہ نے دارالعلوم لطیفیہ کے استاد حضرت مولانا عبدالحکیم نوری کو مقرر کیا تھا۔ جن سے انہوں نے استفادہ کیا۔

حضرت ہلال ایک اچھے اسپورٹس مین بھی تھے۔ ویلور میں مقیم ہونے سے پہلے جب تک وہ بنگلور میں رہے گیمس اور اسپورٹس میں ان کی دلچسپی رہی اور یہ دلچسپی ویلور میں بھی برقرار رہی۔ مدرسہ کے طلباء کے ساتھ والی بال وغیرہ میں حصہ لیتے تھے۔ دارالعلوم کے سالانہ اسپورٹس اور گیمس کی ... ساری کارروائی خود انجام دیتے تھے۔

سالنامۂ "اللطیف" سے بھی بڑی دلچسپی تھی۔ اس کے کاتب محمد شریف برکاتی اور اس کے پرنٹر علیم صبا نویدی کے ساتھ پوری طرح معاونت کرتے تھے۔

مدرسہ کے سالانہ امتحانات کے درسی، تحریری اور تقریری مقابلوں میں امتیازی حیثیت حاصل کرنے والے طلباء کو اپنی پسند سے انعامات کی اشیاء خریدا کرتے تھے اور تقسیم کیا کرتے تھے۔

غرض دارالعلوم کے تعلیمی و انتظامی اور اقتصادی معاملات میں پورے خلوص و انہماک کے ساتھ زندگی بھر مصروف عمل رہے۔ ان کی وفات سے ایک ایسا خلا پیدا ہو گیا ہے کہ اس کے پُر ہونے میں شاید ایک عرصہ بیت جائے۔

حضرت ہلال ایک ایسی مبارک و مسعود اور مستجاب شب ۲۶ رمضان المبارک ۱۴۲۸ھ میں دنیا سے رخصت ہوگئے۔ جس کے بارے میں قرآن کریم کی صراحت ہے: تنزل الملائکہ والروح فیھا اس شب میں حضرت جبرئیل علیہ السلام فرشتوں کے ہمراہ زمین پر اترتے ہیں۔ زبانِ نبوتؐ نے صراحت کی ہے کہ وہ ہر مومن کے گھر میں داخل ہوتے ہیں اور جس کسی کو دعا اور عبادت میں منہمک پاتے ہیں اس کے حق میں دعا فرماتے ہیں اور یہ شب اس عشرہ مبارک میں شامل اور داخل ہے جس کے بارے میں کہا گیا ہے عتق من النیران: دوزخ سے رہائی دینے والا عشرہ۔ مغفرت اور نجات کے لمحات اور ساعات میں کوئی بندہ سفر آخرت پر روانہ ہو جائے تو اللہ کی رحمت سے امید ہے کہ اس کی اگلی منزلیں بھی آسان ہو جاتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ مرحوم کو کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائے اور ان کے پسماندگان کو صبر جمیل اور اجرِ جزیل عطا فرمائے۔

آسمان ان کی لحد پر شبنم افشانی کرے ؎
سبزہ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

واخر دعونا ان الحمد للہ رب العالمین •••

بقیہ ص 224 کا "التبرک بآثار الصالحین"

کانت عند عائشہ رضی اللہ عنہا فلما قبضتنہا وکان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یلبسہا ونحن نغسلہا وکان الصحابۃ یتبرکون وبآثار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

اللّٰھم انا نسئلک التبرک وشفاعۃ یارب العٰلمین۔ آمین!

شیرِ ویلور

تمہیں سو گئے داستاں کہتے کہتے

ڈاکٹر سید محمد عمر فاروق

جس طرح شہر میسور کے فرماں روا حکمراں شہنشاہ حضرت ٹیپو سلطان شہیدؒ المعروف بہ "شیر میسور" تھے اسی طرح شہر ویلور کا خانوادۂ اقطاب ویلور کا ایک معروف و مشہور روشن مینار اور درخشاں ستارہ "شیر ویلور" حضرت سید شاہ ہلال احمد صاحب شطاری قادری رحمہ اللہ الباری بھی تھے، جو آج سے چند ماہ پیشتر اللہ کو پیارے ہو گئے۔

بات جب شیر ویلور کی چل پڑی ہے تو مناسب معلوم ہوا کہ اُن کی وفاتِ حسرت آیات پر بھی چند مختصر اور ضروری تاثرات پیش کرتا چلوں۔

محترم جناب سید ہلال حضرت مرحوم کا اچانک سانحۂ ارتحال پورے شہر ویلور اور بنگلور کے حق میں اور خاص کر اہلِ خاندان کے لیے جہاں حزن وملال، رنج والم کا پیش خیمہ اور نہایت ہی حزیں و غمگین حادثہ ہے، وہیں مرحوم کے حق میں ایک نہیں دو نہیں متعدد خوبیوں اور پے در پے سعادتوں، خوشخبریوں کی ضمانت کا پروانہ اور مژدۂ جانفزا بھی ہے۔ جن پر غور کیا جائے تو یہ سارے غموں اور ہموم یکدم غلط اور یقیناً کافور اور ہبائے منثور بن جائیں۔

۱۔ وفات رمضانِ شریف کے مبارک و مسعود مہینہ میں ہو رہی ہے جو یقیناً تمام مہینوں سے افضل ترین مہینہ ہے وہ بھی رحمتوں والا مہینہ ہے۔ جہاں بے شمار خوبیاں، لاتعداد سعادتیں، برکتیں پے در پے جمع ہو گئی ہیں۔

۲۔ پھر اس میں بھی عشرۂ آخرہ کے دن جو رمضان شریف کے اور دنوں سے افضل ترین دن ہوتے ہیں۔

۳۔ پھر اس میں بھی لیلۃ القدر کی فضیلت والی رات تاریخی اور یادگار رات ہے جو یقیناً پورے سال کی بلکہ پورے رمضان شریف کی روح اور جان ہے جو ہزار مہینوں سے افضل و اعلیٰ ترین رات ہے۔ جس میں ملائکۃ اللہ کے نزول و درود کی مبارک و مسعود گھڑیاں ہیں جو ہزار مہینوں کی راتوں سے افضل و بابرکت رات ہے۔

۴۔ یہ وہ مبارک مہینہ ہے جس میں دوزخ کے دروازے بند اور جنت کے دروازے کھلے رہتے ہیں اور جنت ایک دولہن کی طرح سجائی جاتی ہے، سنواری جاتی ہے۔

۵۔ رحلت بیماری کی وجہ سے ہے اور بیماری میں وفات شہیدی مرتبہ کا مقام رکھتی ہے۔ اس اعتبار

سے ہلال حضرت نے شہادت کا جام نوش کیا ہے ۔ چناں چہ اللہ کے رسول صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے :

عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من مات مریضا مات شہیدا!
(مشکوٰۃ شریف: ص: ۱۳۹)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ اللہ کے رسول صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا کہ بیماری کی حالت میں مرنے والا شہید ہے یعنی اُسے شہادت کا مرتبہ حاصل ہے ۔ (مشکوٰۃ شریف ص: ۱۳۹)

۶ ۔ نیز حدیث شریف میں جہاں "الغریق شہید" کے الفاظ آرہے ہیں، وہیں "والمبطون شہید" (مشکوٰۃ شریف) کی خوش خبری بھی موجود ہے ۔ یعنی پانی میں ڈوب کر مرنے والا اور پیٹ کی علت سے انتقال ہونے والا بھی شہید ہے ۔ یہ ہلال حضرت کے حق میں دوہری خوش خبری اور دوہری بشارتِ شہادت ہے ۔ ایک تو بیماری کی بنا پر شہادت کا مرتبہ مل رہا ہے تو دوسرا پیٹ کی بیماری کی وجہ سے بھی شہیدی مرتبہ حاصل ہو رہا ہے ۔

۷ ۔ ساتویں خوش خبری جو یقیناً ان تمام مذکورہ خوبیوں سے بھی بڑھ کر بلند وبالا اور ارفع واعلیٰ خوبی ہے جسے اللہ کے رسول صلے اللہ علیہ وسلم کی زبانِ فیض ترجمان سے سنئے ! ارشاد فرماتے ہیں :

"عن عبد اللہ بن عمرؓ قال توفی رجل بالمدینۃ (ممن ولد بالمدینۃ) فصلی علیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وقال یا لیتہ مات فی غیر مولدہٖ فقال رجل [من الناس] لم یا رسول اللہ؟ فقال ان الرجل اذا مات فی غیر مولدہ قیس لہ من مولدہ الی منقطع اثرہ فی الجنۃ "

(رواہ احمد فی مسندہ والنسائی وابن ماجہ ۔ ص: ۱۳۹)

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ایک شخص کی مدینہ منورہ میں وفات ہوئی ۔ (اس کی جائے پیدائش مدینہ منورہ کی تھی) نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی نماز جنازہ پڑھائی اور فرمایا کہ کاش یہ اپنی جائے پیدائش کے علاوہ کسی اور جگہ وفات پاتا تو اچھا تھا ۔ صحابہؓ میں سے کسی نے سوال کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپؐ ایسا کیوں ارشاد فرما رہے ہیں ؟ آپ صلے اللہ علیہ وسلم نے جواباً ارشاد فرمایا کہ جب کوئی آدمی اپنی جائے پیدائش کے علاوہ کہیں اور جگہ وفات پاتا ہے تو اس کے لیے جائے وفات اور جائے پیدائش کے برابر حصہ ناپ کر جنت میں دے دیا جاتا ہے ۔

(مسند امام احمد، نسائی شریف، ابن ماجہ شریف)

اس حدیث کی شرح میں محدثِ کبیر علامہ طیبیؒ یہ ارشاد فرماتے ہیں کہ وہاں جنت میں تو اس کو کشائش وفراخی ملے گی ہی مگر یہاں عالم ارواح میں اس کی قبر اتنی وسیع وبسیط کر دی جاتی ہے جتنی اس کی پیدائش کی جگہ سے وفات کی جگہ تک وسعت ہوگی ۔ گویا اگر صدیوں ہزاروں میل کی مسافت اور فاصلہ تھا تو لا محالہ اتنا ہی فاصلہ اور مسافت اس کی قبر میں ہو جائے گی یعنی قبر اس قدر وسیع اور کشادہ ہوگی جتنی وسعت ومسافت کشادگی اور فاصلہ اس کی ولادت

وفات کے درمیان ہے۔ پھر آگے علامہ طیبیؒ یہ ارشاد فرماتے ہیں: ویفتح لہ باب الجنۃ اور قبر ہی میں جنت کا دروازہ اس کے لیے کھول دیا جاتا ہے۔

اس حدیث کی تکرار ایک اور حدیث سے بھی ملاحظہ ہو:۔

"عن عبداللہ بن عمروؓ قال توفی رجل بالمدینۃ ممن ولد بہا فصلی علیہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال یالیتہ مات بغیر مولدہ قالوا ولم ذالک یا رسول اللہ؟ فقال ان الرجل اذا مات بغیر مولدہ الی منقطع اثرہ فی الجنۃ ۔ (رواہ النسائی وابن ماجہ مشکوۃ شریف۔ ص: ۱۳۸-۱۳۹)۔

اس کا مطلب بھی وہی ہے جو پچھلی حدیث میں گزر چکا ہے۔ گو الفاظ میں قدرے فرق ہے۔ اب خود ہی غور فرمائیں اور اندازہ لگائیں کہ ہلالؔ حضرت کی ولادت بنگلور کی ہے اور وفات ویلور میں ہوی ہے۔ پھر اس درمیان کی بعد مسافت اور دوری کتنے کلومیٹر کی ہے؟ جنت میں تو اس کا معاوضہ ملے گا ہی اب قبر میں بہت بڑی وسیع وعریض جگہ منجانب اللہ الاٹ ہوگئی ہے۔ جو دنیا کے بڑے سے بڑے باشاہ اور وزیر کبیر کے لیے بھی نصیب نہیں۔ غور کرو سو دن کلومیٹر کا محل اس دنیا میں کسے میسر ہے؟ اور کس کے پاس موجود ہے؟ یہ ہلالؔ حضرت کی خوش نصیبی نہیں تو اور کیا ہے؟

غرض! ان متعدد خوبیوں اور ان گنت بڑی بڑی بشارتوں اور خوشخبریوں کو دیکھتے ہوئے یہی کہنا پڑتا ہے کہ بیشک ہلالؔ حضرت کی وفات کے اندر بہت ساری بشارتیں یکے بعد دیگرے جمع ہوگئی ہیں جو یقیناً ان کے حق میں ایک مژدۂ جانفزا سے بڑھ کر ہے اور بیشک ان کو جنت ملی اور خدا ملا جو یقیناً آپ کے ہم سے اور سب سے بہتر اور بڑھ کر نعمت ہے، دولت ہے اور ایسی دولت ہے جو قابلِ رشک و غبطہ ہے سچ ہے: ؎

زمانہ بڑے غور سے سن رہا تھا — تمہیں سو گئے داستاں کہتے کہتے

آپ کی وفات پر کچھ تاریخی قطعے موزوں ہوگئے ہیں۔ عرض ہے: ؎

قطعۂ فارسی

شب ہفت وبیست مہ رمضان — رفت جنت ہلال باشاہ مرحوم
ہاتفم گفت از سر باقی! — شیر ویلور ہلال باشاہ مرحوم

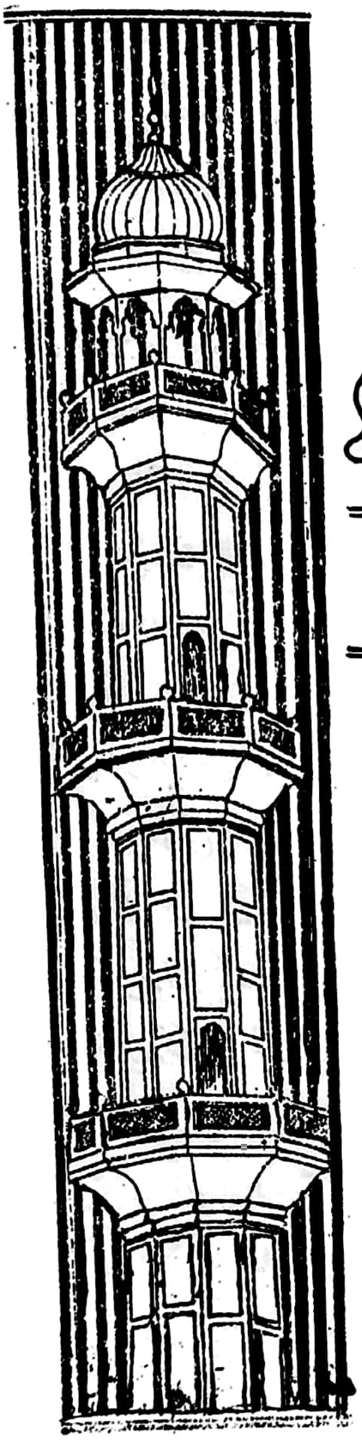
۲۸ ——— ۵ ——— ۱۴

قطعہ اردو

ستائیسویں رات مہ رمضان — گئے جنت ہلال باشاہ مرحوم
سر باقی سے ہے وفات کا سال — شیرِ ویلور ہلال باشاہ مرحوم

۲۸ ——— ۱۴

ڈاکٹر سید محمد عمر فاروق عفی عنہ۔ شفاء ڈسپنسری۔ ۱۹ ار بنگلور روڈ۔ حضرت مکان ویلور



سلطان ٹیپو شہید علیہ الرحمہ

سعادت اللہ خان ایم۔اے، بی۔ایڈ۔

حضرت ٹیپو سلطان علیہ الرحمہ ۱۷۵۲ء میں دیون ہلّی ضلع بنگلور میں ولادت ہوئی۔ آپ کے والد محترم کا نام نواب حیدر علی خان بہادر اور والدہ محترمہ کا نام فاطمہ بیگم تھا۔ جس وقت ٹیپو سلطان کی عمر کا پانچواں سال شروع ہوا تو آپ کو عربی اور فارسی کی تعلیم کے علاوہ جہانبانی کی تعلیم کے لیے اعلیٰ پیمانے پر انتظام کیا گیا۔ فنون سپہ گری اور شہسواری سکھلانے کے لیے بڑے مشہور استاد ملازم رکھے گئے تھے۔ ٹیپو سلطان نے پندرہ سولہ برس کی عمر میں خود کو ایک لائق شہزادہ اور بہادر سپاہی ظاہر کیا۔ اور اپنے والد کے ساتھ جنگوں میں شریک رہے۔

جب ٹیپو سلطان کی عمر چھ یا سات سال کی تھی تو آپ سری رنگاپٹم میں اس جگہ جہاں اب مسجد اعلیٰ ہے کھیل رہے تھے کہ ایک فقیر کا گزر اس طرف سے ہوا۔ اور فقیر نے آپ کو دیکھ کر کہا۔ "تیری خوش نصیبی ایک دن تجھے اس ملک کا حکمران بنائے گی اور جب وہ وقت آئے گا تو اس جگہ ایک ایسی مسجد تعمیر کر جو زمانہ میں تیری یادگار رہے۔" تب ٹیپو سلطان نے مسکراتے ہوئے جواب دیا: "جب میں بادشاہ بنوں گا تو ضرور ایسا کروں گا۔"

اسی طرح سے اس فقیر کی دعا کا یہ اثر ہوا کہ ٹیپو سلطان بادشاہ بنے اور اسی جگہ پر مسجد بھی تعمیر کروائی۔

1767ء میں انگریزوں سے ٹیپو سلطان کی پہلی جنگ ہوئی اور جنگ میں آپ کی فتح ہوئی انگریزوں کو شکست کھانا پڑا۔ آپ کی شادی 1774ء میں ہوئی۔ ٹیپو سلطان ۲۰ محرم ۱۱۹۶ھ مطابق 1782ء بروز یکشنبہ

کو تخت نشین ہوئے۔

حلیہ ٹیپو سلطان گندمی رنگ کے تھے۔ آپ کی ناک خمدار، آنکھیں پُر آب اور بڑی بڑی تھیں۔ چہرے کے خط وخال نہایت نازک تھے۔ اور ہاتھ پاؤں بھی چھوٹے چھوٹے تھے۔ گردن پر بل پڑتے تھے۔ قد پانچ فٹ آٹھ انچ تھا۔

لباس ٹیپو سلطان بالکل سادہ اور شرعی لباس پہنتے تھے اور اپنی دستار اور ٹھوڑی کے نیچے سفید رومال باندھتے تھے۔ کمر میں پیٹی میں ایک پیش قبض اور تلوار رہتی تھی۔ گھوڑے کی سواری بہت پسند کرتے تھے۔ پالکی اور اس قسم کی سواریوں سے آپ کو نفرت تھی۔

طرزِ گفتگو اور زبان ٹیپو سلطان کا طرزِ گفتگو بالکل ملائم اور شیریں تھا۔ ٹیپو سلطان کی زبان سے کبھی کوئی فحش کلمہ نہیں نکلتا تھا۔ اکثر یہی جملے زبان پر تھے کہ "گیدڑ کی سو سالہ زندگی سے شیر کی ایک دن کی زندگی بہتر ہے"۔ ٹیپو سلطان زیادہ تر فارسی زبان میں گفتگو کرتے تھے۔ اگرچہ آپ کو کنڑی اور دکھنی پر بھی کامل عبور تھا۔

سادگی ٹیپو سلطان کا خیال تھا کہ مسلمان جب تک عجم اور ہند کے خصائص، جو ان میں سرائیت کر گئے ہیں نہ چھوڑیں گے اور جب تک خیر القرون کی سادگی زندگی اختیار نہ کریں گے وہ دنیا میں ترقی نہیں کر سکتے۔ اس لیے آپ نے تمام تکلفات کو برطرف کر دیا۔ نشست و برخاست، آداب و سلام اور تحریر و تقریر میں جو سادگی آپ نے اختیار کی وہ آپ اپنا نمونہ ہے۔

روزانہ مشاغل ٹیپو سلطان علی الصباح بیدار ہوتے اور نماز فجر کے بعد ایک گھنٹہ تک تلاوتِ قرآن مجید کرتے۔ اس کے بعد آدھ گھنٹہ تک توشک خانہ میں جواہرات وغیرہ کا معائنہ کرتے اور سیر کے لیے جاتے۔ واپسی کے بعد ناشتہ کرتے اور اس وقت آپ کے ساتھ تین چھوٹے شہزادے اور ایک منشی ہوتا۔ اکثر خطوط ناشتہ کے وقت لکھائے جاتے۔ غذا میں، زیادہ تر پھل اور دودھ ہوتے۔ ناشتہ کے بعد فوج کا معائنہ کیا جاتا۔ محل کو واپسی کے بعد باہر سے آئے ہوئے خطوط اور رپورٹ سنائے جاتے اور احکام جاری ہوتے۔ رات کو کھانے پر بڑے شہزادے اور افسرانِ سلطنت ضرور حاضر رہتے۔ کھانے کے وقت اکثر تاریخ اور تذکرہ ہوتا۔ سونے سے پیشتر چہل قدمی کی جاتی۔ جس کے بعد ٹیپو سلطان نیند آنے تک کتاب کا مطالعہ کرتے۔ غذا دن میں دو وقت تھی۔

علمی قابلیت

ٹیپو سلطان بہت بڑے منشی تھے۔ طب، تجارت، معاملاتِ مذہبی و فوجی اور بے شمار دوسرے امور پر یکساں رائے دیتے تھے۔ کتاب "تحفۃ المجاہدین" اور دوسرے کتب جیسے 'وقائع و منازل'، 'احکام نامہ' وغیرہ آپ کی خاص نگرانی میں لکھے گئے۔ ان کتابوں میں بہت سے مضامین اور اشعار خاص آپ کی تصنیف ہیں۔

ٹیپو سلطان اپنے ہر فرمان اور دوسری تحریروں پر جو منشیوں کے ہاتھ سے لکھی ہوئی ہوتیں اُن پر مہر لگا کر آغازِ عبارت اپنے قلم سے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھتے اور اختتام پر اپنی دستخط ثبت کر دیتے تھے تاکہ اس میں کوئی اور لفظ بڑھایا نہ جاے۔ یہ اسی علمیت اور علم دوستی کا نتیجہ تھا کہ آپ نے سری رنگاپٹم میں اپنی سرپرستی میں جمیع الامور کے نام سے ایک یونیورسٹی قائم کی تھی۔ آپ کا خاص کتب خانہ نہایت ہی بیش قیمت تھا۔ تسخیر سری رنگاپٹم کے بعد جو غارت گرانہ لوٹ ہوئی اس کے بعد میں بھی سینکڑوں نادر الوجود قلمی کتابیں موجود تھیں۔

ٹیپو سلطان نے اپنی سلطنت کا نام "سلطنتِ خداداد" رکھا تھا۔

مسجدِ اعلیٰ کے افتتاح کے وقت یہ سوال اٹھا کہ پہلی نماز کون پڑھاے۔ اس موقعہ پر بڑے بڑے علماء اور مشائخ آئے ہوئے تھے۔ طے پایا کہ جو شخص صاحبِ ترتیب ہو وہ امامت کرے۔ مگر صاحبِ ترتیب کوئی نہیں تھا۔ اس پر ٹیپو سلطان نے کہا: الحمدللہ! میں صاحبِ ترتیب ہوں۔" چناں چہ پہلی نماز کی امامت خود ٹیپو سلطان نے کی۔

آپ والدین کی عزت کرتے تھے اور دوسری عورتوں کی بھی عزت کرتے تھے۔ آپ کے دربار میں زانیوں کو قتل کا حکم دیتے تھے اور ہر ایک عورت کو پردے میں رہنے کا حکم دیتے تھے۔

انسانی ہمدردی

آج ٹیپو سلطان کی ہمدردی پر میسور کو فخر ہے۔ شہرِ میسور کے قریب چامنڈی پہاڑی پر کالی دیوی کے مندر میں ایک نامعلوم عرصہ سے دیوی کو خوش کرنے کے لیے انسانی قربانی کی جاتی تھی۔ آپ نے اس کو سختی سے روک دیا۔

شجاعت و بہادری

ٹیپو سلطان کی شجاعت اور بہادری کی اس سے زیادہ اور روشن مثال اور کوئی نہیں مل سکتی کہ آپ دست بدست جنگوں میں بذاتِ خود شریک ہوتے۔ شیر کا شکار آپ کو بہت پسند تھا۔ ایامِ شہزادگی میں ایک روز کا واقعہ ہے کہ جنگل میں بہادر سلطان ایک فرانسیسی افسر کے ساتھ شیر کے منتظر تھے۔ سامنے شیر دکھائی دیا۔ فرانسیسی افسر فوراً بندوق سے نشانہ تاکتا ہے۔ شیر دل شہزادہ بندوق چھین لیتے ہیں۔ شیر دونوں پر لپک پڑتا ہے۔ دودھاری تلوار بے نیام ہو کر بجلی کی طرح شیر پر کوندتی ہے اور چشم زدن میں شیر کے چاروں پاؤں جسم سے الگ کر دیتی ہے۔ آج

بھی آپ کو "شیر میسور" کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

یہی وہ مردانگی تھی کہ سلطان آخر وقت تک دادِ شجاعت دیتے ہوئے اور اپنا آخری جملہ دنیا میں یادگار چھوڑ گئے "گیدڑ کی سو سالہ زندگی سے شیر کی ایک دن کی زندگی اچھی ہے۔"

ٹیپو سلطان نے کئی شیر اپنے محل میں پال رکھے تھے۔ شیر کی صفات، شیر کی لڑائی، شیر کا رنگ آپ کو اس قدر محبوب و مرغوب تھا کہ آپ کا محل، آپ کی تعمیر کردہ مسجد اور گنبد تمام اسی رنگ میں رنگے ہوئے تھے۔ آپ کے تمام ہتھیاروں پر "اسد اللہ الغالب" کندہ تھا۔

ٹیپو سلطان کی بے تعصبی اور مذہبی رواداری

ٹیپو سلطان ہر مذہب کی عزت کرتے تھے۔ بہت سے منادر کو آپ نے جاگیریں عطا کیں ہیں۔ سری رنگا پٹم میں ٹیپو سلطان کا محل مندروں کے قریب تھا۔ محل کے پیچھے بلکہ محل سے لگا ہوا ایک بڑا مندر رہے۔ بنگلور میں بھی محل سے لگا ہوا ایک چھوٹا مندر ابھی تک موجود ہے۔ اس کے علاوہ میسور کے علاقہ میں سرنگری، بیلور، ننجن گڈھ، السور (بنگلور) وغیرہ میں ایسے مندریں موجود ہیں جن کی تعمیر کے لیے سلطان ٹیپو نے اپنی طرف سے جاگیریں دیں۔

تسخیر سری رنگا پٹم اور ٹیپو سلطان کی شہادت

۴ رمئی ۱۷۹۹ء کی صبح میں دس بجے نجومیوں نے آکر عرض کیا کہ آج کا دن آپ کے لیے نہایت منحوس ہے۔ کچھ صدقہ دینا ضروری ہے۔ ٹیپو سلطان نے غسل فرما کر ایک ہاتھی کالے مخمل کی جھولی سمیت جس کی جھالر میں کئی سیر موتی اور جواہر ٹکے ہوئے تھے فقراء و درویشوں کو مرحمت فرمایا۔ دوپہر کے کھانے کے وقت ابھی ایک لقمہ تناول فرمایا تھا اور دوسرا لقمہ اٹھانا چاہتے تھے کہ اچانک سید غفار وفادار نے اپنی جان کو سلطان پر نثار کیا۔ ٹیپو سلطان نے اس لقمہ کو چھوڑ کر دسترخوان سے ہاتھ اٹھایا اور اس وقت جو بھی امراء و وزراء موجود تھے ان کے سامنے آپ نے یہ کہا کہ "اس غداری کا نتیجہ تمہیں اس وقت معلوم ہوگا جب تم اور تمہاری آئندہ نسلیں اس ملک میں محتاج اور ذلیل ہو کر ایک ایک دانہ چاول اور پیاز کی ایک ایک گھٹی کو ترسے گی۔"

ٹیپو سلطان تلوار اور بندوق ہاتھ میں لیے ہوئے نکل کھڑے ہوئے۔ اس وقت تمام غدار انگریزوں کا ساتھ دے رہے تھے۔ پورنیا اور میر صادق، میر معین الدین وغیرہ غدار انگریزوں کو آپ کے خلاف اکسایا کرتے تھے۔ بہت سے آپ کے جان نثار شہید ہو گئے تھے۔ آخر میں ایک افسر نے آپ سے کہا کہ آپ خود کو انگریزوں کے حوالے کر دیں۔ ٹیپو سلطان نے پلٹ کر غصہ سے جواب دیا: "گیدڑ کی سو سالہ زندگی سے شیر کی ایک دن کی زندگی بہتر ہے۔" آپ اسی طرح انگریزوں کے خلاف لڑتے لڑتے میدان جنگ میں شہید ہوئے (بقیہ صـ پر ملاحظہ ہو۔)



ایمان کا ایک غیر فانی پیغام

الحاج سید محمود قادری محمودؔ : موظف ڈپٹی سب رجسٹرار کوآپریٹیو ڈپارٹمنٹ۔ اے پی۔

سعادتِ دارین کا راز کیا ہے؟ وہ راز ایمان کامل و ایمان صالح۔ ایمان یہ ہے کہ آپ خدائے تعالیٰ کی وحدت اور فرمانروائی پر مطمئن ہوجائیں اور سیرتِ محمدیہ پر عمل پیرا ہوجائیں۔ اس طرح زندگی گزاریں کہ گویا آپ ہر وقت اپنے خالق و مالک کے سامنے ہیں۔ آپ خدا کے تمام نبیوں اور خدا کی تمام کتابوں کی سچائی پر ایمان لائیں۔ یعنی یہ راز اچھی طرح سمجھ لیں کہ جس طرح تمام دنیا کے نبی آپس میں بھائی بھائی تھے۔ اسی طرح ان نبیوں کی امتیں بھی آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ اور ایک دوسرے کی طرف سے عزت اور نیک برتاؤ کی مستحق ہیں۔ آپ یوم آخرت پر ایمان لائیں۔ یعنی اس حقیقت کو کبھی فراموش نہ کریں کہ آپ اپنی موجودہ زندگی سے صحیح فائدہ اٹھاکر ہی حیاتِ ابدی کے وارث بن سکتے ہیں۔

اعمالِ صالح کی راہ میں پہلا کام یہ ہے کہ آپ خدا کی ہدایت کے مطابق دلی جوش و خروش اور پابندی کے ساتھ خدا کی عبادت کریں اور دوسرا کام یہ ہے کہ خلقِ خدا کی خدمات کا کوئی موقعہ بھی اپنے ہاتھ سے جانے نہ دیں۔ آپ غریبوں پر ترس کھائیں۔ آپ مصیبت زدوں کا ہاتھ پکڑیں۔ آپ غفلت و غرور اور خودغرضی و خودپرستی کے طوفان سے نکلیں اور دل و دماغ کی باگیں، خیرات، جود و کرم، عدل و اتحاد اور اصلاح و احسان کے چمن زاروں کی طرف موڑیں۔ آپ لڑنے والوں میں صلح کرائیں۔ آپ بھولے ہوؤں کو راستہ بتائیں۔ آپ غلط کاروں کو معافی دیں۔ آپ بھوکوں کو کھلائیں۔ آپ ننگوں کو پہنائیں۔ آپ بیوہ، یتیم، مظلوم اور مسافر کے سر پر ہاتھ رکھیں۔ پھر دیکھو اعمال اور زندگی کی فرصت بہت کم ہے۔ غفلت سے جاگو اور یہ بات ہر وقت پیشِ نظر رکھیں کہ ہم کہاں جارہے ہیں!

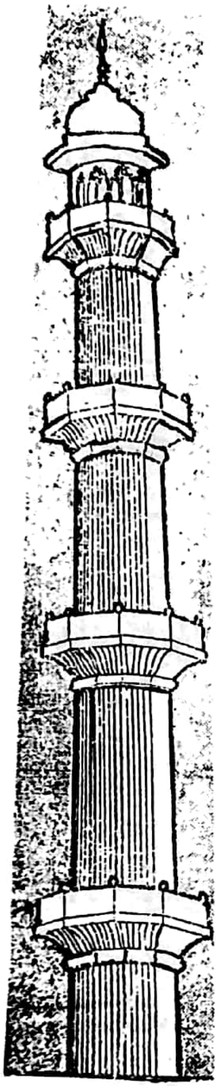
؎

حریم قدس میں ایمانِ کامل لے کے آیا ہوں
مرادیں تو سب لے کے آئے ہیں میں دل لے کے آیا ہوں

گلشنِ محبوبِ الٰہی کے دو مہکتے پھول

حضرت شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلوی اور حضرت امیر خسرو رحمہم اللہ

محمد شفاعت احمد سلیم ایم۔اے؛ اردو منشی، وی۔آر۔ہائی اسکول۔نیلور [آندھرا پردیش]



حضرت شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلوی

حضرت شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلویؒ خاندانِ چشت کے روشن چراغ ہیں۔آپ سلطان المشائخ حضرت خواجہ شیخ نظام الدین اولیا، محبوبِ الٰہیؒ کے خلیفۂ اکبر اور جانشین ہیں۔آپ کے دادا حضرت شیخ عبد اللطیف نیروی خراساں سے لاہور تشریف لاے۔آپ کے دادا کے انتقال کے بعد آپ کے والدِ محترم حضرت شیخ یحییٰ لاہور سے اودھ چلے آئے اور یہیں سکونت پذیر ہوے۔آپ کے والدِ محترم ایک صوفی منش بزرگ تھے۔آپ والدہ ماجدہ نہایت نیک بخت بی بی تھیں۔وہ زیادہ تر وقت عبادت میں گزارتی تھیں۔وہ اپنے زمانے کی رابعہ تھیں۔آپ کے والد ایک خوش حال پشمینہ فروش (اونی کپڑا بیچنے والے) تھے۔آپ کے ہاں کئی غلام بھی تھے[1]

آپ کا نامِ مبارک نصیر الدین، خطاب محمود اور لقب چراغ دہلی ہے۔آپ کی ولادتِ باسعادت اودھ میں ہوی۔

آپ کے چراغ دہلوی کہلانے کے تین(۳) وجوہات ہیں:

پہلی وجہ : حضرت مخدوم جہانیان گشت جب مکۂ معظمہ پہنچے اور حضرت امام یافعیؒ سے ملے تو باتوں باتوں میں دہلی کے بزرگانِ دین کا ذکر آگیا۔حضرت امام یافعیؒ نے فرمایا: "پہلے تو دہلی میں بہت بزرگ تھے وہ سب واصل بحق ہوگئے۔" پھر حضرت امام یافعیؒ نے فرمایا کہ "اب تو نصیر الدینؒ اودھی دہلی کے چراغ ہیں، جو باقی ہیں۔[2]

دوسری وجہ : ایک مرتبہ چند درویش بسلسلۂ سیاحی دہلی آے اور حضرت نظام الدین اولیاء سے

[1] سیر الاولیا: فارسی: ص ۲۳۸۔ [2] تاریخ فرشتہ: فارسی: ص: ۳۹۹؛ سیر العارفین۔

ملے۔ وہ درویش حضرت محبوب الٰہیؒ کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے کہ اتفاق سے حضرت نصیر الدین محمود چراغ دہلوی بھی حضرت محبوب الٰہیؒ کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوئے۔ حضرت محبوب الٰہیؒ نے آپ کو بیٹھنے کا حکم دیا۔ آپ نے عرض کیا: درویشوں کی طرف میری پیٹھ ہو جائے گی؛ حضرت محبوب الٰہیؒ نے فرمایا کہ "روئے چراغ کی پشت نہیں ہوتی" اپنے پیرومرشد کے حکم کے مطابق آپ بیٹھ گئے۔ آپ کی رو پشت یکساں ہوی۔ جیسے آپ آگے سے دیکھتے تھے اب پشت کی طرف سے بھی دیکھنے لگے۔ اسی روز سے آپ "چراغ دہلی" کے لقب سے مشہور ہوئے۔

تیسری وجہ: یہ ہے کہ ایک دفعہ بادشاہ جو حضرت محبوب الٰہیؒ سے حسد رکھتا تھا اور جس کو ان کا اقتدار ناپسند تھا۔ عین عرس کے موقعہ پر اس نے حضرت محبوب الٰہیؒ کی خانقاہ کے لیے تیل بند کر دیا۔ حضرت نصیر الدینؒ چراغ دہلی نے یہ واقعہ حضرت محبوب الٰہیؒ کے گوش گزار کیا۔ آپ نے دریافت فرمایا: "باؤلی جو کھدر ہی ہے کیا اس میں کچھ پانی نکلا؟" حضرت نصیر الدین چراغ دہلی نے عرض کیا: "حضور! ہاں نکلا ہے!" حضرت محبوب الٰہیؒ نے حکم دیا: "اسی پانی کو چراغوں میں بھر کر کے روشن کرو۔" آپ نے ایسا ہی کیا۔ تمام چراغ پانی سے روشن ہو گئے۔ حضرت نصیر الدین محمودؒ سارے جہاں میں "چراغ دہلی" کے لقب سے مشہور ہو گئے۔

آپ کی ابتدائی تعلیم و تربیت والد ماجد کے زیرِ سایہ ہوی۔ آپ کی عمر نو سال تھی کہ والد بزرگوار نے اس جہاں سے پردہ فرمایا۔ اس کے بعد آپ کی تعلیم و تربیت کی پوری ذمہ داری آپ کی والدۂ ماجدہ کے کندھوں پر آپڑی۔ جسے آپ نے بحسن وخوبی اٹھا لیا۔ آپ کو مولانا عبدالکریم شیروانی کے سپرد کیا۔ اور ان کی وفات کے بعد آپ کو مولانا افتخار الدین گیلانی کے سپرد کیا۔ آپ نے بیس ۲۰ سال کی عمر میں تمام ظاہری علوم کو مکمل فرمایا۔ اس کے بعد آپ نے ایک درویش نما بزرگ کی صحبت اختیار کی۔ جو شہر سے دور جنگل میں رہتے تھے۔ دنیا سے ان کو کچھ واسطہ نہ تھا۔ وہ گھاس اور پتے کھا کر گزارہ کرتے تھے۔

جس وقت آپ کی عمر چالیس ۴۰ یا تینتالیس ۴۳ سال تھی۔ آپ دہلی رونق افروز ہوئے۔ دہلی پہنچ کر آپ سلطان المشائخ حضرت شیخ نظام الدین اولیاء محبوبؒ الٰہی کی خدمت مبارکہ میں حاضر ہوئے اور ایک مدت تک حضرت محبوب الٰہیؒ کی خدمت میں رہے۔ جب آپ کی صلاحیتیں مکمل نکھر چکیں تب حضرت محبوب الٰہیؒ نے آپ کو بیعت سے مشرف فرمایا۔ بعد ازاں خرقۂ خلافت عطا فرمایا۔ آپ پر حضرت محبوب الٰہیؒ کی خاص نوازش اور مہربانی تھی۔ حضرت نظام الدین اولیاءؒ نے آپ کو اپنا صاحب سجادہ اور جانشین بنایا اور وہ تمام تبرکات جو آپ کو حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکرؒ سے حاصل ہوئیں، حضرت نصیر الدین محمودؒ چراغ دہلوی کے سپرد کیا۔ چشتیہ سلسلہ کے کُل ہند نظام کو حضرت نظام المشائخ کے بعد حضرت شیخ نصیر الدینؒ نے ہی سنبھالا اور مرشد کی ہدایت کے مطابق مرکز میں رہ کر دعوت و اصلاح کا کام شروع کر دیا[1]۔

[1] تاریخ الاولیاء: ص: ۱۷۳

آپ کا نسب نامۂ پدری ۲۲ واسطوں سے امیر المومنین حضرت عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ سے جا ملتا ہے۔ اور آپ کا شجرۂ بیعت اٹھارہ واسطوں سے امام الاولیاء حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے جا ملتا ہے۔

حضرت محبوب الٰہیؒ کا وقتِ رحلت جب قریب آپہنچا تو آپ نے اپنے چند خلفاء کو بلوا کر کچھ تبرکات عطا کیں اور دکن و گجرات جانے کی اجازت دی اور آخر میں حضرت نصیر الدین چراغ دہلوی کو طلب فرمایا اور عصار، مصلّٰے، تسبیح، نعلیں چوبیں، خرقہ اور حضرت بابا فرید الدین گنج شکرؒ کے دیگر تبرکات آپ کے سپرد فرمایا۔ پھر حضرت نصیر الدین چراغ دہلیؒ سے مخاطب ہو کر فرمایا: تم کو دہلی میں رہ کر لوگوں کی جفا و قفا اٹھانی چاہیے[1]

چند نامعقول لوگوں اور سلطان محمد تغلق کی طرف سے حضرت شیخ نصیر الدین محمودؒ کو بہت سی تکلیفیں پہنچیں لیکن آپ بدستور دہلی میں تشریف فرما رہے اور ان کے جبر و ظلم برداشت کرتے رہے[2]

آپ مخلوق کے جور و ستم پر صبر کرتے تھے۔ برائی کا بدلہ اچھائی سے دیتے تھے۔ آپ اہلِ ارادت کے لیے نظیر تھے۔ راہِ سلوک میں بے نظیر تھے۔ آپ ایک مثالی پیر تھے۔ آپ کو سماع کا بے حد شوق تھا۔ آپ فرماتے تھے۔" سماع دردمندوں کے لیے بمنزلۂ علاج ہے۔ جس طرح ظاہری درد کے لیے علاج ہوتا ہے اسی طرح باطنی درد کے لیے سماع کے سوا اور کوئی علاج نہیں "

آپ کے بہت سے خلفا رہیں۔ جن میں شاہِ دکن حضرت خواجہ بندہ نواز سیّد محمد گیسو دراز رحمۃ اللہ علیہ اور آپ کی بہن کے لڑکے حضرت شیخ کمال الدینؒ زیادہ مشہور رہیں۔ شاہِ دکن حضرت خواجہ بندہ نواز سید محمد گیسو درازؒ آپ کے خلیفہ اکبر اور جانشین ہیں۔ حضرت خواجہ بندہ نواز گیسو دراز دہلی سے دکن (گلبرگہ) تشریف لے گئے حضرت شیخ کمال الدین دہلی ہی میں رہے۔

آپ کے پیر و مرشد حضرت محبوب الٰہی کا جنازۂ مبارک دفن کے لیے لے جا رہا تھا۔ اس وقت قوال حضرت شیخ سعدیؒ بلبلِ شیراز کی مشہور غزل گا رہے تھے۔ قوال جب اس شعر پر پہنچے: ؎

اے تماشہ گاہِ عالم روئے تو | تو کجا بہر تماشہ می روی

ترجمہ: اے وہ کہ (خود) تیرا چہرہ تمام دنیا کے لیے تماشہ گاہ ہے، تو کہاں تماشا دیکھنے کے لیے جا رہا ہے۔

جسم اقدس میں جنبش پیدا ہوی۔ حال اور وجد جنازہ مبارک پر طاری ہوا۔ یہ حالت دیکھ کر شیخ الاسلام حضرت مولانا رکن الدین ملتانی نے سماع بند کرادیا[3]

---

[1] سیّر العارفین: ص: [2] تاریخ الاولیاء: ص: ۱۷۶، [3] : سبع سنابل

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ آپ نے جنازۂ مبارک سے ہاتھ نکالا اور فرمایا: "من نمی روم" - میں نہیں جاتا ہوں اس وقت حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلیؒ نے عرض کیا: "شیخا شیخا باش دست درکش" اسی وقت حضرت محبوب الہیؒ نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا۔

آخری عمر میں حضرت نصیر الدین محمودؒ چراغ دہلوی کے جسم مبارک سے ایسی ہی خوشبو آنے لگی تھی جیسی کہ حضرت شیخ نظام الدین اولیاءؒ کے جسمِ اطہر سے آتی تھی۔

آپ کے پیرو مرشد کے بتیس ۳۲ سال بعد ۱۸ رمضان المبارک ۷۵۷ھ کو آپ نے رحلت پائی۔ آپ نے شیخ زین العابدین اور شیخ کمال الدین کو وصیت فرمائی کہ ان کے وصال کے بعد ان کے شیخ کا خرقہ ان کی قبر میں ان کے سینۂ مبارک پر اور کاسۂ چوبیں ان کے سرہانے اور تسبیح ان کی انگلی اور عصا اور نعلین ان کی برابر رکھ دینا[1]

جس حجرہ میں آپ رہتے تھے اسی میں آپ کا مزارِ مبارک ہے۔[2]

بقیہ صـ 130 کا "ڈاکٹر افضل الدین اقبال حیدر آبادیؒ"

کے مصداق بن جائیں گے۔ علم، سچائی کا نام ہے اگر اس کے نام سے تصور غیر مطابق کا سکّہ چل پڑے تو دنیائے علم میں اندھیرا پھیل جائے گا اور اس تاریکی میں صاحبِ کمال، بےکمال اور بےکمال صاحبِ کمال بن جائیں گے۔

ڈاکٹر اقبال آج ہمارے درمیان نہیں ہیں۔ لیکن وہ اپنی علمی و ادبی شخصیت و خدمت اور حسنِ کردار کے باعث ہمیشہ زندہ رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ انھیں کروٹ کروٹ جنّت نصیب فرمائے اور ان کی نیکیوں کو قبول فرمائے اور ان کی خطاؤں اور لغزشوں کو معاف فرمائے اور ان کے پس ماندگان کو صبرِ جمیل اور اجرِ جزیل عطا فرمائے۔ اور ان کی اولاد کو نیک اور صالح بنادے۔ اذا مات الانسان انقطع عملہ الا من ثلث صدقۃ جاریۃ او علم ینتفع بہ او ولد صالح یدعولہ۔ آدمی مرجاتا ہے تو اس کے عمل کا سلسلہ بھی منقطع ہوجاتا ہے لیکن صدقہ جاریہ اور نفع بخش علم اور صالح اولاد کے ذریعہ قبر میں ثواب پہنچتا رہتا ہے۔

واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین ...

---

[1] مراۃ الاسرار

[2] بحوالہ دلی کے بائیس ۲۲ خواجہ: ڈاکٹر ظہور الحسن شارب

حضرت امیر خسرو رح

حضرت یمین الدین ابوالحسن خسروؒ جو امیر خسروؒ کے نام سے شہرت یافتہ ہیں ۶۵۱ھ ہجری مطابق ۱۲۵۳ء کو مومن آباد موجودہ پٹیالی ضلع ایٹہ یوپی میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد بزرگوار کا نام امیر سیف الدین محمود تھا۔ ترکستان میں ایک شہر "کش" ہے یہ وہاں کے رہنے والے تھے اور اپنے قبیلہ کے رئیس تھے۔ چنگیز خان کا جب فتنہ اٹھا تو آپ ہجرت کر کے ہندوستان آئے اور سلطان محمد تغلق کے دربار میں ایک بڑے عہدہ پر مامور ہوئے۔ محمد تغلق آپ کی بہت قدر کرتا تھا۔ امیر سیف الدین محمود نے ہندوستان میں نواب عماد الملک[1] کی دختر نیک اختر سے شادی کی۔ جن کے بطن سے تین صاحبزادے پیدا ہوئے۔ ۱۔ حضرت اعزاز الدین علی شاہ ۔۲۔ حضرت حسام الدین اور ۳۔ حضرت یمین الدین ابوالحسن امیر خسرو۔ منقول ہے کہ امیر سیف الدین کے قریب ایک مجذوب صاحب حال رہتے تھے۔ جس وقت امیر خسرو پیدا ہوئے آپ نے اپنے بچے کو کپڑے میں لپیٹ کر مجذوب کی خدمت میں لے گئے۔ حضرت امیر خسرو کو دیکھتے ہی مجذوب نے فرمایا: "یہ لڑکا عارف باللہ اور یگانۂ روزگار ہوگا۔ قیامت تک اس کا نام رہے گا اور وہ قدم خاقانی سے آگے بڑھ جائے گا" اور بچے کے لیے دعا دی کہ اللہ تعالیٰ اس کو ہر دلعزیز کرے[2]۔

چار برس تک حضرت امیر خسرو نے نہایت ہی ناز و نعم سے پٹیالی میں پرورش پائی۔ بعد ازاں اپنے والد کے ہمراہ دہلی تشریف لائے۔ پچاسی برس کی عمر میں امیر سیف الدین محمود کسی لڑائی میں کفار کے ہاتھوں شہید ہوئے۔ اس وقت امیر خسرو کی عمر نو (۹) سال کی تھی۔ والد صاحب کی شہادت کے بعد حضرت امیر خسرو کی پرورش ان کے نانا نواب عماد الملک نے بڑی محبت و شفقت سے کی اور اس قدر آپ کی طرف توجہ فرمائی کہ بہت تھوڑی ہی مدت میں آپ نے جملہ علوم میں سندِ فضیلت حاصل کر لی اور اس عہد کے علماء و فضلاء میں شمار ہونے لگے۔ حضرت امیر خسرو چھوٹی عمر ہی میں اتنی آسانی کے ساتھ شعر کہہ لیتے تھے کہ سننے والے حیران رہ جاتے تھے۔ خود حضرت امیر خسرو کا بیان ہے کہ "اس کم سنی میں دودھ کے دانت ٹوٹ رہے تھے اشعار میرے منہ سے موتیوں کی طرح جھڑتے تھے"۔

حضرت امیر خسرو کا شمار فارسی شاعری کے اساتذہ میں ہوتا ہے۔ ایران کے لوگ بھی ان کا لوہا مانتے ہیں۔ "طوطیٔ ہند" جو آپ کا خطاب ہے ایرانی بھی اسی خطاب سے آپ کو یاد کرتے ہیں۔ "وہ فارسی میں ان کا نام نظامی، فردوسی، حافظ اور سعدی کے ساتھ لیا جاتا ہے"[3]۔

---

[1] عماد الملک جن کا شمار اس دور کے اولیاء اللہ میں ہوتا ہے۔ جو مشہور امرائے شاہی میں سے تھے اور ہزار فوج کے افسر تھے۔
[2] خزانۂ عامرہ ۔ مونس الارواح ۔ تذکرۃ اولیاء ہند ۔ سیر الاولیاء
[3] " امیر خسرو : شیخ سلیم احمد

فارسی زبان کے ساتھ حضرت امیر خسرو نے دہلی کے بازاروں میں وجود پذیر زبان میں بھی شاعری کی ہے۔ جسے ہندوی، دہلوی، برج بھاشا یا کھڑی بولی کہتے ہیں۔ جو آج کی اردو زبان ہے اور وہ اس زبان کے پہلے شاعر ہیں۔

"بنیادی طور پر امیر خسرو ایک شاعر ہیں۔ انھوں نے فارسی اور ہندوی یا دہلوی دونوں زبانوں میں شاعری کی ہے[1]۔" آپ نے پانچ لاکھ سے کم اور چار لاکھ سے زیادہ اشعار کہے ہیں"۔[2]

"امیر خسرو اپنے خیالات کی جدت اور شعروں کی کثرت کے اعتبار سے ممتاز حیثیت رکھتے ہیں۔ امیر خسرو کو ہر صنفِ سخن میں مہارت حاصل تھی۔ آپ ذہین، قابل اور صاحبِ علم وفضل ہونے کے علاوہ ایک صوفی بھی تھے۔ درحقیقت امیر خسرو جیسے انسان صدیوں میں پیدا ہوتے ہیں جو سراپا محبت ہوں۔"[3]

"حضرت امیر خسرو فی الوقت دنیا کے پانچ ملکوں میں پڑھے اور پڑھائے جاتے ہیں۔ ہندوستان، پاکستان، ایران، افغانستان اور تاجکستان (سوویت یونین) انھوں نے بیک وقت پانچ زبانوں میں طبع آزمائی کی ہے۔ جن میں تنہا فارسی کے کم وبیش پانچ لاکھ شعر چھوڑے"۔[4]

"حیاتِ خسرو" اور "شعر العجم" حصۂ دوم میں مولانا شبلی نعمانی لکھتے ہیں: "ہندوستان میں چھ سو برس سے آج تک اس درجہ کا جامع کمالات نہیں پیدا ہوا اور سچ پوچھو تو اس قدر مختلف اور گوناگوں اوصاف کے جامع ایران وروم کی خاک نے بھی ہزاروں برس کی مدت میں دو چار ہی پیدا کئے ہوں گے۔ صرف ایک شاعری کو لو تو ان کی جامعیت پر حیرت ہوتی ہے۔ فردوسی مثنوی سے آگے نہیں بڑھ سکتا، سعدی قصیدہ کو ہاتھ نہیں لگا سکتے، انوری مثنوی اور غزل کو چھو نہیں سکتا۔ حافظ، عرفی، نظیری غزل کے دائرہ سے باہر نہیں نکل سکتے۔ امیر خسرو کی جاگیر میں غزل، مثنوی، قصیدہ، رباعی سب کچھ داخل ہے۔ اشعار کی تعداد کے لحاظ سے دیکھو تو اس خصوصیت میں کسی کو اُن کی ہمسری کا دعویٰ نہیں ہو سکتا۔"

حضرت امیر خسرو کے فارسی کلام کی ایک دو جھلکیاں درجِ ذیل ہیں: حمدیہ اشعار: ~

بی ہمہ جا و ہمہ جا درون!   در ہمہ جا و ہمہ جا برون

وہ کسی جگہ نہیں ہے اور تمام مقامات پر موجود بھی ہے اور تمام مقامات اور ہر جگہ سے الگ بھی ہے۔ ~

پشت نہ جویم نہ پناہی ز کس   چوں بہ خداوند کنم روی و بس

نہ مجھے کسی پشت پناہی کی ضرورت ہے نہ اماں کی بس میں نے تو اپنے آقا و مالک کی طرف اپنا رجحان کرلیا ہے۔

نعتیہ اشعار: ~

---

[1] امیر خسرو: شیخ سلیم احمد۔ [2] نفحات الانس۔ [3] امیر خسرو: سید غلام سمنانی۔ [4] خسرو شناسی۔

اللہ و محمدؐ ست پیوستہ بہم یعنی کہ میاں شاں نگنجد دگرے

اللہ اور محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم آپس میں ایک دوسرے سے پیوست ہیں یعنی ان دونوں کے درمیان کوئی دوسرا نہیں سما سکتا۔ ؎

نور تو نہ گنجد چو در یک عالم بہر تو خدا کرد دو عالم پیدا

چوں کہ آپؐ کا نور ایک عالم میں نہیں سما سکتا۔ اس لیے اللہ نے آپؐ کے لیے دو عالم پیدا کئے۔
آذری نے "جواہر الاسرار" میں لکھا ہے کہ: "شیخ سعدیؒ شیرازی خسروؔ سے ملنے کے لیے شیراز سے دہلی آئے۔" "جواہر الانوار" میں بھی لکھا ہے کہ: "حضرت شیخ سعدیؔ شیرازی آپ سے ملنے کے لیے ہندوستان آئے"

جامیؔ نے "نفحات الانس" میں لکھا ہے کہ امیر خسروؔ نے بانوے ۹۲ کتابیں تصنیف کی ہیں۔
امیر خسروؔ نہ صرف ایک خوش گو شاعر، ایک اچھے مصنف، ایک بڑے عالم، ایک بامذاق شخص، ایک صاحبِ دل اور ایک درویش دلریش ہی نہیں تھے بلکہ ایک کامیاب مقربِ سلاطین تھے۔ سب سے پہلے جس بادشاہ نے حضرت امیر خسروؒ کی سرپرستی کی تھی وہ معزالدین کیقباد تھا۔ امیر خسروؔ نے گیارہ بادشاہوں کا زمانہ دیکھا اور سات بادشاہوں کی ملازمت میں رہے۔

تاریخ فرشتہ میں لکھا ہے کہ حضرت امیر خسروؔ اور خواجہ حسن سلطان غیاث الدین بلبن کے لڑکے شہزادہ محمد سلطان خان کے پاس ملازم تھے۔ شہزادہ سلطان کے ساتھ ملتان میں رہتے تھے۔ آپ نے کئی بار نوکری سے استعفیٰ دینا چاہا۔ لیکن شہزادہ سلطان نے اجازت نہیں دی۔ جب شہزادہ سلطان ملتان میں شہید ہوا تو آپ دہلی آکر امیر علی کی ملازمت اختیار کی۔ سلطان جلال الدین خلجی کے تخت پر بیٹھنے کے بعد آپ اس کے مقرب ہوئے۔ غرض سلطان قطب الدین مبارک شاہ تک آپ پر ہر بادشاہ نے مہر و محبت اور لطف و کرم کی نظر رکھی۔ شاہی دربار میں آپ کی کافی عزت تھی۔

حضرت امیر خسروؔ کا مذہب سنّت و جماعت تھا۔ حنفی طریق تھا۔ ایک صوفی مشرب اور مرشد کامل کی توجہ نے حقائق و معارف کے دروازے کھول دیے تھے۔ وہ احکام و فرائض شریعت کو کمالِ عقیدت اور نیاز مندی سے بجا لاتے تھے۔ باوجود شغل امارت ان کی ریاضت اس قدر درجۂ اعلیٰ پر پہنچی تھی کہ چالیس ۴۰ برس برابر صائم الدہر رہے۔[1]

---

[1] تاریخ فرشتہ، مونس الارواح، سفینۃ الاولیاء، نفحات الانس، تاریخ فیروز شاہی

ہر شب کو ایک کلام مجید ختم کرتے تھے[1] اور نماز تہجد میں سات پارے پڑھا کرتے تھے[2]۔

حضرت امیر خسرو نے عجیب طبیعت پائی۔ وہ فقیروں میں فقیر، عالموں میں عالم، صوفیوں میں صوفی، شاعروں میں شاعر، گویوں میں گویے، درباریوں میں درباری، عامیوں میں عامی تھے۔ وہ دہلی کے بادشاہوں کے مصاحب تھے۔ انھوں نے بہت سے شہزادوں اور بادشاہوں کے دربار میں انعام حاصل کئے۔ مگر خود ایک بہت بڑے دربار عالی کے فقیر تھے۔ عمر بھر اس درِ مقدس کی فقیری پر فخر کرتے تھے۔ حضرت امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ سلطان المشائخ حضرت خواجہ شیخ نظام الدین اولیاء محبوبِ الٰہی رحمۃ اللہ علیہ کے سب سے زیادہ چہیتے مرید تھے۔

"حیاتِ خسروؒ" میں مولانا شبلی نعمانی لکھتے ہیں کہ حضرت امیر خسرو کے والد بزرگوار نے حضرت امیر خسرو کو آٹھ سال کی عمر ہی میں حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کے قدموں میں ڈال دیا تھا اور برکت کے لیے بیعت کرادی تھی۔ حضرت محبوب الٰہیؒ کی روحانی تاثیر چپکے چپکے اپنا کام کرتی گئی۔ حضرت امیر خسرو کی طبیعت میں عشق و محبت کا مادہ بھی ازلی تھا۔ وہ سراپا عشق تھے اور یہ بجلی ان کے رگ رگ میں کوندتی پھرتی تھی۔ آخر یہ نوبت پہنچی کہ ۱۷۱ھ جیسا کہ خود "افضل الفوائد" میں لکھا ہے کہ خواجہ صاحبؒ کے ہاتھ پر دوبارہ بیعت کی۔ خواجہ صاحبؒ نے چہار گوشہ ٹوپی جو اس سلسلہ کی نشانی تھی عنایت کی اور مریدانِ خاص میں داخل کرلیا۔ قدرت اللہ قدرت نے "طبقات الشعراء" میں لکھا ہے کہ حضرت امیر خسرو نے جب خواجہ صاحبؒ سے بیعت کی تو جو کچھ نقد اور اسباب تھا لٹا دیا اور پا بدامن ہو کر بیٹھ گئے۔

حلقۂ مریدانِ جاں نثار میں شامل ہو کر امیر خسرو نے اس قدر ریاضاتِ شاقہ فرمائیں کہ حضرت سلطان المشائخؒ کی توجہ سب مریدوں سے زیادہ ان کی طرف مبذول ہوی اور انھوں نے اپنے اخلاص اور اعتقاد سے بہت جلد حضرت کی خدمت میں ایسی عزت و منزلت حاصل کی کہ کسی دوسرے مرید کو میسر نہ ہوی۔

ایک مرتبہ کسی مرید نے حضرت سلطان المشائخ سے عرض کیا کہ جیسی عنایت و مہربانی امیر خسرو کے حال پر ہے امیدوار ہوں کہ بندہ کے حال پر بھی مبذول فرمائی جائے۔ آپؒ نے جواب دیا کہ اپنے اندر ویسی قابلیت تو پیدا کرلو۔[3]

صاحب سیر الاولیاء تحریر فرماتے ہیں کہ ابتدائے حال میں ایک دن حضرت سلطان المشائخ نے امیر خسرو سے دریافت کیا کہ شغل عبادت کا کیا حال ہے۔ انھوں نے جواب دیا کہ آخر شب میں چند روز سے رونا آتا ہے۔ حضرت سلطان المشائخ نے فرمایا: الحمد للہ! کچھ ظہور ہونا شروع ہوا۔ چند روز کے بعد حضرت سلطان المشائخ نے حضرت امیر خسرو کو خرقۂ خلافت

---

[1] تذکرۃ الکاملین۔ [2] سیر الاولیاء۔ [3] امیر خسرو: شیخ سلیم احمد

عطا فرماکر "ترک اللہ" کا خطاب مرحمت فرمایا۔ لیکن محبت سے کبھی کبھی "ترک" ہی سے مخاطب فرمایا کرتے تھے۔

"حیات خسروؒ" میں مولانا شبلی نعمانی فرماتے ہیں کہ "خواجہ صاحب نے امیر صاحب کو ترک اللہ کا خطاب دیا اور اسی لقب سے پکارتے تھے۔ امیر صاحب نے جابجا اس پر فخر کیا ہے۔"

صاحب سیر الاولیاء نے اس خطاب کی نسبت امیر خسرو کی یہ عبارت نقل کی ہے:

"بندہ را خواجہ ترک اللہ خطاب کردہ است و چندیں فرمان موشح و مزین بخط مبارک ایشاں بدیں خطاب درحق بندہ مبذول بودہ بندہ آں را تعویذ ساختہ تا بوقت دفن برابر بندہ باشد فردائے قیامت رحمٰن بحق من بیچارہ بداں کاغذہا بخشا یَد۔ انشاء اللہ تعالےٰ الکریم۔"

بندے کو خواجہ نے "ترک اللہ" کا خطاب دیا ہے۔ اور یہ فرمان اپنے خطِ مبارک میں خوب صورتی سے لکھ کر عنایت فرمایا ہے اور بندہ نے اس کو تعویذ بنالیا ہے تاکہ دفن کے وقت میرے ساتھ رہے۔ تو کل قیامت کے دن رحمٰن مجھ بیچارے کو اس کاغذ کے طفیل بخش دے گا۔ انشاء اللہ الکریم۔

حضرت سلطان المشائخ فرماتے ہیں کہ "میں بغیر امیر خسرو کو ساتھ لیے جنت میں نہ جاؤں گا۔ اور یہ کہ میں اللہ سے اس ترک کے سوزِ سینہ کے طفیل بخشش و غفران کا طلب گار رہوں گا۔" سلطان المشائخ کی مدح کرتے ہوئے امیر خسرو اپنے خطاب "ترک اللہ" کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتے ہیں: ؎

برزبانت چو خطاب بندہ ترک اللہ رفت | دست ترک اللہ بگیر و ہم باللہش سپار
چوں من مسکین ترا دارم بس بود | شیخ من بس مہربان و خالقم آمرزگار

جب آپ کی زبان پر اس بندے کا خطاب "ترک اللہ" آہی گیا ہے تو ترک اللہ کا ہاتھ پکڑ کر اس کو اللہ کے سپرد کر دیجیے۔ مجھ جیسے مسکین کو آپ کا مل جانا کافی ہے۔ میرا پیر مجھ پر مہربان ہے اور میرا خالق گناہ بخشنے والا ہے۔

حضرت امیر خسرو شریعت کے سخت پابند تھے۔ مگر ان کا ذہن تصوّف کے رنگ میں ڈوبا ہوا تھا۔ حضرت نظام الدین اولیاء کی تعلیم ان کے رگ و ریشہ میں پیوست ہو گئی تھی۔ وہ اپنے مرشد کو غوثِ عالم، نظامِ ملت و دین، قطب ہفت آسمان و ہفت زمین، رہبر پیش بیں، نائب مصطفٰے وغیرہ کے ناموں سے یاد کرتے ہیں۔

اور پھر کہتے ہیں: ؎

ملکِ وحدت بنام ایشان است | بندہ خسرو غلامِ ایشان ست

وحدت کی مملکت ان کے نام سے قائم ہے۔ خسرو بندہ ان کا غلام ہے۔

حضرت خواجہ نظام الدین اولیا محبوبِ الٰہی سے امیر خسرو کی ارادت اور عقیدت عشق کے درجے تک پہنچ گئی تھی۔ تاریخِ فرشتہ میں لکھا ہے کہ

"آپ کو اپنے پیرو مرشد سے والہانہ محبت اور عقیدت تھی۔ آپ فنا فی الشیخ کے درجے پر پہنچ گئے تھے جب آپ دہلی میں رہتے زیادہ وقت اپنے پیرو مرشد کی خدمت میں گزارتے تھے"۔

کتاب "مونس الارواح" میں منقول ہے کہ حضرت سلطان المشائخ کی عنایت امیر خسرو پر اس درجہ تھی کہ آپ فرماتے تھے کہ میں سب سے تنگ ہوتا ہوں مگر اے ترک تجھ سے تنگ نہیں ہوتا۔ اور ایک روز فرمایا کہ میں سب سے تنگ ہوتا ہوں یہاں تک کہ خود اپنے سے بھی مگر اس ترک سے کبھی تنگ نہیں ہوتا۔ حضرت محبوب الٰہی نے فرمایا: "قیامت کے روز مجھے یہ امید ہے کہ اِس ترک کے دل میں جو آگ سلگ رہی ہے اُس کی گرمی سے میرا نامۂ اعمال پاک ہو جائے گا"

حضرت نظام الدین اولیاءؒ یہ بھی کہتے تھے کہ" اگر کل قیامت کے دن اللہ تعالےٰ نے مجھ سے سوال کیا کہ ہمارے لیے تم کیا لائے ہو تو میں جواب میں خسرو کا نام لوں گا"۔ کبھی کبھی حضرت محبوبؒ الٰہی دعا فرماتے تھے: "یا الٰہی! اس ترک کے دل میں بھڑکی ہوئی آگ کے طفیل مجھے بخش دے"۔ آپؒ نے یہ بھی ارشاد فرمایا: کہ قیامت کے دن ہر شخص کسی چیز پر ناز کرے گا اور میں اس تُرک اللہ کے سوزِ سینہ پر ناز کروں گا اور خدا مجھے اس تُرک کے سوز سینہ کے سبب سے بخشے گا۔[1] اس موقعہ پر یہ شعر بھی آپ نے ارشاد فرمایا تھا: ؎

گر ز بہر تُرک ترکم ارّہ بر تارک نہند ترکِ تارک گیرم و اتا نہ گیرم ترکِ تُرک[2]

اگر تُرک سے قطع تعلق کرنے کے لیے میرے سر پر آرہ رکھا جائے تو میں اپنے سر کو دے دوں گا لیکن تُرک کو نہ چھوڑوں گا۔

حضرت نظام الدین اولیاء اکثر فرمایا کرتے تھے کہ جب قیامت میں سوال ہو گا کہ نظام الدین کیا لایا ہے؟ تو خسرو کو پیش کر دوں گا۔ دعا مانگتے تھے تو خسرو کی طرف اشارہ کر کے فرماتے تھے: الٰہی! بہ سوز سینہ ایں تُرک مرا ببخش[2] منقول ہے کہ سوزِ سینہ، آتش عشق حقیقی سے اس قدر تھا کہ پیراہن مبارک آپ کا قلب کی جگہ سے ہمیشہ سوختہ رہا کرتا تھا۔ بلکہ یہ کیفیت تھی کہ جس وقت نیا کپڑا پہنتے اسی وقت دل کی جگہ سے جل جاتا تھا۔[3]

عارفِ کامل مولانا جامی نے "نفحات الانس" میں لکھا ہے کہ آپ پانچ مرتبہ خواب میں حضور سرور کائنات صلے اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ اور ایک دن حضرت سلطان المشائخ کے اشارہ سے امیر خسرو حضرت خواجہ خضر علیہ السلام کی ملاقات سے مشرف ہوئے اور خواہش لعاب دہن کی۔ انہوں نے فرمایا: یہ دولت شیخ سعدی کی قسمت کی تھی۔ امیر خسرو نہایت دل شکستہ ہو کر حضرت سلطان المشائخ کی خدمت میں حاضر ہو کر اور

---

[1] تاریخ فرشتہ۔ [2] حیاتِ خسرو: شبلی نعمانی
[3]

کل حال بیان کیا۔ حضرت نے اپنا لعاب دہن اُن کے منہ میں ڈالا اور برکت اس کی ظاہر ہوئی۔"
"دلّی کے بائیس خواجہ" میں ڈاکٹر ظہور الحسن شارب نے تحریر کیا ہے کہ "حضرت محبوب الٰہی نے اپنا لعابِ دہن اُن کے منہ میں ڈال دیا۔ اس کی برکت سے آپ کے کلام کو وہ مقبولیت حاصل ہوئی جو کسی کو نہیں حاصل ہوئی۔"

علامۂ زماں میر غلام علی آزاد بلگرامی "خزانۂ عامرہ" میں تحریر فرماتے ہیں کہ "جس وقت امیر خسرو حضرت سلطان المشائخ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنی وہ نظم جو حضرت کی مدح میں لکھی تھی نظر انور سے گزاری آپ بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ: اس کا کیا صلہ چاہتا ہے۔ چوں کہ اس زمانہ میں ان میلانِ طبع شاعری کی طرف بہت تھا۔ اس وجہ سے جواب دیا کہ اپنے کلام شیرینی چاہتا ہوں۔ حضرت نے فرمایا: ہماری چارپائی کے نیچے طشت میں شکر رکھی ہے اس کو لاکر سر پر سے نثار کر اور تھوڑی اس میں سے کھالے۔ امیر خسرو حضرت کا حکم بجالائے اور شیرینیٔ کلام کی دولت سے مالامال ہوئے۔"
"صاحبِ سیر الاولیاء" لکھتے ہیں کہ "اخیر عمر میں حضرت امیر خسرو اپنی اس التجا پر بہت افسوس کیا کرتے تھے اور کہتے تھے کہ میں نے اِس سے بہتر کوئی خواہش کیوں نہ کی۔"
جب حضرت سلطان المشائخ بعد نماز عشاء پلنگ پر تشریف لے جاتے اس وقت آپ کے دست مبارک میں تسبیح دی جاتی تھی اور اس کے بعد کوئی شخص سوائے امیر خسرو کے آپ کی خدمت میں نہیں جا سکتا تھا۔
امیر خسرو روزانہ تشریف لے جاتے اور حضرت کے روبرو بیٹھ جاتے تھے۔ جب آپ ارشاد فرماتے کہ: تُرک آج کیا خبر ہے؟ اس وقت یہ ہر قسم کی حکایتیں، دن بھر کے واقعات اور دیگر راز و نیاز کی باتیں بیان کرنا شروع کرتے۔
جب کسی مرید کو حضرت کی خدمت میں کچھ التجا کرنی منظور ہوتی تو اول ان سے کہتا اور یہ اس موقع پر حضرت کے گوش گزار کر کے اس کی سفارش کرتے تھے۔ حضرت سلطان المشائخ ان کی وجہ سے برابر سر ہلاتے رہتے اور گفتگو ختم ہونے کے بعد مناسب جواب ارشاد فرماتے تھے۔ اکثر و بیشتر ان کی سفارش منظور ہوتی تھی۔ [1]
"حضرت نصیر الدین محمود چراغ دہلوی کو جب عبادت اور ریاضت میں ایک خاص مزہ ملنے لگا تو آپ دنیا کے سارے جھمیلوں سے اکتا جاتے اور آپ کا دل کرتا کہ دنیا چھوڑ کر جنگل میں جا کر اللہ کی عبادت کریں۔ اس لیے آپ نے امیر خسرو سے کہا: جب اودھ جاتا ہوں تو لوگوں سے ملنے جلنے کی وجہ سے عبادت نہیں کر پاتا۔ اگر حضرت کی اجازت ہو تو جنگل میں جا کر عبادت کیا کروں۔ جب حضرت امیر خسرو نے آپ کی اس خواہش کو حضرت محبوبِ الٰہی سے

---

[1] امیر خسرو: شیخ سلیم احمد

بیان کی تو آپ نے فرمایا: اس سے کہو کہ اُسے اللہ کے بندوں کے بیچ میں رہنا چاہیے اور اُن کے تکالیف کو برداشت کرنا چاہیے سلطان المشائخ کے اس فرمان کے بعد حضرت نصیر الدین محمود چراغ دہلوی نے پھر کبھی جنگل میں جاکر عبادت کرنے کی خواہش نہیں ظاہر کی۔[1]

شہزادہ دارالشکوہ نے "سفینۃ الاولیاء" میں لکھا ہے کہ ایک سیاح فقیر برائے طلب حضرت سلطان المشائخ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنا مطلب بیان کیا۔ (اس کی سات بیٹیاں تھیں اور وہ ان کی شادی کرنا چاہتا تھا۔ حضرت محبوبؒ الٰہی سے مالی امداد چاہتا تھا۔) اتفاق سے اس وقت خانقاہِ عالی میں کچھ موجود نہ تھا۔ آپ نے فرمایا: ٹھہر جا۔ جو فتوح آجائے گی وہ تجھے دوں گا۔ اس دن کچھ نہ آیا۔ پھر آپ نے فرمایا: کہ کل جو فتوح ہوگا وہ تیرا ہے۔ اتفاق سے دوسرے دن بھی کچھ نہ آیا۔ اور اس طرح جب چار پانچ دن گزر گئے اس وقت مجبور ہو کر آپ نے اپنے کفشِ مبارک اس فقیر کو عطا فرمائے (فقیر بڑی امید میں لے کر آیا تھا۔ نعلین لے کر وہ کچھ خوش نہ ہوا۔) پھر بھی اس نے نہایت اعتقاد سے حضرت کے اس عطیہ کو منظور کر لیا اور دہلی سے روانہ ہوا۔ امیر خسرو جس زمانہ میں شاہزادہ محمد سلطان شہید کی مصاحبت میں ملتان میں رہتے تھے ہر سال اس کے ہمراہ ایک بار دہلی آیا کرتے تھے۔ اس زمانہ میں دہلی آرہے تھے۔ اتفاقیہ اس فقیر سے راستے میں ملاقات ہوگئی۔ آپ نے اس سے دریافت کیا: کہاں سے آرہے ہو؟ اس نے کہا: دہلی سے۔ آپ نے فرمایا: حضرت سلطان المشائخ کا کچھ حال معلوم ہے؟ اس نے کہا: خیریت سے ہیں۔ اس کے بعد انہوں نے دریافت کیا۔ کہ حضرت کی کچھ نشانی تمہارے پاس ہے؟ (تمہارے پاس سے مجھے اپنے پیرومرشد کی خوشبو آرہی ہے۔) اس نے کفشِ مبارک دکھائے اور کل حال بیان کیا۔ امیر خسرو نے کہا: ان کو فروخت کرو گے؟ اس نے اقرار کیا۔ اس وقت پانچ لاکھ تنکہ (روپیہ) اُن کے پاس تھے جو ایک قصیدہ کے صلے میں ملے تھے۔ وہ کل اس فقیر کو دے دیے۔ اور کفشِ مبارک اس سے لے لیے۔ (وہ نعلینِ مبارک آپ نے اپنے عمامہ میں لپیٹ کر اپنے سر سے باندھ لیں۔) جب دہلی پہنچے ان کو سر پر رکھے ہوئے حضرت سلطان المشائخ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت محبوب الٰہی نے یہ حال دیکھ کر فرمایا: کہ اے خسرو ارزاں خریدی۔

ایک مرتبہ سلطان علاؤالدین خلجی نے چاہا کہ حضرت شیخ شرف الدین بوعلی شاہ قلندر کی خدمت میں جو اولیاء نامدار اور مشائخ صاحبِ اسرارِ چشت اہل بہشت سے حضرت سلطان المشائخ رحمۃ اللہ علیہ کے ہمعصر اور ایسے مست الست تھے کہ بڑے بڑے صاحبِ کمال درویشوں کی ہمت بھی ان کے سامنے جانے کی نہ پڑتی تھی۔ کچھ نذر ارسال کرے۔ امراء سے مشورہ کیا کون لے جاوے۔ کسی کی ہمت نہ بڑھی کہ قلندر صاحب کی خدمت میں حاضر ہو کر کلام کرے۔ بعد از بحث و مباحثہ سب نے رائے قائم کی کہ امیر خسرو کو روانہ کیا جاوے۔ بادشاہ نے ایک امیر کو حضرت سلطان المشائخ کی خدمت میں روانہ کیا اور اجازت چاہی پہلے تو آپ نے

---

[1] دربارِ چشت کے گیارہ ولی۔

تامل فرمایا۔ پھر کچھ سوچ کر اجازت دے دی اور چلتے وقت امیر خسروؔ کو نصیحت کردی کہ جو کچھ قلندر بسماشوق اللہ فرمادیں اس کو تسلیم کرنا اور کسی بات پر معترض نہ ہونا۔ امیر خسروؔ نذر سلطانی لے کر دہلی سے پانی پت روانہ ہوے اور تیسرے دن وہاں پہنچ کر اپنے آنے کی اطلاع قلندر صاحب کو کرائی۔ انھوں نے فرمایا کہ آنے دو۔ حضرت قلندر صاحب آپ کا کلام سن کر بہت خوش ہوے اور فرمایا کہ خسروؔ خوب کہتا ہے۔ خوش رہے گا، خوش جاؤگے پھر اپنا کلام آپ کو سنایا قلندر صاحب کا کلام سُن کر امیر خسروؔ پر رقّت پیدا ہوی۔ قلندرؒ صاحب نے فرمایا: کچھ سمجھا بھی یا ویسے ہی روتا ہے۔ انھوں نے کہا کہ مجھ کو اس قدر رونا آیا کہ میں کچھ نہیں سمجھا۔ یہ جواب سُن کر قلندر صاحب بہت خوش ہوے اور بادشاہ کی نذر قبول کی۔ اور کہا کہ اگر مولانا نظام الدین (سلطان المشائخ) کا قدم درمیان میں نہ ہوتا تو میں ہرگز قبول نہ کرتا اس کے بعد خدّام کو حکم دیا کہ خسروؔ کو خانقاہ میں اعزاز واکرام سے رکھو۔ تین دن امیر خسروؔ نے قیام فرمایا۔ اور پھر اجازت چاہی۔ قلندر صاحب نے اجازت دی اور چلتے وقت دو خط ایک بنام حضرت سلطان المشائخ اور دوسرا بنام سلطان علاؤالدین خلجی تحریر فرماکر دیا۔

اسی قسم کی ہزاروں حکایات اور کلمات امیر خسروؔ کے مشہور ہیں جنہیں بخوفِ طوالت نظرانداز کیا جاتا ہے۔

حضرت امیر خسروؔ کو اپنے مرشدِ کامل حضرت نظام الدین اولیاء محبوب الٰہیؒ سے جو عشق تھا اس کی انتہا نہیں تھی۔ آپ نے اپنی تصنیف وتالیف میں حضرت محبوب الٰہی کی مدح اور شان میں بہت کچھ کہا ہے۔ ان کے کلام میں ہر جگہ حضرت سلطان المشائخ سے محبت اور عقیدت ملتی ہے۔ ایسی محبت اور عقیدت کہ جس کی مثال پیش کرنے سے تاریخ قاصر ہے۔ اسی لیے ایک جگہ حضرت مولانا شبلی نعمانی نے لکھا ہے کہ ”امیر خسروؔ نے تصوف میں جو مدارج حاصل کئے اُن کو نہ ہم جان سکتے ہیں اور نہ ہی بیان کرسکتے ہیں“۔

سلسلۂ چشتیہ میں محفل سماع کو بڑی اہمیت دی گئی ہے۔ آج بھی چشتیہ سلسلہ کے بزرگوں کی درگاہوں میں جب بھی محفلِ سماع منعقد ہوتی ہے چاہے وہ اجمیر شریف ہو یا گلبرگہ، دہلی ہو کہ حیدرآباد ہر جگہ حضرت امیر خسروؔ کا وہ منقبتی کلام جو کہ آپ نے حضرت محبوبِ الٰہی کی مدح وعشق میں لکھا ہے گائے بغیر قوال محفلِ سماع نہیں کرتے۔ یا یوں کہیے کہ اس کے بغیر محفلِ سماع نہیں ہوتی۔

حضرت امیر خسروؔ کا کوئی بھی سوانح نگار امیر خسروؔ اور شیخ نظام الدین اولیاء کے اثر کو نظرانداز نہ کرسکا۔ جنھوں نے بھی حضرت امیر خسروؔ کی سوانح حیات اور تاریخ لکھی سبھی نے حضرت امیر خسروؔ اور حضرت خواجہ نظام الدینؒ اولیاء محبوب الٰہی کے واقعات کو بڑی اہمیت دی ہے۔ حضرت محبوبِ الٰہیؒ کے اس قول کو تقریباً ہر مؤرخ نے بڑی عقیدت سے اپنی اپنی کتابوں میں پیش کیا ہے کہ ”اگر شریعت میں ایک قبر میں دو آدمیوں کو دفن کرنے کی اجازت ہوتی تو میں چاہتا کہ خسروؔ کو میرے ساتھ دفن کیا جائے“۔

۱ خواجہ صاحب نے وصیت کی تھی کہ خسروؔ کو میری قبر کے پہلو میں دفن کرنا۔ یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ اگر ایک قبر میں دو لاشوں کو دفن کرنا جائز ہوتا تو میں اپنی قبر میں ان کو بھی دفن کراتا۔

(حیاتِ خسروؔ: علامہ شبلی نعمانی)

۲ حضرت سلطان المشائخ نے ارشاد فرمایا: امیر خسروؔ میرے بعد زندہ نہ رہے گا۔ جب رحلت کرے میرے پہلو میں دفن کرنا۔ کیوں کہ وہ میرا صاحبِ اسرار ہے۔ اور میں بغیر اس کے بہشت میں قدم نہ رکھوں گا۔ اور اگر دو شخصوں کا ایک قبر میں دفن کرنا شریعت میں جائز ہوتا، میں وصیت کرتا تاکہ اُسے میری قبر میں دفن کریں تاکہ ہم دونوں قبر میں بھی یکجا رہیں۔ ("تاریخ فرشتہ" اور "امیر خسروؔ": شیخ سلیم احمد)

آخری برسوں میں امیر خسروؔ اور سلطان جیؒ کے درمیان تمام حجاب اٹھ گئے تھے۔[۱]

امیر خسرو ۷۲۴ھ مطابق 1323ء میں سلطان غیاث الدین تغلق کے ہمراہ لکھنوتی تشریف لے گئے تھے۔ ہنوز وہاں سے واپس نہ آنے پائے کہ ۱۷ یا ۱۸ ربیع الثانی ۷۲۵ھ مطابق 1324ء کو حضرت سلطان المشائخ نے وصال فرمایا۔ جب لکھنوتی میں ان کو اس حادثۂ جانکاہ کا حال معلوم ہوا تو نہایت بے تاب ہو کر وہاں سے روانہ ہوئے اور بہ تعجیل تمام روتے پیٹتے دہلی پہنچے اور سر کے تمام بال کٹوا کر منہ سیاہ کر کے مزار اقدس حضرت سلطان المشائخ پر حاضری ہوئے اور دروازۂ خانقاہ پر پہنچ کر اول یہ شعر پڑھا:

ایں مکانیست کہ منزل گہِ جاناں بودہ است	راہ آمد شد ایں سروِ خراماں بودہ است
یہ مقام میرے محبوب کا ٹھکانہ رہا ہے	یہی ان کے آنے جانے کا راستہ رہا ہے

اس کے بعد اندر جا کر نہایت رقت سے فرمایا: سبحان اللہ! آفتاب زیرِ زمیں نہاں ہوا اور خسروؔ زندہ ہے۔ اس کے بعد کششِ عشق اور جذبۂ محبت کے جوش و خروش میں اپنا سر مزار مبارک پر دے مارا اور ہندی میں یہ شعر پڑھ کر بے ہوش ہو گئے:

گوری سووے سیج پر مکھ پر ڈارے کیس	چل خسروؔ گھر آپنے سانجھ بھئی چوہنڈ دیس

جب ہوش آیا کہا:

جب ہوش آیا کہا کہ: "اے مسلمانان کدام کس باشم کہ برائے ایں چنیں بادشاہے بگریم فاما برائے خود گریم کہ بعد از سلطان المشائخ مرا چنداں بقائے نخواہد بود؟" اے مسلمانو! میں کون ہوتا ہوں کہ ایسے بادشاہ (کی جدائی) کے لیے روؤں۔ لیکن اپنے آپ پر روتا ہوں کہ سلطان المشائخ کے بعد اتنے عرصہ تک زندہ رہنا پڑا۔

---

[۱] خسروؔ کا ذہنی سفر: ظ۔ انصاری

اس کے بعد اپنا کُل مال واسباب، نقد وجنس فقرا اور مساکین میں تقسیم کیا اور اس کا ثواب حضرت سلطان المشائخ کی روح مبارک کو پہنچایا اور کُل امورات دُنیوی سے دست کش ہو کر سیاہ کپڑے پہنے اور مزار شریف پر آبیٹھے [1] اور غم مفارقت پیر بزرگوار میں شب روز مثل ماہی بے آب تڑپتے رہے اسی غم میں چھ مہینے بعد بدھ کے دن ۱۸ ر شوال ۷۲۵ھ مطابق 1324ء انھوں نے بھی اس دار ناپائیدار سے انتقال فرمایا اور پائین اپنے مرشد کامل کے یاران چبوترہ پر مدفون ہوئے۔

حضرت امیر خسرو فرماتے تھے کہ حضرت سلطان المشائخ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ تیری زندگی میری بقا پر موقوف ہے۔ میں نے عرض کیا: "امیدوار ہوں کہ حضور کے قدموں میں مروں"

شیخ نورالدین ابوالفتح ملتانی نے جب آپ کے جنازے پر ہاتھ رکھ کر دعا کرنا چاہا آپ اٹھ بیٹھے اور یہ شعر پڑھا

ما بعشق پیر خود چندانکہ مستغرق شدیم ــــ نیست ما را حاجت آمرزش آمرزگار

ہم اپنے پیر کے عشق میں اتنے مستغرق (ڈوبے ہوئے) ہیں کہ اب ہم کو بخشنے والے کی بخشائش کی ضرورت نہیں ہے۔

منقول ہے کہ امیر خسرو جس وقت لکھنوتی سے دہلی واپس آکر مزار مبارک پر حاضر ہوئے۔ جوش وخروش اور حالت بیتابی میں چاہا کہ مزار پاک سے جا لپٹیں۔ ایک بزرگ جو اس وقت وہاں تشریف رکھتے تھے انہوں نے ان کو پکڑ لیا۔ کسی شخص نے بزرگ سے بعد ازاں دریافت کیا کہ آپ نے ایسے عاشق کو مزار پر جانے سے کیوں روکا؟ انھوں نے جواب دیا کہ اس وقت امیر خسرو سے زیادہ حضرت سلطان المشائخ رحمۃ اللہ علیہ کو بے تابی تھی۔ مجھے خوف تھا کہ کہیں مزار سے باہر نہ نکل آویں۔

جب امیر خسرو نے انتقال فرمایا اور لوگوں نے چاہا کہ وصیت کے مطابق اُن کو حضرت سلطان المشائخ کے پہلو میں دفن کریں۔ اس وقت ایک خواجہ سرا کہ منصب وزارت رکھتا تھا مانع ہوا اور کہا کہ حضرت کے مریدوں کو حضرت اور امیر خسرو کے مزار میں شبہ واقع ہوگا۔ مجبور ہو کر اُن کو شیخ کے پائین یاران چبوترے پر دفن کیا گیا [2]

آج جب کہ زائرین حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ کی درگاہ شریف کی زیارت کے لیے جاتے ہیں تو پہلے انھیں حضرت امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ کے مزار مبارک کی زیارت کرتے ہوئے حضرت شیخ المشائخ کی درگاہ شریف جانا ہی ہوتا ہے۔ راستہ ہی کچھ ایسا بنا ہوا ہے۔

حضرت امیر خسرو کی وفات کے ایک سو بہتر برس بعد یعنی ۸۹۷ھ م 1291ء میں مہدی خواجہ نے جو

---

[1] سفینۃ الاولیاء : مونس الارواح ، تذکرۃ الواصلین : جواہر فریدی : فرشتہ۔ [2] تاریخ فرشتہ

شہنشاہِ بابر کے امرائے عظیم الشان سے تھا۔ مزار کے گرد سنگِ سرخ جالی دار مجحر تعمیر کرا کر لوحِ مزار نصب کرائی جس پر حضرت امیر خسرو کا یہ شعر بھی لکھا ہوا ہے۔ ۵

گوری سووے سیج پر مکھ پر ڈالے کیس
چل خسرو گھر آپنے سانجھ بھئی چوندیس

اس کے بعد شہنشاہ جہانگیر کے عہد میں امیر خسرو کے انتقال کے دو سو نوّے ۲۹۰ برس بعد محمد عماد حسن ابن سلطان علی سبزواری الملقب بہ ظاہر بیگ نے جو امرائے عہد جہانگیری سے تھا۔ ۱۰۱۲ھ م 1605ء میں سنگِ مرمر سے مقبرہ تعمیر کروایا۔

۷ رشوال کو امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ کا نہایت دھوم دھام سے عرس شریف منایا جاتا ہے۔ جس میں ہزاروں عقیدت مندانِ خسرو شامل ہو کر فیض پاتے ہیں۔ ۵

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

•••

بقیہ ص 210 سے آگے "بنی اسرائیل کی گائے" کا بقیہ

تین دینار میں بکنے والی گائے صرف اس کی کھال کے برابر سونے پر بک جاتی ہے۔

۳۔ والدین کی فرماں برداری اللہ تعالےٰ کو پسند ہے۔

۴۔ جس طرح مردہ زندہ ہوا اور اپنے قاتل کو بتایا اسی طرح ہم کو سمجھنا ہوگا کہ بے شک اللہ تعالےٰ مردہ زندہ کرنے پر قادر ہے اور قیامت میں مردوں کو زندہ کرنا اور حساب لینا حق ہے۔

تفسیرِ صوفیانہ:

اس واقعہ کی تفسیر صوفیاء نے اس طرح کی ہے

۱۔ جو شخص اپنے دل کی زندگی چاہتا ہے اس کو چاہیے کہ اپنے نفس کی گائے کو ذبح کر ڈالے

جو شخص اپنے نفس کو ریاضت سے مارے گا تو اللہ تعالےٰ اس کے قلب کو انوار و مشاہدات سے زندہ فرمادے گا جس طرح مقتول نے مردہ گائے سے زندہ ہو کر اپنے قاتل کا پتہ دیا اسی طرح اپنے نفس کو صدق کی چھری سے ذبح کرے اور مذبوح نفس کی زبان اس کے قلب پر لگائے جو اللہ کے ذکر میں مقتول ہو چکا ہے تو اللہ تعالےٰ اس کے قلب کو اپنے نور سے زندہ فرمائیگا

اللہ تعالےٰ ہمیں قرآن عظیم کو سمجھنے اور اس پر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین!•••

جام اور جامن 

ڈاکٹر محمد نعمان پاشاہ قریشی بی۔یو۔یم۔ایس، ۔ادیب فاضل (مدراس یونیورسٹی) ویلور

ہمارے ملک ہندوستان کے پھلوں اور میوؤں میں جام ایک مشہور پھل ہے۔اس کا دوسرا نام امرود ہے۔اسے انگریزی میں GUAVA کہتے ہیں۔اس کی پیداوار کثرت سے ہوتی ہے۔ اور یہ ملک کے سبھی علاقوں میں پایا جاتا ہے اور ہر موسم میں ملتا ہے اور اسے عام طور پر سارے لوگ کھاتے ہیں۔ پکا ہوا پھل اوپر سے زرد ہوتا ہے اور اندر سے سفید یا سرخ ہوتا ہے۔اگر پکا ہوا نہ ہو تو اوپر سے ہرا ہوتا ہے۔پکنے کے بعد بھی اس کا ہرا رنگ برقرار رہتا ہے۔ دوسرے پھلوں کی طرح اس کے رنگ میں تغیر نہیں ہوتا۔اس کا مزہ شیریں یا کھٹ مٹھا ہوتا ہے۔ اور یہ کھانے میں بہت لذیذ ہوتا ہے اور یہ سب کا پسندیدہ پھل ہے۔

جام سے متعلق "جامع اردو انسائیکلو پیڈیا" نے یہ تشریح کی ہے۔امرود مرٹیسی خاندان (MYRTACAE FAMILY) کا پودا ہے اس کا سائنسی نام سیڈیم گواجوا ہے (PSIDIUM GUAJAVA). اس کا آبائی وطن امریکا کا گرم علاقہ ہے۔ تقریباً 1700 سے ہندوستان میں اس کے باغات شروع ہو گئے تھے اب ہندوستان کے تمام گرم علاقوں میں اس کے باغات ہیں۔ مگر سب سے عمدہ قسم الٰہ آباد میں ہوتا ہے۔جاڑوں میں ہونے والا یہ بہت ہی مرغوب پھل ہے۔ اب راجستھان میں بھی اس کے باغات لگائے جانے لگے ہیں۔یہاں کے پھل بہت میٹھے ہوتے ہیں۔یہ بیج کے ذریعہ لگایا جاتا ہے مگر اب صرف قلم کا رواج ہی ہے۔ زیادہ تر بڈنگ BUDDING کے ذریعہ تیار کرتے ہیں۔اس کے علاوہ دام طریقہ (STOOLING) کا رواج بھی عام ہوتا جا رہا ہے۔اس طریقہ میں اس کی شاخ کو زمین میں دبا دیتے ہیں۔اس میں جڑ نکلنے کے بعد اس کو الگ جگہ پہ لگا دیا جاتا ہے اور جڑ سے نکلی ہوی دوسری شاخوں کو کاٹ دیا جاتا ہے امرود کے پکنے پر جب کہ وہ ابھی سخت ہی ہوتا ہے اس کو توڑ لیا جاتا ہے اور دور دراز کے علاقوں میں بھیج دیا جاتا ہے مگر جو فوری استعمال کے لیے ہوتے ہیں وہ خوب پکنے کے بعد توڑے جاتے ہیں۔عام طور سے اس کا استعمال چاٹ بنانے کے لیے ہوتا ہے۔اس کی جیلی بھی بنائی جاتی ہے۔جیلی کے علاوہ شربت بھی بنایا جاتا ہے۔جیلی کے لیے لکھنؤ اور شربت کے لیے الٰہ آباد سفید اقسم اچھی ہوتی ہے۔

کہنے کو جام ایک پھل ہے لیکن اس میں غذائیت اور دوائیت دونوں ہیں۔اس کا مزاج گرم و تر ہے۔اور یہ دل و دماغ

کو فرحت بخشتا ہے اور دونوں کو تقویت پہنچاتا ہے۔ اور جس شخص کو اختلاج قلب کی (PALPITATION) شکایت ہو اُسے جام استعمال کرنا چاہیے۔ اس کے کھانے سے دل کی گھبراہٹ ختم ہوجاتی ہے۔ اسے کھانا کھانے سے پہلے کھائیں تو قبض پیدا کرتا ہے۔ کھانا کھانے کے بعد کھائیں تو قبض کو دور کرتا ہے۔ اس کے کھانے سے بھوک لگتی ہے اور یہ معدہ کو طاقت دیتا ہے اور ہضم کی قوت کو بڑھاتا ہے۔ یہ زود ہضم نہیں ہے۔ کم از کم دو تین گھنٹوں میں معدہ ہضم کرتا ہے۔ اس لیے اسے ایک سے بڑھ کر جام کھانا مناسب نہیں ہے۔

بعض لوگ اس کی بیج نکال کر صرف چھلکا اور مغز یا صرف مغز کھاتے ہیں۔ یہ اس کا صحیح استعمال نہیں ہے۔ کیوں کہ جام کی بیج میں یہ صلاحیت ہے کہ وہ پیٹ میں کیڑوں کی پیدائش کو روک دیتی ہے۔ اگر کیڑے ہوں تو خارج کردیتی ہے۔ اس لیے بہتر اور مفید یہی ہے کہ جام کو اس کی بیج کے ساتھ کھانا چاہیے۔ جام کو نہار منہ کھانے سے آنتوں کی صفائی ہوجاتی ہے اور اس سے پیٹ ہلکا ہوجاتا ہے۔ جام کھانے سے جسم کو نہ صرف تقویت اور غذائیت ملتی ہے بلکہ جسم میں مدافعت کی قوت بھی بڑھتی ہے۔ جس سے آدمی بیماریوں کے حملہ سے محفوظ رہتا ہے۔ جام کے ساتھ تھوڑا سا نمک شامل کرلینا چاہیے۔ اس سرد مزاج کے آدمی پر اس کے مضر اثرات نہیں ہوسکتے۔ نمک اور کالی مرچ کی آمیزش کے ساتھ کھانے میں جام کا مزہ دوبالا ہوجاتا ہے اور یہ پھل غذائیت سے بھرپور ہے۔ اس کے کھانے سے ہماری غذا کی کمی سے جو (CALORIES) نہیں ملتے ہیں وہ جام کے ذریعہ حاصل ہوجاتی ہیں۔

بقولِ حکیم شریف خان!

بکسا امرود مقوی معدہ اور قابض کے مریضوں کو مضر ہے۔ دردِ سر پیدا کرتا ہے۔ نزلے کو، اخلاط ساکنہ کو حرکت دیتا ہے۔ نفخ اور قراقر اور ریاح پیدا کرتا ہے۔ اس کی کثرت مضر ہے۔ نمک اور سیاہ مرچ کے ساتھ کھانا چاہیے۔

وید کہتے ہیں:

صفرا اور بلغم لترج کو دور کرتا ہے۔ دل کو خوش رکھتا ہے۔ کچا امرود آگ میں بھبھلا کر کھانے سے کھانسی کو مفید ہے اور یہ ایک گھریلو دوا ہے۔ کچے پھل کے کھلانے سے دست بند ہوجاتے ہیں۔ اس کے پتوں کو جوش کرکے اس سے غرغرہ کرنے سے منہ کا ورم دفع ہوجاتا ہے۔ مسوڑھے اور ہلتے دانت مضبوط ہوجاتے ہیں۔ دانتوں کے درد کو تسکین ہوتی ہے۔ اس کا پکا پھل ملین ہے۔ (علاج بذریعہ غذا: حکیم احتشام الحق قریشی)

حکیم کبیر الدین نے خواص الادویہ میں لکھا ہے: امرود کے کھانے سے تفریح و تقویت قلب حاصل ہوتی ہے اس غذائیت بھی ہے۔ کثرت استعمال سے نفخ و قراقر پیدا ہوتا ہے۔ بعض لوگ امرود کو کھانسی میں مفید بیان کرتے ہیں۔ اس کی چھال اور پتوں کے کیمیاوی تجربہ سے پتہ چلا ہے کہ اس میں ٹےنک ایسڈ کافی مقدار میں پایا جاتا ہے۔

موجودہ زمانہ کی طبی سائینس تحقیقات نے جام سے متعلق بڑے اہم انکشافات کیئے ہیں:

Nutritive Values of Guava

Vitamin A	250 I.U	Vitamin B		Thiamine	0.7 mg
Vitamin C	302 mg	Niacin	1.2 mg	Calcium	30 mg
Phosphorus	29 mg	Carbohydrates	17.1 gm	Protein	1.0 gm
Calories	70	Fat	0.4 mg		

جام کی طرح جامن بھی مشہور و معروف ہندوستانی میوہ ہے۔ آج کل ذیابیطیس کے عنوان سے اس کی بڑی شہرت ہو رہی ہے۔ اطباء اور خواص ہی نہیں بلکہ عوام بھی اپنی اپنی معلومات اور اپنے اپنے تجربات کی روشنی میں جامن سے شکر کی سطح کم ہونے کی بات کر رہے ہیں۔ ذیابیطیس کے لیے جو یونانی دوائیں تیار ہو رہی ہیں، ان میں جامن کا کردار بڑا اہم ہے۔ "جامع اردو انسائیکلوپیڈیا" نے جامن سے متعلق یہ تشریح کی ہے:

JAMUN جامن میرٹیسی خاندان MYRTACEAE FAMILY کا پھل ہے۔ اس کا سائنسی نام سائجیکیم کومینائی ہے۔ (SYZYGIUM CUMINII SKEEL) اس کا آبائی وطن ہندوستان ہے۔ یہ ہندوستان کے ہر ایسے علاقہ میں پایا جاتا ہے، جہاں رطوبیت ہوتی ہے۔ خشک علاقوں میں یہ نایاب ہے۔ یہ بیج کے ذریعہ لگایا جاتا ہے۔ اب اس کی ترقی کی جانب توجہ دی جا رہی ہے۔ لہٰذا اب اس میں قلم کا رواج شروع ہو چکا ہے وینیر قلم، وچسپا قلم PATCH BUDDING and Vaneer Grafting کے ذریعہ قلمی پیدا تیار کی جاتی ہے۔ یہ ساٹھ، ستر سال تک پھل دیتے ہیں۔ جون ماہ سے پھل پکنا شروع ہو جاتا ہے۔ پکے ہوئے پھل کو دو روز سے زیادہ نہیں رکھ سکتے ہیں۔ پھل صرف پیڑ پر ہی پکتے ہیں۔ پھل کو رکھ کر نہیں پکایا جا سکتا۔ تجارتی نقطۂ نظر سے زیادہ ترقی نہیں ہوتی۔ یہ آم کھانے کے بعد استعمال کیا جاتا ہے تاکہ آم کی تیزابیت کو کم کر سکے۔ ویسے بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ اس سے رس۔ شربت، جیم، جیلی اور سرکہ بھی بنایا جاتا ہے۔ (جلد ششم: ص ۱۶۶)

جامن کی پیداوار برسات کے موسم میں ہوتی ہے۔ اس کا مزاج سرد ہے۔ برسات کی وجہ سے موسم بھی سرد ہو جاتا ہے اور اسی سردی کے ماحول میں یہ سرد پھل بھی کثرت سے بازار میں آ جاتا ہے۔ اس سے ایک بات یہ سمجھ میں آتی ہے کہ سرد موسم میں سرد پھل اور گرم موسم میں گرم پھل استعمال کرنا مفید ہے۔ علاج کے باب میں علاج بالمثل کی صورت ہے۔ غذا کے باب میں غذا بالمثل کی سی ہے۔ اطباء نے جامن کے بے شمار فوائد بیان کیے ہیں۔ ان میں سے چند یہ ہیں:

جامن کھانے سے معدہ کا ضعف ختم ہو جاتا ہے۔ اور اسے تقویت حاصل ہوتی ہے۔ ہاضمہ درست رہتا ہے۔ بھوک لگتی ہے۔ قبض دور ہوتا ہے۔ معدے کے کیڑے ختم ہو جاتے ہیں اور ان کی پیدائش و افزائش

رک جاتی ہے۔ جن لوگوں کے دانت کمزور ہوں انھیں جامن ضرور استعمال کرنا چاہیے۔ اس کے کھانے سے دانت مضبوط ہوتے ہیں۔ اس کے درخت کی چھال کو جوش دے کر کلیاں کرنے سے دانت مضبوط رہتے ہیں۔ جدید تحقیقات کی روشنی میں یہ بات سامنے آئی ہے کہ جامن میں وٹامن سی vitamin c کی مقدار کافی پائی جاتی ہے۔

جامن حلق کے امراض میں بھی مفید ہے۔ بلغم خارج کرتا ہے۔ منہ آجائے تو جامن کھالینا چاہیے اس سے یہ کیفیت ختم ہوجاتی ہے۔

جامن کا استعمال فسادِ خون میں بھی بے حد مفید ہے۔ اس کے کھانے سے پھوڑے پھنسیاں کا نکلنا بند ہوجاتا ہے اور خون صاف ہوجاتا ہے۔ اس سے جگر کی بھی اصلاح ہوتی ہے۔

جامن کے پتے بھی فائدہ مند ہیں۔ جن لوگوں کے بغل میں بدبو ہو، اس کو دور کرنے کی ترکیب یہ ہے کہ جامن کے چند پتوں اور اس درخت کی چھال کے چند ٹکڑے پانی میں خوب جوش کر کے اس سے بغل کو دھولیں اور یہ عمل چند دنوں تک جاری رکھیں تو بغل کی تکلیف دہ بدبو ختم ہوجائے گی۔

ذیابیطس کے مریضوں کے لیے جامن اکسیر شفا ہے۔ اس کے استعمال سے شکر کی سطح کم ہونے لگتی ہے۔ اس کی بیجوں کا سفوف بنا کر روزانہ صبح ناشتہ سے پہلے اور رات میں کھانے سے پہلے استعمال کریں تو شکر کی مقدار گھٹنے لگتی ہے۔ جامن قلاع میں بھی مفید ہے۔ اس کے پتوں کو پانی میں جوش دے کر کلیاں کرنے سے زبان اور منہ کے چھالے ختم ہوجاتے ہیں۔

جامن کی کئی قسمیں ہیں اور ہر قسم کی الگ الگ خاصیتیں ہیں:

بڑے جامن اور چھوٹے جامن کے افعال، خواص اور فائدے باہم ملتے جلتے ہیں۔ چھوٹے جامن اپنے افعال میں کسی قدر کمزور ہوتے ہیں لیکن بلغم اور صفرا کو دور کرنے میں قوی ہیں اور یہ گرمی پیدا کرتے ہیں۔

جنگلی جامن منی کی پیدائش اور افزائش میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ اور جسم کی لاغری دور کرتے ہیں اور اس کی توانائی میں اضافہ کرتے ہیں۔

دریائی جامن لذت اور مزہ میں خوب ہیں۔ یہ صفرا میں جوش پیدا کرتے ہیں۔

شیریں جامن دمہ اور کھانسی کو دور کرتا ہے۔

کسیلے جامن دیر ہضم ہوتے ہیں۔

بستانی جامن یہ کسیلے بھی ہوتے ہیں اور شیریں بھی۔ کسیلے جامن قبض پیدا کرتے ہیں۔ میٹھے جامن غذا کو ہضم کرتے ہیں اور ان سے بھوک لگتی ہے۔

کچے جامن کے رس کا سرکہ پیٹ کے ریاحی درد اور بادی درد کو دفع کرتے ہیں۔ جامن کو نمک اور کالی مرچ کے ساتھ

کھانے میں لذت بھی ہے اور اس مضر اثرات کا ازالہ بھی ہے۔

جامن کے مزاج اور فوائد سے متعلق حکیم احتشام الحق قریشی فرماتے ہیں:

جامن کا مزاج دوسرے درجہ میں سرد اور پہلے درجہ میں تر ہے ۔ ویدوں نے مطلقاً اس کا مزاج سرد خشک لکھا ہے۔ اس کی گٹھلی دوسرے درجہ میں سرد وخشک ہے۔ جامن میں رطوبت فضلیہ ہے ورنہ اصلی مزاج جامن کا خشک ہے گرم مزاج میں محرک باہ ہے۔ اس کا لیپ داء الثعالب کو نافع ہے۔ خفقان کو دفع کرتی ہے۔ معدہ اور جگر گرم کو اس کے کھانے سے طاقت ملتی ہے۔ معدہ کا التہاب موقوف ہو جاتا ہے۔ اعضاء میں جلن ہو تو اس کے کھانے سے جاتی رہتی ہے۔ اس کا پھول سونگھنا نکسیر کو مفید ہے ۔ (علاج بذریعہ غذا: ص:۲۱۲)

غرض اطباء اور ماہرین غذا نے جام اور جامن کے فائدے اور نقصانات پر کافی روشنی ڈالی ہے۔ دنیا کی ساری غذاؤں اور پھلوں اور میووں میں مفید اور مضر اثرات پائے جاتے ہیں۔ عقل اور حکمت کا تقاضہ یہی ہے کہ ہر چیز کو مناسب مقدار کے ساتھ استعمال کریں اور اس کے مضر اثرات سے تحفظ کی جو صورتیں، ترکیبیں اور چیزیں ہیں انہیں بھی پیش نظر رکھنا چاہیے اور پھلوں کے استعمال میں آدمی کو اپنی طبیعت اور مزاج کا بھی پورا پورا خیال اور لحاظ رکھنا چاہیے۔ بسا اوقات آدمی کے مزاج کے مقابلہ میں پھل کا مزاج اپنا رنگ ظاہر نہیں کر سکتا۔ جس کے باعث آدمی کو فائدے کی بجائے نقصان ہو سکتا ہے ۔ ایک پھل اپنی ذات سے کتنا ہی مفید کیوں نہ ہو یہ ضروری نہیں کہ وہ سب کے لیے مفید ہو۔ ایک پھل ایک آدمی کے لیے مفید ہو سکتا ہے تو وہی پھل دوسرے آدمی کے لیے مضر ہو سکتا ہے۔ لہٰذا ہر آدمی کو کسی بھی پھل کے استعمال میں اپنے مزاج اور موسم اور وقت کا خاص خیال رکھنا چاہیے۔

۱۔ قراقر پیٹ کی گڑگڑاہٹ۔ انتڑیوں کی مشہور آواز جو ریح وغیرہ سے پیدا ہوتی ہے۔

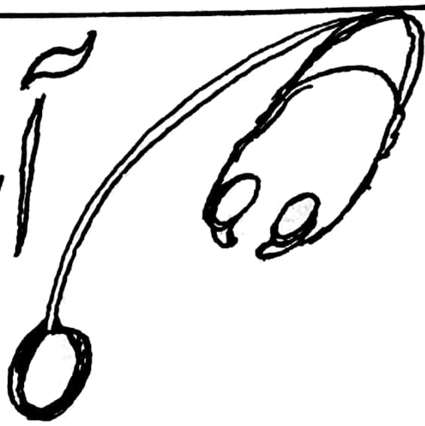
۲۔ بکسا کسیلا، کڑوا، تلخ۔

۳۔ وید ہندی طریقے پر علاج کرنے والا طبیب۔

۴۔ داء الثعلب لغوی معنی لومڑی کی بیماری ۔ اصطلاح طب: میں بالخورہ، بالچھر یہ ایک بیماری ہے جس میں بالعموم سر، ابرو اور داڑھی اور کبھی تمام بدن کے بال گرنے لگتے ہیں۔ اور چونکہ یہ بیماری اکثر لومڑی کو لاحق ہوتی ہے اس لیے اس مرض کو اس نام سے موسوم کیا۔ ALOPECIA

۵۔ لزج لعاب دار، لیس دار، چیپ دار

۶۔ رطوبت یہ ایک خارجی اور زائد رطوبت ہے جو کہ عناصر بدنیہ سے بخوبی ممتزج نہیں ہوتی۔ یہ رطوبت پانی سے حاصل ہوتی ہے۔ طبعی نہیں ہوتی۔ مثلاً گیہوں یا چنے کے دانہ میں جو رطوبت ہے وہ بھی رطوبت فضلیہ ہے۔ جو کہ اس دانہ نے بطور غذا جذب کرلی ہے لیکن ابھی تک اس نے نضج تام نہیں پایا۔



آپ کی صحت
ایک طبی جائزہ

ڈاکٹر جلیس احمد صدیقی ۔ بی یو ایم ایس ۔ ویلور

ہمارے ملک میں صحت کی طرف سے لاپرواہی عام ہے اور تعلیم یافتہ لوگوں میں اس کی طرف سے بے توجہی اور بھی زیادہ ہے ۔ جوانی کا دور بہت جلد ختم ہوجاتا ہے ۔ بوڑھاپا آتا ہے تو اس کے ساتھ ساتھ جسم پر امراض کا حملہ شروع ہوتا ہے ۔ عام طور پر لوگ طبیبوں، ڈاکٹروں کے محتاج اور دواؤں کے عادی ہوجاتے ہیں ۔ تعلیم یافتہ لوگوں کا کوئی گھرانا شاید ہی ایسا ہو جہاں چالیس سال سے اوپر لوگ صحت درست رکھنے کے لیے دواؤں کے محتاج نہ ہوں الحمدللہ! زندگی کی دوڑ میں تندرست آدمی زیادہ کامیابی حاصل کرتا ہے ۔ والدین کا فرض ہے کہ بچوں کی صحت کا پورا پورا خیال رکھیں اور جدید معلومات کے تحت بچوں کی غذا، پاک وصاف پانی، پاک ہوا، ورزش کا خیال رکھیں ۔ جوانی کے دور کو زیادہ طویل اور بوڑھاپے کو پُرمسرت اور کامیاب بنانے کی کوشش کریں ۔

آپ کی صحت کا انحصار تین چیزوں پر ہے :

۱۔ غذا ۔ ۲۔ ورزش ۔ ۳۔ احتیاط

غذا : DIET اکثر جو کچھ کھایا جاتا ہے، اس میں صحت بخش اجزاء کا تناسب ٹھیک نہیں ہوتا ۔ گھروں میں کھانا پکانے کا طریقہ ناقص اور اصلاح طلب ہے ۔ کھانا پکانے کے طریقہ میں وٹامن اور نمک وغیرہ جل جاتے ہیں ۔ ہلکی اُبلی ہوی ترکاریاں اور سبزیاں اور پھل روزانہ استعمال کرنا چاہیے ۔ آلو، ہراگھیا، شلجم، چقندر، گاجر، مولی، بنا چھلکا اتارے ابال کر استعمال کرنا چاہیئے ۔ ابالنے کا طریقہ یہ ہے ترکاری کے قطلے (ٹکڑے) دیگچی میں ڈال کر ہلکی آگ پر رکھیں ۔ چند منٹ میں وہ اپنی ماہیت سے گل جائیں گی ۔ جو ترکاریاں دیر میں گلنے والی ہوں ان کو اتنے پانی میں ابالیں کہ پانی ترکاری ہی میں جذب ہوجائے اور پھینکنا نہ پڑے یا چند منٹ بھوبھل میں دبا کر قابلِ نوش کریجیے ۔ جو ترکاریاں کچی کھائی جائیں ان کا کچا کھانا ہی مفید ہے ۔ سیاہ مرچ نمک لیموں کا رس ان پر چھڑکئے اس سے غذائیت بھی بڑھے گی اور ذائقہ بھی عمدہ ہوگا ۔ ٹماٹر بھی عمدہ ہے ۔ لیکن اس کا کم استعمال

کیا جائے۔ خاص کر وہ جو جوڑوں کے درد میں مبتلا رہتے ہوں۔ مچھلی، انڈا بھی ہماری غذا کا ضروری جز ہونا چاہیے۔ انڈا نیم برشت مفید ہوتا ہے۔

سردیوں میں ہرا آملہ ملتا ہے۔ اس کو خوب استعمال کریں۔ پھلوں کا استعمال کیجیے۔ سردیوں میں صبح کا ناشتہ میں چند کھجوریں ضرور کھائیں۔ چائے کا استعمال کم سے کم کرنا چاہیے۔ چائے سے قوت ہضم کمزور ہو جاتی ہے اگر نہ استعمال کریں تو بہتر ہے۔ شہد تندرستی کے لیے عمدہ نعمت ہے۔ دودھ میں شکر کی جگہ شہد استعمال کریں۔

دہی کا استعمال ضرور کرنا چاہیئے۔ گرمی میں لسّی ضرور پیا کریں۔ اور سیاہ مرچ ڈال کر استعمال کریں۔ بناسپتی گھی صحت کے لیے اچھی چیز نہیں۔ مکھن کا استعمال نوجوانوں اور بچّوں کے لیے بیحد مفید ہے۔ خوب بھوک ہونے پر ہی کھانا کھائیں۔ رات کا کھانا کھانے کے بعد ضرور ٹہلیں۔ کھانا کھانے کے بعد کم از کم ½ گھنٹہ کوئی دماغی کام نہ کریں ورنہ سوءِ ہضم کا اندیشہ ہو جاتا ہے۔

ورزش EXERCISE

صحت کے لیے ورزش بہت اہم ہے۔ دواؤں کے سہارے وقت گزارنا زندگی کو مصیبت بنا دیتا ہے۔ اس لیے روزانہ تھوڑی دیر ورزش یا چہل قدمی کے لیے وقت نکالیں۔ ورزش کے بارے میں چند ضروری باتیں یاد رکھیے:

۱۔ ورزش اتنی نہ کیجیے کہ جس سے تکان ہو جائے اور آپ آرام کرنے کی ضرورت محسوس کریں۔

2۔ سانس روک کر ورزش نہ کیجیے۔

3۔ بھوک کی حالت میں یا کھانے کے فوراً بعد ہرگز ورزش نہ کریں۔

4۔ ورزش کے فوراً بعد نہ کھانا کھائے اور نہ سرد پانی پیئیں۔

بچّوں کو اسکول کے کھیل کود میں ضرور حصّہ لینا چاہیئے۔ چودہ سال کی عمر تک ان کے لیے ورزش کافی ہے نوجوانوں کو جو کالج میں مختلف کھیل کود سے دور ہیں، ان کو اس کی طرف توجہ کرنا ضروری ہے۔ لیکن جسم کی صلاحیت سے زیادہ ورزش کرنے پر آرام کو برابر دل چاہے گا اور کام میں دل نہ لگے گا۔ جسم کی مالش بہت اچھی ورزش ہے۔ پچاس سال کے بعد صبح اٹھ کر ٹہلنا بہترین ورزش ہے۔ غسل آپ کی صحت کے لیے بہت ضروری ہے۔ گرمی اور سردی میں تازہ پانی سے ورزش کے تھوڑی دیر بعد غسل کرنا چاہیے۔ اگر تازہ پانی نہ ملے تو سردی کے موسم میں تھوڑا گرم پانی شامل کرلیں تاکہ ٹھنڈک ختم ہو جائے۔ کبھی کبھی گرم پانی سے بھی غسل کریں اس سے جلد کے مسامات کھلتے ہیں جو صحت کے لیے ضروری ہے۔ نہانے میں صابن کا استعمال مفید ہے۔

احتیاط PRECAUTIONS

بقائے صحت کے لیے چند قابلِ غور باتیں درج ذیل ہیں:۔

منہ کی صفائی۔ دانتوں کی صفائی، ناک اور حلق کی صفائی کا خاص خیال رکھیں۔

آنکھوں کی صفائی: بینائی کی حفاظت کے لیے آنکھ کی ورزش ضروری ہے۔ صبح سویرے (بقیہ ص 170 پر ملاحظہ ہو)

بنی اسرائیل کی گائے

ٹی۔ بی۔ شیخ محبوب: رائے درگ

یہ سورت مدنی ہے۔ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ نے فرمایا: مدینۂ طیبہ میں سب سے پہلے یہی سورت نازل ہوئی۔ یہ قرآن عظیم کی دوسری اور سب سے بڑی سورت ہے۔ اس میں 286 آیتیں اور ۴۰ رکوع ہیں۔ اس سورت کی فضیلت میں کئی احادیث وارد ہوئے ہیں۔ مسلم شریف کی حدیث میں ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: شیطان اس گھر سے بھاگتا ہے، جس گھر میں یہ سورت پڑھی جاتی ہے۔"

بیہقی شریف کی حدیث میں ہے۔ کہ "جو شخص سوتے وقت سورۂ بقرہ کی دس آیتیں پڑھے گا، قرآن شریف کو نہ بھولے گا۔" وہ آیتیں ہیں: اول کی چار آیتیں، آیت الکرسی اور اس کے بعد کی دو آیتیں اور آخری تین آیتیں (الٓمّٓ سے مفلحون تک (۴)۔ اللہ لا الہ سے فیہا خالدون تک (3) لِلّٰہِ ما فی السمٰوٰت سے علی القوم الکافرین تک (3))

طبرانی و بیہقی کی حدیث میں ہے: حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہٗ سے مروی ہے کہ

"میت کو دفن کر کے قبر کے سرہانے سورۂ بقرہ کی اوّل کی آیتیں اور پاؤں کی طرف آخر کی آیتیں پڑھو"

بخاری کی حدیث میں ہے کہ "حضرت سعید بن حضیر رضی اللہ تعالےٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں ایک رات نماز میں سورۂ بقرہ پڑھ رہا تھا۔ میرا گھوڑا جو قریب بندھا تھا، کودنے لگا۔ میں چپ ہو گیا تو گھوڑا بھی ٹھہر گیا۔ میں نے پھر پڑھنا شروع کیا تو گھوڑا بھی کودنے لگا۔ چونکہ میرا بیٹا یحییٰ گھوڑے کے قریب تھا۔ میں نے اس خوف سے کہ یحییٰ کو نقصان نہ پہنچے سلام پھیر کر اسے اٹھا لیا۔ اتفاقاً میری نظر آسمان کی طرف اٹھ گئی تو ایک سایہ اپنے سر پر پایا۔ یہ باتیں صبح کو حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے عرض کیں۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے حضیر! پڑھو اور خوب پڑھو پھر میں نے عرض کی کہ میں آسمان پر ایک ابر دیکھا، جس میں چراغوں کی طرح روشنی تھی۔ جب میں باہر آیا تو وہ ابر غائب ہو گیا۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم جانتے ہو وہ روشنی کیا تھی۔ وہ فرشتے تھے جو تمہارا قرآن سننے آئے تھے۔ اگر تم صبح تک پڑھتے رہتے تو وہ بھی صبح تک سنتے رہتے۔ یہاں تک کہ لوگ انہیں دیکھ لیتے۔

اس سورت کے آٹھویں رکوع میں ایک گائے کا واقعہ کا ذکر ہے ۔ بنی اسرائیل میں عامیل نامی ایک مالدار شخص تھا۔ اس کی کوئی اولاد نہ تھی۔ اس کا ایک چچازاد بھائی مال کی ہوس میں چچا کو مار کر لاش کو دو گاؤں کی سرحد پر پھینک دیا اور خود صبح کو اس کے خون کا مدعی بنا۔ وہاں کے لوگوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے درخواست کی کہ آپ دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ حقیقت حال ظاہر فرمائے ۔ حکم ہوا: وَاِذْ قَالَ مُوْسٰی لِقَوْمِهٖٓ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً ؛ جب موسیٰؑ نے اپنی قوم سے فرمایا: خدا تمہیں حکم دیتا ہے کہ ایک گائے ذبح کرو۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کا یہ حکم سنایا کہ ایک گائے ذبح کرکے اس کے کسی حصہ سے مقتول کو ماریں وہ زندہ ہو کر قاتل کو بتادے گا۔ لوگوں نے کہا: قَالُوْٓا اَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا ؛ بولے کہ آپ ہمیں مسخرہ بناتے ہیں ؛ کیوں کہ ان کے خیال میں قاتل کو معلوم کرنے کے لیے گائے کو ذبح کرنے میں کوئی مناسبت نہیں ہے ۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: قَالَ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ؁ فرمایا: خدا کی پناہ! کہ میں جاہلوں سے ہوں ۔

گویا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام یہ بتانا چاہتے تھے کہ ایسا جواب جو سوال سے ربط نہ رکھے جاہلوں کا کام ہے ۔ انبیا کی شان نہیں
بہرحال بنی اسرائیل نے سمجھ لیا کہ گائے کا ذبح کرنا لازم ہے تو انہوں نے سوال کیا :

قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِيَ : بولے اپنے رب سے دعا کیجیے کہ وہ ہمیں بتادے گائے کیسی ہو ؛
قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا فَارِضٌ وَّلَا بِكْرٌ ؛ وہ فرماتا ہے کہ وہ ایک گائے ہے نہ بوڑھی اور نہ ادھیڑ بلکہ ان دونوں کے بیچ میں ۔ بنی اسرائیل کے لوگوں نے پھر سوال کیا: قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا لَوْنُهَا : اپنے رب سے دعا کیجیے ہمیں بتادے کہ گائے کا رنگ کیسا ہو ؟

قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ صَفْرَآءُ فَاقِعٌ لَّوْنُهَا تَسُرُّ النّٰظِرِيْنَ ؁ کہا وہ فرماتا ہے وہ ایک پیلی گائے جس کی رنگت دیکھنے والوں کو خوشی دیتی ہو ۔ لوگوں نے پھر سوال کیا: قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِيَ اِنَّ الْبَقَرَ تَشٰبَهَ عَلَيْنَا ؛ بولے اپنے رب سے دعا کیجیے کہ ہمارے لیے صاف بیان کردے وہ گائے کیسی ہو۔ بے شک گائے کے معاملہ میں ہم کو شبہ پڑ گیا۔

وَاِنَّآ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ لَمُهْتَدُوْنَ ؁ اور اللہ چاہے تو ہم راہ پا جائیں گے ۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر قوم اِنْ شَآءَ اللّٰهُ نہ کہتی وہ کبھی وہ گائے نہ پاتی ۔

قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا ذَلُوْلٌ تُثِيْرُ الْاَرْضَ وَلَا تَسْقِي الْحَرْثَ مُسَلَّمَةٌ لَّا شِيَةَ فِيْهَا
کہا وہ فرماتا ہے وہ ایک گائے ہے جس سے خدمت نہیں لی جاتی کہ زمین جوتے اور نہ کھیتی کو پانی دے بے عیب ہے جس کوئی داغ نہیں ۔

حدیث شریف میں ہے کہ بنی اسرائیل بحث نہ نکالتے تو جو گائے ذبح کر دیتے کافی ہوتی ۔

اس سورت کے آٹھویں رکوع میں ایک گائے کا واقعہ کا ذکر ہے۔ بنی اسرائیل میں عامیل نامی ایک مالدار شخص تھا، اس کی کوئی اولاد نہ تھی۔ اس کا ایک چچازاد بھائی مال کی ہوس میں چچا کو مار کر لاش کو دو گاؤں کی سرحد پر پھینک دیا اور خود صبح کو اس کے خون کا مدعی بنا۔ وہاں کے لوگوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے درخواست کی کہ آپ دُعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ حقیقت حال ظاہر فرمائے۔ حکم ہوا: وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖٓ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً، جب موسیٰؑ نے اپنی قوم سے فرمایا: خدا تمہیں حکم دیتا ہے کہ ایک گائے ذبح کرو۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کا یہ حکم سنایا کہ ایک گائے ذبح کر کے اس کے کسی حصہ سے مقتول کو ماریں وہ زندہ ہو کر قاتل کو بتادے گا۔ لوگوں نے کہا: قَالُوْٓا اَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا، بولے کہ آپ ہمیں مسخرہ بناتے ہیں: کیوں کہ ان کے خیال میں قاتل کو معلوم کرنے کے لیے گائے کو ذبح کرنے میں کوئی مناسبت نہیں ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: قَالَ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ۝ فرمایا: خدا کی پناہ! کہ میں جاہلوں سے ہوں۔

گویا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام یہ بتانا چاہتے تھے کہ ایسا جواب جو سوال سے ربط نہ رکھے جاہلوں کا کام ہے۔ انبیا کی شان نہیں بہر حال بنی اسرائیل نے سمجھ لیا کہ گائے کا ذبح کرنا لازم ہے تو انہوں نے سوال کیا:

قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِيَ: بولے اپنے رب سے دعا کیجیے کہ وہ ہمیں بتادے گائے کیسی ہو:

قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا فَارِضٌ وَّلَا بِكْرٌ، وہ فرماتا ہے کہ وہ ایک گائے ہے نہ بوڑھی اور نہ زا دھیٹر بلکہ ان دونوں کے بیچ میں۔ بنی اسرائیل کے لوگوں نے پھر سوال کیا: قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا لَوْنُهَا: اپنے رب سے دعا کیجیے ہمیں بتادے کہ گائے کا رنگ کیسا ہو؟

قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ صَفْرَآءُ فَاقِعٌ لَّوْنُهَا تَسُرُّ النّٰظِرِيْنَ ۝ کہا وہ فرماتا ہے وہ ایک پیلی گائے جس کی رنگت دیکھنے والوں کو خوشی دیتی ہو۔ لوگوں نے پھر سوال کیا: قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِيَ اِنَّ الْبَقَرَ تَشٰبَهَ عَلَيْنَا: بولے اپنے رب سے دعا کیجیے کہ ہمارے لیے صاف بیان کردے وہ گائے کیسی ہو۔ بے شک گائے کے معاملہ میں ہم کو شبہ پڑ گیا۔

وَاِنَّآ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ لَمُهْتَدُوْنَ ۝ اور اللہ چاہے تو ہم راہ پا جائیں گے۔

حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر قوم اِنْ شَآءَ اللّٰهُ نہ کہتی وہ کبھی وہ گائے نہ پاتی۔

قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا ذَلُوْلٌ تُثِيْرُ الْاَرْضَ وَلَا تَسْقِي الْحَرْثَ مُسَلَّمَةٌ لَّا شِيَةَ فِيْهَا کہا وہ فرماتا ہے وہ ایک گائے ہے جس سے خدمت نہیں لی جاتی کہ زمین جوتے اور نہ کھیتی کو پانی دے بے عیب ہے جس کوئی داغ نہیں۔

حدیث شریف میں ہے کہ بنی اسرائیل بحث نہ نکالتے تو جو گائے ذبح کر دیتے کافی ہوتی۔

بہرحال بنی اسرائیل کو تشفی ہوی اور انھوں نے گائے کی تلاش شروع کی۔ ان کے اطراف میں صرف ایک گائے تھی۔ اس کا حال یہ ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک صالح شخص تھا۔ اُسے ایک چھوٹا سا بچہ تھا۔ اس نیک آدمی کے پاس ایک گائے کے بچے کے سوا کچھ نہ تھا۔ انھوں نے اس کی گردن پر مہر لگا کر اللہ کے نام پر چھوڑ دیا اور بارگاہِ الٰہی میں عرض کیا: یا اللہ! میں اس بچھیا کو میرے اس بچے کے لیے تیرے پاس ودیعت رکھتا ہوں جب میرا یہ فرزند بڑا ہو یہ اس کے کام آے۔ اس نیک آدمی کا انتقال ہوگیا۔ وہ بچھیا جنگل میں اللہ تعالٰی کے حفظ و امان میں پرورش پاتی رہی۔ لڑکا بڑا ہوا۔ نیک اور پرہیزگار، ماں کا فرماں بردار رہا۔ اس کی والدہ نے کہا: تیرے باپ نے تیرے لیے فلاں جنگل میں خدا کے نام ایک بچھیا چھوڑدی ہے۔ وہ اب جوان ہوگئی ہوگی۔ اس کو جنگل سے لاؤ۔ اللہ سے دعا کرو کہ وہ تجھے عطا فرماے۔ لڑکے نے گائے کو جنگل میں دیکھا اور والدہ کی بتائی ہوی علامتیں اس میں پائیں اور اس کو اللہ کی قسم دے کر بلایا۔ وہ حاضر ہوی۔ اس لڑکے نے اس کو والدہ کی خدمت میں لایا۔ والدہ نے کہا: بیٹے ہمیں پیسوں کی ضرورت ہے۔ اس لیے گائے کو تین دینار میں جو اس وقت کی قیمت ہے بیچے اور یہ شرط لگائی کہ زیادہ سودا ہونے پر اجازت حاصل کی جاے۔ جوان جب اس گائے کو بازار میں لایا تو ایک فرشتہ خریدار کی صورت میں آیا اور اس نے گائے کی قیمت چھ دینار لگادی مگر اس شرط سے کہ جوان والدہ کی اجازت نہ مانگے۔ لڑکے نے یہ منظور نہ کیا اور گھر آکر والدہ کو تمام قصہ کہا۔ والدہ نے چھ دینار قیمت منظور کی اجازت دی۔ مگر زیادہ سودا ہونے پر دوبارہ اپنی مرضی لینے کی شرط لگادی۔ لڑکا پھر بازار میں آیا اس مرتبہ فرشتے نے بارہ دینار قیمت لگائی۔ اور کہا کہ شرط وہی ہے کہ لڑکا والدہ کی اجازت نہ مانگے۔ جوان نہ مانا۔ لڑکے نے سارا واقعہ ماں کو سنایا۔ ماں چوں کہ نیک اور صاحبِ فراست تھی۔ سمجھ گئی کہ یہ خریدار نہیں کوئی فرشتہ ہے جو آزمائش کے لیے آتا ہے۔ ماں نے بیٹے سے کہا کہ اس مرتبہ اس خریدار سے یہ پوچھنا کہ گائے کو فروخت کرنے کا حکم دیتے ہیں یا نہیں! لڑکے نے یہی کہا۔ فرشتے نے جواب دیا کہ اس گائے کو ابھی نہ بیچو۔ کیوں کہ بنی اسرائیل خریدنے آئے گی تو اس گائے کی قیمت یہ مقرر کرنا کہ اس کی کھال میں سونا بھردیا جاے۔ وہ لڑکا گاے کو گھر لایا۔ جب بنی اسرائیل ڈھونڈتے ہوے اس لڑکے کے گھر کو پہنچے تو یہی قیمت طے ہوی۔ بنی اسرائیل نے گائے ذبح کرکے اس کے کسی عضو سے مردہ کو مارا۔ وہ اللہ کے حکم سے زندہ ہوا اور اپنے چچازاد بھائی کو بتایا کہ اس نے مجھے قتل کیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس پر قصاص کا حکم فرمایا۔

مسائل:

یہ واقعہ اللہ تعالٰی نے عبرت کے لیے نازل فرمایا ہے۔ اس سے ذیل کے مسائل معلوم ہوسکتے ہیں:

۱۔ جو اپنے عیال کو اللہ تعالٰی کے سپرد کرے اللہ تعالیٰ اس کی عمدہ پرورش فرماتا ہے۔ جس طرح نوجوان لڑکے کی پرورش فرمایا۔

۲۔ جو اپنا مال اللہ تعالیٰ کے بھروسہ پر اس کی امانت میں دے اس میں برکت فرمادیتا ہے۔ جس طرح

(بقیہ ص 200 پر ملاحظہ ہو)

حافظ شیرازی کے حالاتِ زندگی

حافظ مظفر بیگ۔ منشی فاضل؛ دارالعلوم لطیفیہ۔ ویلور

حافظ کا نام شمس الدین تھا۔ اُن کے والد بہاؤالدین اصفہانی تھے۔ اور اتابکوں کے عہدِ حکومت میں شیراز گئے تھے۔ حافظ اپنے تین بھائیوں میں سے سب سے چھوٹے تھے۔ والد کی وفات کے بعد کوئی مال و اسباب باقی نہ رہا تو دو بڑے بھائی شیراز چھوڑ کر کہیں چلے گئے۔ حافظ ماں کے زیرِ سایہ میں رہے۔ ماں نے افلاس سے مجبور ہو کر انھیں محلہ کے ایک شخص کے سپرد کر دیا۔ حافظ کو اس کے طور طریقے پسند نہ آے اور وہ خمیر گیری کا پیشہ اختیار کیا۔ قریب ہی ایک مکتب تھا۔ حافظ پوری محنت اور سرگرمی سے اپنا کام ختم کر کے حافظ وہاں پڑھنے بھی چلے جاتے تھے خمیر گیری کی آمدنی وہ چار حصوں میں تقسیم کر دیا کرتے تھے۔ ایک حصہ والدہ کو دیتے، دوسرا حصہ استاذ کی خدمت میں پیش کرتے، تیسرا حصہ خیرات کر دیا کرتے تھے اور اس کے بعد جو کچھ بچ رہتا وہ اپنی ذات پر صرف کرتے تھے۔ حافظ نے قرآن مجید حفظ کر لیا۔ اس کے بعد انھوں نے عربی، فارسی میں پوری دسترس حاصل کی۔ میر محمدی لکھتے ہیں کہ حافظ کو بیس برس کی عمر میں شعر گوئی کا اتنا سلیقہ اور اعتماد تھا کہ اپنے اساتذہ فن اور سلاطین اور اکابرِ وقت کے سامنے پیش کرتے تھے۔ حافظ کے دو بیٹے تھے۔ ایک کا نام شاہ نعمان تھا۔ انھوں نے دکن سے دہلی جاتے ہوئے وفات پائی اور دوسرا لڑکا شیراز ہی میں انتقال کر گیا۔ حافظ نے دونوں بیٹوں کی موت کے متعلق اپنے اشعار میں اشارات کیے ہیں۔

ایرانی شعراء میں فردوسی، خیام، سعدی علیہ رحمہم اور حافظ کو جو قبولِ عام ملا ہے وہ ان کے باکمال ہونے کی ایک روشن دلیل ہے۔ حافظ ایران کے تمام شاعروں سے زیادہ شہرت اور مقبولیت کے مالک ہیں۔ یہ شہرت جغرافیائی حدود کی پابند نہیں ہے۔

حافظ کے سنِ ولادت میں اختلاف ہے۔ سنہ ۷۲۶ھ متعین کر دیا گیا ہے۔ سالِ وفات باتفاق رائے سنہ ۷۹۱ھ ہے۔ علم و عرفان سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن ادبی، تحقیقی اور تنقیدی مباحث میں ایسا غلو جذباتیت کی تعریف

میں آتا ہے اور جذباتی و تاثراتی اظہار خیال میں کوئی وزن نہیں ہوتا۔ حقیقت پسندانہ اسلوبِ بیان ہی قابلِ اعتماد ہوتا ہے۔ ایک حقیقی شاعر جس میں ذرا سا ذوقِ جمال بھی موجود ہے وہ حسن سے متاثر ہونے کی وہی صلاحیت رکھتا ہے جو بارود میں آگ پکڑنے کی ہوتی ہے اور یہ حس حقیقت و معرفت کی شراب سے مدہوش اور سرشار ہونے کے باوجود اس میں زندہ رہتی ہے۔ زندگی بجائے خود تغیّر پذیر ہے۔ وہ مختلف ادوار اور مراحل سے گزرتی ہے اور ان سے گزرتے وقت جو اثرات مرتب ہوتے ہیں ان کا اظہار ضروری کسی نہ کسی طرح ہوتا ہے۔ زندگی کے ادوار اور مراحل میں عمر کے وہ سنگِ میل شامل ہیں جن سے ان کو تقسیم کر دیا گیا ہے۔ مثلاً بچپن و جوانی اور بڑھاپا۔ بچپن کے عادات و خصائل شباب اور بڑھاپے کے اطوار سے بالکل مختلف ہوتے ہیں۔ حافظ عمر کے جن منازل سے گزرتے ہیں انھوں نے اُن کی نہایت کامیاب جمانی اور عکاسی اپنے اشعار میں کی ہے اور یہی ایک بلند پایہ شاعر کی خصوصیت ہے۔ دیوانِ حافظ کے مطلع کو دیکھ کر یہ نہیں سمجھ لینا چاہیے کہ شاعری کے آغاز ہی میں انھیں پیرِ طریقت اور ہادیٔ معرفت کا منصب جلیل مل گیا تھا۔ دیوان کا یہ پہلا شعر یقیناً حقائق و معرفت کا ترجمان ہے۔

الَا یَا اَیُّهَا السَّاقِی اَدِرْ کَاْسًا وَّ نَاوِلْهَا
که عشق آساں نمود اوّل ولے افتاد مشکلها

لیکن یہ بات کسی طرح قرینِ عقل نہیں کہ دیوانِ حافظ جس ترتیب سے مدوّن ہو کر شائع ہوا ہے، اسی ترتیب سے شاعر نے نظم بھی کیا ہے۔ میخانہ عبدالنبی کا بیان ہے کہ

حافظ کم عمری ہی میں شعر کہنے لگے تھے۔ شروع میں وہ موزوں اشعار نہیں کہہ سکتے تھے۔ چناں چہ جب تک (۱) لوگوں کے مذاق کا ایک دلچسپ ذریعہ بنا دیا تھا۔ آہستہ آہستہ ان کا ذوقِ شعری نکھرتا گیا۔ آخر کار وہ اس مرتبہ تک پہنچ گئے کہ ان کے کلام پر جذبہ خدائی کا گمان ہونے لگا۔ حافظ کے کلام سے اہلِ باطن بھی استفادہ کے قائل رہے ہیں۔ اہل باطن کی مجلس حافظ کے زمزموں سے گونجتی رہی ہیں۔ اور ان پر حافظ کے اشعار سے وجد و حال کی کیفیتیں طاری ہوتی رہتی ہیں۔ تو اس طرح حافظ کے کلام سے بہت سارے لوگ فائدہ حاصل کئے ہیں اور کر رہے ہیں۔ حافظ شیرازی نے ایک کامیاب زندگی گزاری ہے۔ آپ کا کلام ماضی میں بھی گونجتا رہا اور مستقبل میں بھی گونجتا رہے گا۔ ...

(۱) وہ غیر موزوں اشعار کہتے رہے انھیں

فضیلت صحابہ

حافظ شبیر احمد: ویلوری متعلم دارالعلوم لطیفیہ۔ ویلور

کائنات میں اللہ تعالےٰ کسی کو کسی نہ کسی نعمت سے نوازا ہے خصوصاً اشرف المخلوقات کا لقب پانے والے حضرت انسان پر ایسی ایسی نعمتیں اور برکتیں دی ہیں جن کا شمار کرنا کسی بندے کے بس کی بات نہیں ہے: وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰہِ لَا تُحْصُوْھَا: اگر تم اللہ کی نعمتوں کا شمار کرنا چاہو تو شمار نہ کرسکو گے۔ اس کے باوجود انسان خدا کا شکر گزار بندے ہونے کی بجائے ناشکری کی زندگی گزار رہا ہے۔ خدا تعالےٰ کی راہ سے ہٹ کر شیطانی راہ اختیار کر رہا ہے۔
اسی لیے خدائے اَرْحَمُ الرَّاحِمِیْن نے انسان کی ہدایت اور رہنمائی کے لیے مسلسل نبیوں کو بھیجتا رہا تاکہ وہ جائیں اپنی اپنی قوم کی رہنمائی کریں۔ یہ ہدایت اور رہبری ایک عظیم ترین نعمت ہے۔ تمام نبیوں کے آخر میں ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین بن کر آے اور ان کے اخلاق و کردار کی حسین تصویر نے بہت سوں کے دل و دماغ کو ہدایت کا آئینہ بنادیا۔ حضور پاکؐ کے ساتھ ایمانی حالت میں زندگی کی سانس لینے والے اور حلاوتِ ایمان کی زندگی گزارنے والے ان پاک دامن ہستیوں کا دنیا اور آخرت میں کتنا عظیم مقام ہے۔ اس کو جاننے کے لیے یہ ایک حدیث کافی ہے۔ جن کی فضیلت و برتری میں نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وَعَنْ جَابِرٍ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَمَسُّ النَّارُ مُسْلِمًا رَاٰنِیْ اَوْرَاٰی مَنْ رَاٰنِیْ ۰ (رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس مسلمان کو آگ نہ چھوئے گی جس نے مجھے دیکھا۔ یا میرے دیکھنے والوں کو دیکھا۔ (ترمذی)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو شخص نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو بحالتِ ایمان دیکھے اور اسی حال میں انتقال ہوجاے تو وہ دوزخ سے چھٹکارا پاجاتا ہے۔ اسی طرح حضورؐ کے ساتھیوں میں سے کسی ساتھی کو بحالتِ ایمان دیکھ لیں تو وہ دوزخ سے محفوظ ہوجاتا ہے۔ حضور اکرمؐ کے دیدار سے آدمی صحابہ قرار پاتا ہے اور صحابہ کے دیدار سے تابعی قرار پاتا ہے کتنے خوش نصیب ہیں وہ اکابر جنہوں نے اپنی آنکھوں سے صحابۂ کرام کو دیکھا اور ان سے فیض پایا۔ دورِ نبوت اور عہدِ صحابہ کے بعد دنیا میں آنے والے ہم مسلمان حضور پاک صلے اللہ علیہ وسلم اور ان کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دیدار سے محروم ہیں۔ لیکن ان کی الفت و محبت کو اپنے دلوں میں بسالیں تو ہماری دنیاوی زندگی اور اُخروی زندگی کی سعادت

سے ہمکنار ہوجانے کی اوران کے ساتھ عینِ ایمان ہے۔ اوران کے ساتھ بغض رکھنا دنیا و آخرت میں تباہی ہے۔حدیث شریف میں آتا ہے: عَبدُاللہِ بنِ مُغَفَّلٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَسَلَّمَ اَللہَ اَللہَ فِی اَصحَابِی اللہِ لَاتَتَّخِذُوھُم غَرَضًا مِّن بَعدِی فَمَن اَحَبَّھُم فَبِحُبِّی اَحَبَّھُم وَمَن اَبغَضَھُم فَبِبُغضِی اَبغَضَھُم وَمَن اٰذَاھُم فَقَد اٰذَانِی وَمَن اٰذَانِی فَقَد اٰذَی اللہَ وَمَن اٰذَی اللہَ فَیُوشِکُ اَن یَّاخُذَہٗ (رواہ الترمذی)

حضرت عبداللہ بن مغفل سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے صحابہ کے بارے میں اللہ سے ڈرو۔ اللہ سے ڈرو۔ اللہ سے ڈرو میرے صحابہ کے بارے میں اللہ سے ڈرو، اللہ سے ڈرو۔ میرے بعدانہیں لعن وطعن اور سب وشتم کا نشانہ نہ بناؤ۔کیوں کہ جس کسی نے بھی ان سے محبت کی تو میرے ساتھ محبت کی وجہ سے ہے لہٰذا ان سے محبت کرو اور جس کسی نے بھی ان سے بغض رکھا تو میرے ساتھ بغض کی وجہ سے ہے۔ ان سے بغض نہ رکھو۔اور جس کسی نے بھی انہیں ستایا اس نے مجھے ستایا۔جس کسی نے بھی مجھے ستایا اس نے اللہ کو ایذا دی اور جس نے اللہ کو ایذا دی تو قریب ہے کہ اللہ تعالےٰ اسے عذاب وعقاب میں گرفتار کرے۔(ترمذی) آج ہم دونوں جہان کے اندر راحت وسکون حاصل کرنا چاہتے ہیں اور گمراہیوں سے باہر آنا چاہتے ہیں تو شیطان کے مکروفریب کے جال سے باہر نکلنا ہوگا اور اس کے لیے صرف ایک ہی راہ ہے وہ یہ کہ ہدایت یافتہ اور انعام یافتہ صحابہ کرامؓ کے نقشِ قدم کی پیروی کریں۔ان سے جس قدر محبت رکھوگے اسی قدر ہمارے ایمان میں تازگی حاصل ہوگی۔

حدیث شریف میں آتا ہے صَحَابِی کَالنُّجُومِ بِاَیِّھِمُ اقتَدَیتُمُ اھتَدَیتُم میرے صحابہ ستاروں جیسے ہیں ان میں سے جس کسی کی پیروی کروگے ہدایت اور نجات پاؤگے۔نیز ایک اور حدیث میں آیا ہے: عَنِ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَسَلَّمَ مَثَلُ اَصحَابِی فِی اُمَّتِی کَالمِلحِ فِی الطَّعَامِ لَایُصلِحُ الطَّعَامُ اِلَّا بِالمِلحِ۔(شرح السنۃ)

حضرت انس رضی اللہ عنہٗ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے صحابہ کی مثال میری امت میں کھانے میں نمک کی طرح ہے کہ کھانا نمک کے بغیر درست نہیں ہوتا۔(شرح السنۃ) ہم مسلمانوں کے لیے خدائے تعالیٰ کا بہت بڑا کرم واحسان ہے کہ ہم تک خدا کے حبیب صلے اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کی صحیح تعلیمات محفوظ حالت میں ملیں اور ہم مسلمان ان کی جانی قربانی اور مالی قربانی جو انھوں نے اسلام کی خاطر دی اس کا ادنیٰ سا ادنیٰ شکریہ ہوگا کہ ہم ان کی زندگی کے طور وطریقہ کو ہماری زندگی کے لیے ہدایت کا روشن چراغ بنائیں اور حبیب کبریاؐ اور صحابۂ کرام کی محبت اپنے دلوں میں بسانے کی کوشش کریں

اللہ سے دعا گو ہوں کہ اللہ ہم تمام کے دلوں میں مرتے دم تک محبتِ رسول اللہؐ عظمتِ صحابہ قائم رکھے اور خدا اور اس کے حبیب صلے اللہ علیہ وسلم اور حضرات صحابہؓ کی رضامندی دنیا و آخرت میں پانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

آمین بجاہ سید المرسلینؐ!

•••

اسلام میں والدین کا مقام

محمد نظام الدین ، ویلوری: متعلم دار العلوم لطیفیہ۔ ویلور

نحمدہٗ ونصلی علی رسولہ الکریمؐ امّا بعد

قال اللہ تعالیٰ فی القرآن العظیم: وَقَضٰی رَبُّکَ اَلَّا تَعْبُدُوْۤا اِلَّاۤ اِیَّاہُ وَبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا

ترجمہ: اے پیغمبر تمہارے پروردگار نے قطعی حکم کیا ہے کہ لوگوں کو سمجھا دو کہ: اے لوگو! سوائے اس اللہ واحد کے کسی کی عبادت نہ کرو اور والدین کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آیا کرو۔

حق تعالیٰ شانہٗ نے جس طرح انسانوں کو تمام مخلوقات میں افضل واشرف بنایا اسی طرح انسانوں میں مراتب اور درجات بھی قائم کردیا۔ انسانوں میں بلند ترین درجہ پیغمبروں کا ہے۔ ان کے بعد صحابہ، صحابہ کے بعد اولیائے کرام جن میں محدثین وفقہائے کرام وعلماء دین اور صوفیاء شامل ہیں۔ اسی طرح ماں باپ کو بھی خدا اور اس کے رسولؐ کے بعد کا درجہ دیا گیا ہے۔

قرآنی تعلیمات اور احکامات میں خدا اور رسولؐ کی اطاعت کے بعد والدین کی فرمانبرداری اور ان کی اطاعت بہت اہمیت رکھتی ہے۔ والدین کی اطاعت کو جزءِ ایمان قرار دیا گیا اور ان کے ادب واحترام کو لازمی ٹھہرایا گیا۔ خداوند قدوس نے: اَنِ اشْکُرْ لِیْ وَلِوَالِدَیْکَ: میرا شکر اور تمہارے والدین کا شکرادا کرو کہہ کر شکر میں والدین کو بھی شامل کرلیا۔ اب والدین کی بزرگی سے کس کو انکار ہوسکتا ہے اور ماں باپ کی قربانیاں دیکھیے کہ ہماری پیدائش اور پالنے پوسنے میں انہیں کن کن مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ خود خدائے تعالیٰ ان کی تکلیفوں کا تذکرہ کررہا ہے کہ ہم نے انسان کو ان کے والدین کے حق میں تاکید کردی کہ ہر حال میں ان کا ادب ملحوظ رکھے۔ کہ اس کی ماں نے اس کو اپنے پیٹ میں نو (۹) ماہ رکھ کر بوجھ پر بوجھ اٹھایا اس کو چلنے پھرنے میں تکلیف اور اس کو اٹھنے بیٹھنے میں تکلیف اور دیگر طرح طرح کی تکالیف کو برداشت کرتے ہوئے بچے کو جنم دیتی ہے۔ یہاں تک کہ جب وہ پیدا ہوتا ہے تو اس کے بعد بھی اس کے دو سال ہونے تک اپنے خون کو دودھ کی شکل میں پلاتی رہتی ہے خدا تعالیٰ فرماتا ہے، شکر ادا کرو میرا کہ میں نے تم سے اتنی محبت اس کے دل میں رکھی اور پھر شکر ادا کرو اپنے والدین کا کہ آخر کار تم میرے ہی طرف لوٹنے والے ہو۔ نیز فرمایا: کہ اگر تیرے ماں باپ تجھ کو اس بات پر مجبور کریں کہ تو خدا کے ساتھ کسی اور کو شریک بنالے تو ان کا کہنا نہ ماننا۔ مگر ہاں! ان کے ساتھ نیکی کرنا اور ان کے ساتھ حسنِ سلوک کرنا اور

اتباع کرنا ان لوگوں کی جو ہر بات میں ہماری طرف رجوع کرنے والے ہیں اور ہمارا حکم بجا لاتے ہیں کیوں کہ تم کو آخرکار ہماری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے۔ پس تم کو آگاہ کر دیا گیا۔ اس وقت تک جب کہ جسم سے روح نکل جائے اس کے بعد جو تم دنیا میں کر لائے ہیں۔ ہم اس کا بدلہ دیں گے۔ تم والدین کی اطاعت کرو وہ میری اطاعت ہے اور ان کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آؤ اگرچہ کہ وہ مشرک ہی کیوں نہ ہو۔ حدیث قدسی میں ہے: مَنْ رَضِيَ عَنْهُ وَالِدُهُ فَأَنَا عَنْهُ رَاضٍ، جس شخص کے والدین اس سے راضی ہو جائیں تو میں بھی اس سے راضی ہوں۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ ایام جہاد میں ایک شخص رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور جہاد کی اجازت چاہی تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کیا تیرے والدین زندہ ہیں؟ جواب دیا: ہاں! یا رسول اللہ میرے والدین زندہ ہیں۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا: جاؤ اُن کے حقوق کی حفاظت کرو کوشش کرو اور ان کے ساتھ نیک سلوک کرو۔ تمہارے لیے یہی جہاد ہے۔ (بخاری و مسلم)

اس حدیث میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے والدین کے ساتھ نیک سلوک اور ان کے حقوق کی ادائیگی کے لیے کوشش کو جہاد پر ترجیح دی ہے اور جہاد ایک ایسی عبادت خالصہ ہے جس میں صرف دین کی خدمت مقصود ہوتی ہے اور جس میں اپنی جان کی کچھ پروا نہیں رہتی ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ والدین کی خدمت بھی ایک جہاد ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور کہنے لگا: یا رسول اللہ اس بات کا زیادہ حق دار کون ہے کہ میں اس کے ساتھ اچھا سلوک کروں۔ ارشاد ہوا: تیری ماں! عرض کیا: پھر کون؟ ارشاد فرمایا: تیرا باپ۔ عرض کیا: پھر کون؟ ارشاد فرمایا: تمہارے رشتہ دار۔ (بخاری و مسلم)

اللہ تعالٰی سے دعا ہے کہ ہم اور آپ تمام مسلمانوں کو والدین کے ساتھ حسن سلوک کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

وآخر دعونا ان الحمد للہ رب العالمین۔ ...

بقیہ صفحہ 163 سے آگے "چکی نامہ کی تشریح"

جامی دکن کی منظوم چکی نامہ کی تشریح احقر نے اپنی بساط کے موافق تحریر میں لایا ہے۔ جو کچھ بھی اس میں سہو واقع ہوا ہو تو اس احقر کے توفیق کے قبول کرنے میں قصور واقع ہونے سے ہے۔ اللہ کی توفیق کامل ہے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین ...

قرآنِ عظیم کی فضیلت

حافظ جیلانی باشاہ متعلم دارالعلوم لطیفیہ ویلور۔ بلاری (سگنگنگل)

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی خیر خلقہ سیدنا محمد والہ واصحبہ اجمعین ہ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کرتی ہیں کہ ہر چیز کے لیے کوئی شرافت وافتخار ہوا کرتا ہے۔ جس سے وہ تفاخر کیا کرتی ہے۔ میری امت کی رونق اور افتخار قرآن شریف ہے۔ (حلیۃ اولیاء)

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ مجھے کچھ وصیت فرمائیے۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تقویٰ کا اہتمام کرو کہ وہ تمام امور کی جڑ ہے۔ میں نے عرض کیا: کہ اس کے ساتھ کچھ اور بھی ارشاد فرمائیے تو حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تلاوت قرآن کا اہتمام کرو کہ دنیا میں یہ نور ہے اور آخرت میں ذخیرہ ہے۔

شرح احیاء میں منقول ہے کہ حضرت باسطؒ حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ذکر کیا کہ جن گھروں میں کلام پاک کی تلاوت کی جاتی ہے وہ مکانات آسمان والوں کے لیے ایسے چمکتے ہیں جیسا کہ زمین والوں کے لیے آسمان پر ستارے۔ (ابوداؤد)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے حضور اقدسؐ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ اللہ کے بندے اللہ کے گھروں میں سے کسی گھر میں مجتمع ہوکر تلاوتِ کلام پاک اور اس کا ورد کرتے ہیں تو اُن پر سکینہ نازل ہوتی ہے اور ان کو اللہ تعالےٰ کی رحمت ڈھانپ لیتی ہے۔ ملائکِ رحمت ان کو گھیر لیتے ہیں اور حق تعالےٰ شانہٗ ان کا ذکر ملائکہ کی مجلس میں فرماتا ہے

سکینہ نازل ہونا متعدد روایات میں وارد ہے۔ اس کے مصداق میں مشائخ حدیث کے چند قول ہیں۔ لیکن ان میں کوئی ایسا اختلاف نہیں کہ جس سے آپس میں کچھ تعارض ہو بلکہ سب کا مجموعہ بھی مراد ہو سکتا

حضرت علیؓ سے سکینہ کی یہ تفسیر نقل کی گئی ہے کہ وہ ایک خاص ہوا ہے جس کا چہرہ انسان کے چہرہ جیسا ہوتا ہے۔

علامہ سدّی سے نقل کیا گیا ہے کہ وہ جنّت کے ایک طشت کا نام ہے، جو سونے کا ہوتا ہے۔ اس میں انبیاء کے قلوب کو غسل دیا جاتا ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ طمانیت مراد ہے۔ بعد نے اس کی تفسیر فارسی میں کیا ہے اور کسی

نے ملائکہ سے ۔ کلام اللہ میں ارشاد ہے : فَاَنْزَلَ اللّٰہُ سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ دوسری جگہ ارشاد ہے فِيْهِ سَكِيْنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ متعدد آیات میں اس کا ذکر ہے اور احادیث میں متعدد روایات میں اس کی بشارت آئی ہے ملائکہ کا ڈھانکنا بھی متعدد روایات میں وارد ہوا ہے ۔ اسیدی حضیر رضؓ کا مفصل قصّہ کتب حدیث میں آتا ہے کہ انھوں نے تلاوت کرتے ہوئے اپنے اوپر ایک ابر سا چھایا ہوا محسوس کیا ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ ملائکہ تھے جو قرآن شریف سننے کے لیے آئے تھے ۔ ملائکہ کے اژدھام کی وجہ سے ابر سا معلوم ہوتا تھا ۔

ایک صحابیؓ کو ایک مرتبہ ابر سا معلوم ہوا تو حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ سکینہ تھا ۔ یعنی رحمت جو قرآن شریف کی تلاوت کی وجہ سے نازل ہوئی تھی ۔ مسلم شریف میں یہ حدیث زیادہ مفصل آئی ہے ۔ جس میں اور بھی مضامین ہیں ۔

حضرت رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کا سب سے بڑا معجزہ قرآن ہے کہ اس کی جانب زوال وانقطاع کو راہ نہیں ہے اور وجوہ تواتر سے کوئی خبر قرآن کے مرتبہ کو نہیں پہنچتی ۔ مدتیں گزر گئیں کہ حق تعالےٰ کی یہ آواز خاص و عام کے کانوں میں گونج رہی ہے کہ اے محمدؐ! مخالفین سے کہہ دو کہ اگر میں یہ قرآن اپنی طرف سے بنا کر کہتا ہوں تو تم اس کی مثل دس سورتیں بنا کر لاؤ ۔ پھر فرمایا : اگر تم سچے ہو تو اس قرآن کے مثل ایک ہی سورۃ بنا کر لاؤ ۔ پھر فرمایا : کوئی حدیث تو اس کی مانند لاؤ ۔ غرض بار بار خدائے تعالےٰ سے اپنے پیارے حبیب صلے اللہ علیہ وسلم کے توسط سے مخالفین کو قرآن کے مثل بنا لانے کا چیلنج دیا مگر کسی سے آج تک ایک سورۃ بھی اس کے مثل نہ بن سکی ۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی نبوّت کا یہ نہایت عظیم الشان معجزہ ہے ۔ اس واسطے کہ قریش جو آپؐ کی قوم تھی اور پہلے پہل انھیں سے خطاب تھا ۔ یہ لوگ فصیح اور بلیغ اور سخنداں لغت تھے ۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم جو کچھ پڑھتے تھے اس کے معارف وحقائق کو خوب سمجھتے تھے ۔ اور یہی لوگ آپؐ کی دشمنی میں سب سے زیادہ حصّہ لیتے اور آپؐ کی ہلاکت میں سب سے بڑھ کر کوشش کرتے تھے ۔ انھوں نے آپؐ کی محاربت میں بے انتہا مال خرچ کیا اور اپنی جانوں کو خطرے میں ڈالا کہ کسی طرح آپؐ پر غالب ہوں ۔ پھر جب ان سے کہا گیا کہ اس قرآن کی نسبت ایک سورۃ ہی بنا کر لاؤ تو اس کے جواب سے قریش پہلو تہی کرتے تھے اور ان سے ممکن نہ تھا کہ قرآن کی مثل بنا کر لائیں تو وہ کہا کرتے تھے کہ قرآن سحر اور جادو ہے اور کذب و دروغ ہے اگر ان سے جیسا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے قرآن کی ایک چھوٹی سی سورۃ کا معارضہ ممکن ہوتا تو ناحق اپنی جان و مال کو ہلاکت میں کیوں ڈالتے اور گوناگوں کوششیں آپؐ کی ہلاکت میں کیوں کرتے ۔ اس واسطے کہ بشرطِ امکاں قرآن سے معارضہ کرنا اور اس کی مثل ایک سورت ہی بنا لانا اس سے زیادہ آسان ہے کہ بذل مال اور ترک وطن اور مفارقت یار و یار کی حاجت پڑنے پھر جب ان سے قرآن کا مقابلہ نہ ہو سکا اور چھوٹی سی سورت بھی مثل قرآن کے نہ لا سکے ۔ پس اس امر کی برہانِ قاطع ہے کہ کوئی شخص بھی

قرآن کا مقابلہ نہیں کر سکتا اور یہ کہ قرآن کلام خدا اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا زندہ معجزہ ہے جو قیامت تک رہے گا اور ہرگز ہرگز کسی زمانہ میں بھی عربی کے بڑے سے بڑے عالم وفاضل سے اس کا جواب نہ بن سکے گا۔ کیوں کہ جس طرح حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے قریش سے یہ خطاب کیا تھا، اسی طرح یہ خطاب ہمیشہ اور اب بھی تمام دُنیا کے فضلاء و علمائے علوم عربیہ و بلغاء و ماہرینِ لغاتِ عرب سے ہے۔ مگر نہ آپؐ کے زمانہ میں قرآن کا جواب ہو سکا اور نہ آپؐ کے بعد اب تک باوجود یہ کہ ہر قرن میں عربی کے بڑے بڑے ماہرین پیدا ہوتے رہے اور انشاء اللہ قیامت تک پیدا ہوتے رہیں گے، مگر ان سے بھی قرآن کا جواب نہ ہو سکے گا۔

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر کبیر میں قرآن شریف کو کلام الٰہی منزل من اللہ اور غیر مخلوق ثابت کرتے ہوئے ان امور کا تذکرہ کیا ہے جن سے فصاحت و بلاغت کا پایا جانا عام طور پر دشوار تسلیم کیا گیا ہے اور باوجود یہ کہ قرآن پاک میں اکثر انہی امور کا بیان ہے۔ تاہم اس میں اس درجہ فصاحت و بلاغت موجود ہے، جس کا مقابلہ فصحاء و بلغائے عرب میں سے کوئی بھی نہ کر سکا۔

فاضل موصوف نے اُن اُمور کے ساتھ ان باتوں کو بھی بیان کیا ہے جن میں فصاحت کا پایا جانا ضروری ہے اور یہ بھی کہا ہے کہ ہر شخص کی طبیعت کسی ایک یا خاص مضمون کے لکھنے پر قادر ہوتی ہے۔ اگر اسے چھوڑ کر دوسرا مضمون اس عمدگی سے لکھ سکے ممکن نہیں اور ایک اور بات یہ ہے کہ ہر شخص کے کلام میں صرف چند شعر یا متفرقات دلچسپ ہوتے ہیں نہ سب کے سب قرآن کریم ان جملہ محصنات سے علیحدہ ہے باوجود اس کے فصاحت، حسنِ بیان کے ایسے درجہ بلند پر ہے کہ ہر عقل و خرد اس کی پرواز سے عاجز ہے۔

امام رازی نے ان اُمور کو سات قسموں میں تقسیم کیا ہے:

پہلا امر یہ ہے کہ عرب کی فصاحت اکثر مشاہدات کے وصف میں ہوتی ہے۔ جیسے اونٹ، گھوڑے لونڈی، بادشاہ، ضرب طعنہ وغیرہ کی تعریف کرنا یا حرب اور غارت کا وصف بیان کرنا اور قرآن شریف میں ان اشیاء میں سے کسی شئے کا ذکر نہیں ہے تو چاہیے تھا کہ اس میں وہ فصاحت نہ پائی جاتی جس پر اہلِ عرب نے اپنے کلام میں اتفاق کیا ہے۔ پس ثابت ہوا کہ یہ کلامِ الٰہی ہے، غیر مخلوق ہے اور کلام بشر نہیں۔

دوسرا امر یہ ہے کہ اللہ جلّ شانہ نے تمام قرآن کریم میں صدق کی رعایت کی ہے اور وہ کذب سے بالکل پاک ہے اور جس شاعر نے کذب کو ترک اور سچائی کو لازم کر لیا تو اس کا شعر فصاحت کے مرتبے سے گر جاتا ہے اور کچھ چیز نہیں ہوتا۔ دیکھو سیدا بن ربیعہ اور حسان ثابت رضی اللہ عنہما جب اسلام لے آئے تو اُن کے اشعار مرتبۂ فصاحت سے گر پڑے اور اسلامی شعر، جاہلی اشعار کی بناوٹ سے خالی ہو گئے اور اللہ تعالےٰ کا کلام باوجود یہ کہ جھوٹ سے پاک ہے اور حقیقت ہی کا بیان ہے۔ تاہم جیسا کہ

(بقیہ صـ 223 پر ملاحظہ ہو)

حضرت خواجہ سیّد قطب الدّین بختیار کاکی چشتی رحمۃ اللہ علیہ

سید عبدالرزاق پیر قادری متعلم دارالعلوم لطیفیہ حضرت مکان ویلور گنیشگل

یک زمانہ صحبتِ با اولیاء بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

خواجۂ خواجگانِ چشت حضرت خواجہ غریب نواز کے نائب و جانشین ہونے کی حیثیت سے قطب الاقطاب قطب الدین بختیار کاکی علیہ الرحمہ سلسلۂ چشتیہ معینیہ کی ساری شاخوں کے مشائخ کرام و متوسلین کے مرجع وماویٰ اور منبع فیوض و برکات ہیں۔

سیر الاقطاب کی روایت کے مطابق آپ نصف شب کے وقت اس سرائے فانی میں جلوہ فرما ہوے۔ ولادت کے وقت سارا گھر بقعہ نور بن گیا۔ آپ کی والدہ کو ہاتفِ غیب نے آواز دی:

ایں نور کہ دیدی سرے بود از اسرار الٰہی کہ اکنوں در دل فرزند نہادیم۔

یہ نور جو تونے دیکھا ہے اسرار الٰہی میں سے ایک سر ہے۔ جسے ہم نے تیرے فرزند کے سینہ میں منتقل کر دیا ہے

آپ کے والد کا نام سید موسیٰ علیہ الرحمہ ہے۔ ابھی حضرت کی عمر شریف ڈیڑھ سال کی تھی کہ والدِ ماجد کا سایہ سر سے اٹھ گیا اور پرورش و پرداخت کا بوجھ والدہ ماجدہ کے سر آن پڑا۔ جب آپ کی عمر شریف چار سال چار مہینے چار دن کی ہوی تو اس وقت کے دستور کے مطابق والدۂ ماجدہ نے آپ کی بسم اللہ خوانی کی تقریب منعقد کی۔ حسنِ اتفاق سے اس موقعہ پر حضرت خواجہ غریب نواز سیر و سیاحت کرتے ہوے اوس میں تشریف فرما ہوے۔ آپ کی والدۂ ماجدہ نے موقعہ غنیمت جان کر اپنے لختِ جگر کو بسم اللہ خوانی کے لیے حضرت خواجہ کی خدمت میں بھیجا۔ حضرت خواجہ صاحب نے قطب صاحب کی تختی لکھنے کا جیسے ہی ارادہ کیا غیب سے آواز آئی: اے خواجہ! لکھنے میں توقف کرو۔ قاضی حمید الدین ناگوری آرہے ہیں۔ وہ تختی لکھنے کی رسم ادا کریں گے۔ اتنے میں قاضی صاحب تشریف لے آئے۔ انہوں نے تختی سنبھالی اور حضرت قطب صاحب سے دریافت فرمایا: کیا لکھوں؟ آپ نے فوراً پندرھویں پارے کی آیت پڑھ کر فرمایا، یہ لکھیے۔

قاضی صاحب نے دریافت کیا: صاحب زادے! یہ آیت تمہیں کس نے یاد کرائی؟ فرمایا: میری والدہ صاحبہ پندرہ پارے کی حافظہ ہیں۔ ایام حمل میں جب وہ تلاوت کرتی تھیں تو میں سُنا کرتا تھا۔ یہاں تک کہ میں پندرہ پارے کا حافظ ہوگیا۔ اس کے بعد قاضی صاحب نے چار دن میں قطب صاحب کو پورا قرآن یاد کرادیا۔ جب قطب صاحب کی عمر شریف

پانچ سال ہوئی تو کچھ روپیے دے کر والدہ ماجدہ نے صاحب زادے کو مکتب میں بھیجا۔ راستے میں ایک بزرگ ملے۔ دریافت کیا کہ بچے کو کہاں لے جارہے ہو؟ کہا: مکتب میں۔ فرمایا: انہیں مولانا ابوحفص کے پاس لے جاؤ۔ وہ بزرگ خود بھی ساتھ گئے۔ تو مولانا نے لے جانے والے آدمی سے فرمایا: جانتے ہو یہ کون بزرگ تھے؟ یہ حضرت خضرؑ تھے۔ جو خدا کی طرف سے اس خدمت پر مامور کئے گئے تھے۔

جب قطب صاحب کی تعلیم مکمل ہوگئی اور سنِ بلوغ کو پہنچ گئے تو داعیہ عشق کی رہنمائی میں وہ تلاش حق کے لیے گھر سے باہر نکلے۔ ایک شہر میں آپ کی ملاقات حضرت خضر علیہ السلام سے ہوئی۔ وہاں سے اور آگے بڑھے اور حضرت محمود اصفہانی نام کے ایک بزرگ سے ملاقات ہوئی۔ آپ ان کے مرید ہونا چاہتے تھے۔ لیکن مشیّت الٰہی کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ انہیں ایام میں قطب صاحب کو معلوم ہوا کہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اصفہان میں تشریف فرما ہیں۔ آپ وہاں فوراً پہنچ گئے اور خدمت میں حاضری دی۔

حضرت خواجہ اس وقت دولائی اوڑھے ہوئے تھے۔ انہوں نے وہ دولائی حضرت قطب صاحب کو اوڑھا دی۔ یہ اس بات کی علامت پیدا ہوگئی کہ سفر اور حضر میں ایک لمحہ کی جدائی انہیں گوارا نہ تھی۔ ۵۸۳ھ مطابق 1187ء میں اپنے مرشد کے ساتھ مکہ معظمہ پہنچے۔ وہاں سے پھر مدینہ منورہ حاضر ہوئے۔ اپنے مرشدِ کریم کی توجہ سے دونوں جگہ بے پایاں الطاف و عنایات سے سرفراز کئے گئے۔ مدینہ منورہ میں کچھ دن قیام کرنے کے بعد ۵۸۵ھ مطابق ۱۱۹۵ء میں بغداد شریف آئے اور وہاں کچھ عرصہ تک قیام فرمایا۔ حضرت نے خواجہ ابواللیث سمرقندی کی مسجد میں اپنے مرید سعید و رشید حضرت قطب صاحب کو خرقہ درویشی اور بیعت و خلافت سے سرفراز فرمایا۔ اس موقع پر حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی، حضرت شیخ داؤد کرمانی، حضرت شیخ برہان الدین محمد چشتی وغیرہم اکابر اولیاء بھی جلوہ فرما تھے۔

حضرت خواجہ قطب کا شجرۂ طریقت پندرہ واسطوں سے مولائے کائنات سیدنا علی مرتضٰی رضی اللہ تعالٰی عنہ تک پہنچتا ہے۔

دولتِ خلافت سے مالامال ہونے کے بعد ۵۸۵ھ مطابق ۱۱۹۵ء میں اپنے آقائے نعمت مرشد برحق کی ہمرکابی میں بغداد شریف سے ہندوستان کے لیے روانہ ہوئے اور چشت، ہرات اور سبزوار ہوتے ہوئے لاہور پہنچے اور وہاں سے سمانا اور دہلی ہوتے ہوئے ۵۸۷ھ میں واردِ اجمیر ہوئے۔ کچھ دنوں اجمیر شریف میں قیام کرنے کے بعد حضرت خواجہ غریب نواز اپنے مریدین و معتقدین کے ہمراہ غزنین تشریف لے گئے اور حضرت قطب صاحب کو اجازت مرحمت فرمائی کہ وہ اپنی والدہ ماجدہ سے ملاقات کے لیے اوس تشریف لائے تو قطب صاحب بھی اوس سے ہندوستان کے لیے روانہ ہوگئے۔ ۵۹۰ھ میں ہندوستان آتے ہوئے حضرت قطب ملتان پہنچے۔ ملتان اس وقت دینی علوم و فنون کا مرکز تھا۔ حسنِ اتفاق سے تحصیل علم کے دوران حضرت بابا فرید گنج شکر بھی اس وقت ملتان ہی میں موجود تھے۔ ملتان میں قیام کے

دوران حضرت قطب صاحب ایک دن اس مسجد میں تشریف لے گئے جس میں بابا صاحب مقیم تھے۔ بابا صاحب کتاب کے مطالعہ میں مستغرق تھے۔ جیسے ہی ان کی نظر حضرت قطب صاحب پر پڑی۔ وہ کتاب بند کر کے فوراً کھڑے ہوگئے اور آداب و تکریم کے مراسم بجا لائے۔ حضرت قطب صاحب نے دریافت فرمایا: کیا پڑھ رہے ہو؟ جواب دیا: کتاب نافع پڑھ رہا ہوں۔ فرمایا: کتاب نافع سے تمہیں نفع پہنچے گا؟ یہ سنتے ہی نہایت عاجزی کے ساتھ جواب دیا: مجھے تو حضرت کی قدم بوسی کی سعادت ہی نافع ہوگی۔ اتنا کہ کر وہ بے اختیار اٹھے اور قطب صاحب کے قدموں پر سر رکھ دیا۔ پہلی ہی نظر میں قطب صاحب کی توجہ باطنی سے وہ اس طرح بھیگ چکے تھے کہ انھیں کے ہو کر رہ گئے۔ اب شب و روز قطب صاحب کی صحبت میں رہنے لگے۔

ملتان میں کچھ دنوں کے قیام کے بعد حضرت قطب صاحب دہلی روانہ ہوگئے۔ حضرت بابا صاحب بھی آپ کے ہمراہ دہلی جانا چاہا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ تم یہیں تحصیلِ علم میں مشغول رہو۔ کچھ عرصہ کے بعد بالآخر وہ جذبۂ شوقِ دیدار سے بیتاب ہو کر دہلی آئے اور حضرت قطب صاحب کی خدمت میں حاضر ہوگئے۔ پہلی ہی مجلس میں حضرت قطب صاحب نے بابا صاحب کو شرفِ بیعت سے سرفراز فرمایا۔ دہلی میں کچھ دنوں قیام کرنے کے بعد حضرت قطب صاحب کے حکم پر بابا صاحب مزید تحصیلِ علم کے لیے قندھار روانہ ہوگئے۔ وہاں آپ نے بڑی محنت سے علم ظاہری کی تکمیل فرمائی۔ اس کے بعد عراق، خراسان، ماوراء النہر اور حرمین طیبین کی زیارت سے مشرف ہو کر اپنے مرشدِ کریم کی خدمت میں دہلی حاضر ہوگئے۔ ان کی آمد سے قطب کو بڑی مسرت حاصل ہوئی۔ فرمایا: علم ظاہری کی تکمیل کے بعد اب سلوک کی منزلیں طے کرو۔ چناں چہ دہلی میں غزنی دروازہ کے قریب ایک حجرہ میں بابا صاحب ریاضات اور مجاہدات میں مشغول ہوگئے۔ ہر دو ہفتہ اپنے پیر کی زیارت کے لیے بابا صاحب حجرہ سے باہر تشریف لایا کرتے تھے۔ اسی درمیان حضرت خواجہ غریب نواز اجمیر شریف سے دہلی تشریف لائے اور قطب صاحب کی قیام گاہ میں قیام فرمایا۔

طالبانِ حق حضرت خواجہ کے فیضان صحبت سے اس طرح نہال ہوئے کہ سب اپنی مراد کو پہنچے۔ حضرت قطب صاحب نے اپنے مریدوں کو خواجہ صاحب کی خدمت میں پیش کیا۔ سب کو اپنی اپنی استعداد کے مطابق خواجہ غریب نواز نے دولت عرفان سے مالامال فرمایا۔ جب واپسی کا وقت قریب آیا تو ارشاد فرمایا: تمہارے مریدوں میں کوئی باقی رہ گیا ہو تو اسے بھی حاضر کرو۔ عرض کیا: حضور! فرید نام کا ایک غلام چلّہ میں ہے۔ فرمایا: چلو اسے دیکھیں کہ وہ کس حال میں ہے۔ حضرت خواجہ غریب نواز اور قطب صاحب دونوں بزرگ وہاں تشریف لے گئے۔ بابا صاحب چلّے میں بیٹھے ہوئے مجاہدہ اور ریاضت میں مشغول تھے۔ لگاتار ریاضتِ شاقہ کی وجہ سے وہ اتنے کمزور اور لاغر ہو گئے تھے کہ تعظیم کے لیے کھڑے نہ ہو سکے اور روتے ہوئے خواجۂ خواجگان کے قدموں میں سر رکھ دیا۔ خواجہ صاحب نے ان کا حال دیکھ کر ارشاد فرمایا: وہ قطب الدین کب تک اس بیچارہ کو مجاہدات میں گھلاؤ گے؟ آؤ اسے کچھ عطا کریں۔ یہ کہتے ہوئے خواجہ صاحب نے داہنا

بازو اور قطب صاحب نے بایاں بازو پکڑ کر بابا صاحب کو کھڑا کیا۔
خواجہ صاحب نے آسمان کی طرف رخ کر کے بارگاہِ ایزدی میں التجا کی : اے مالک بے نیاز! ہمارے فرید کو قبول فرما اور اسے درویشِ کامل کے مرتبہ پر فائز کردے۔
پردۂ غیب سے ندا آئی : ہم نے فرید کو قبول کیا۔

آپ کا وصال : لاکھوں کی بھیڑ میں جب جنازۂ مبارک لاکر میدان میں رکھا گیا تو حضرت مولانا ابو سعید صاحب نے نمازِ جنازہ کی امامت سے متعلق حضرت قطب الاقطاب کی وصیت کا اعلان کیا۔
انھوں نے فرمایا : ہمارے خواجہ نے وصیت فرمائی ہے کہ میرے جنازہ کی نماز وہ شخص پڑھائے جس نے کبھی فعل حرام کا ارتکاب نہ کیا ہو۔ جس سے عصر کی سنّت اور تکبیرِ اولیٰ کبھی فوت نہ ہوئی ہو۔
جب لوگوں کو یہ وصیت سنائی گئی تو ہر شخص حیران تھا کہ آخر وہ کون خوش نصیب شخص ہے! جو حضرت کی نمازِ جنازہ کی امامت کا اہل ہوگا! اور یہ تینوں شرطیں پوری کرتا ہے؟ بہت دیر تک مجمع پر سکوت طاری رہا۔
جب کوئی آگے نہ بڑھا تو چیخ مار کر سلطان شمس الدین التمش آگے بڑھے اور بھرائی ہوئی آواز میں کہا: میں نہیں چاہتا تھا کہ میرے حال سے لوگوں کو آگاہی ہو۔ لیکن افسوس کہ آج قطب الاقطاب کی وصیت نے میری زندگی کا ایک سربستہ راز کو فاش کردیا۔
بالآخر سلطان التمش کی امامت میں لاکھوں افراد نے نمازِ جنازہ کا فرضِ کفایہ ادا کیا۔ آپ کے جنازہ میں اتنی بھیڑ تھی کہ جنازہ تک پہنچنا تو بڑی بات، بہتوں کو جنازہ نظر بھی نہیں آیا تھا۔ آپ کو اسی جگہ دفن کیا گیا، جسے اپنی آخری آرام گاہ کے لیے آپ نے خود منتخب فرمایا تھا۔

بقیہ صفحہ 219 کا "قرآنِ عظیم کی فضیلت"
تم دیکھ سکتے ہو وہ ہر طرح فصیح ہے۔
تیسرا امر یہ کہ کلام فصیح اور شعر فصیح۔ کسی قصیدہ میں سینکڑوں شعروں سے صرف ایک یا دو اشعار میں پایا جاتا ہے۔ باقی تمام کلام اس درجہ کا نہیں ہوتا اور قرآن کی یہ شان نہیں ہے وہ تمام تر اس مرتبہ کا فصیح واقع ہوا ہے کہ تمام مخلوق اس کا مثل لانے سے اسی طرح عاجز ہے، جس طرح اس کے ایک جملہ کے مقابلہ سے۔
چوتھا امر یہ ہے کہ جو شخص کسی چیز کی تعریف میں کوئی فصاحت آگیں شعر کہتا ہے تو جب ایسی چیز کی تعریف میں مکرر بیان کرتا ہے، اس وقت اس شئے کی تعریف میں اُس کا کلامِ ثانی مثل کلامِ اوّل کے نہیں ہوتا اور قرآن میں کثرت سے تکرار موجود ہے۔ باوجود اس کے وہ سارے کا سارا فصیح ہے اور اس میں کوئی غیر فصیح ظاہر نہیں ہوتا۔
وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العٰلمین ●●●

التبرک بآثار الصالحین

محمد نشاد لطیفی : ویلتور (کیرلا)

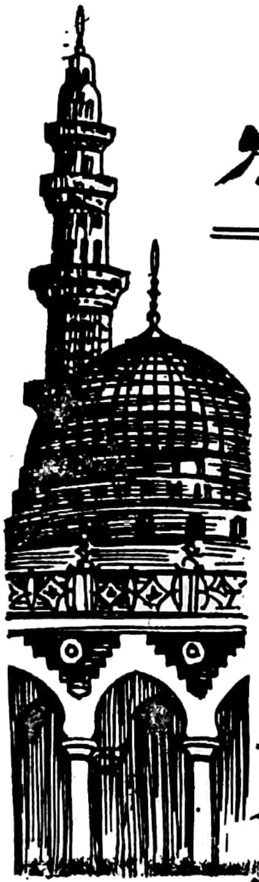
ان اللہ جعل فی بعض الاشیاء الخیر وفیہ بعد نہا الشرّ فالدواء یشفیک والسم یقتلک وھذا من الخیر والشر ظاھر یعرفہ کل احد شرب ماء زمزم رجاء خیرہ وتجنب ماذبح علی الاصنام خوف شرہ لکن ھذہ النوع من الخیر والشر باطن لا یعرفہ الآمن وفقہ اللہ وھم الانبیاء واتباعھم الصالحین والعارفین۔

ومن الخیر الباطن البرکۃ التی جعل اللہ فیما اخرّھا من الایشاء فالتبرک بتلک الاشیاء من العبادۃ لامن عبادتہا بل من عبادۃ خلقتہا فاذا قبلت الحجر الاسود فلیس ذلک عبادۃ لہ فانہ حجر لاینفع ولاجمر بنفسی بل ھو عبادۃ للہ فانہ جعل فیہ البرکۃ وأمرنا بتقبیلہ والتبرک بالصالحین وآثارھم لسنۃ معروفۃ ھالک امثلۃ من ذالک (۱) فتم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی حجۃ الوداع شعر بیت اصحابہ فکانت الصحابہ یتبرکون ویتشفون بھذ الشعرات وکانت عند امّ سلمہ رضی اللہ عنہا شعرات من شعرہ صلی اللہ علیہ وسلم فی جلجل من فمتّی وکان الناس اذا مرضوا بعثو الیہا قدح ماء لنجعل فیہ شیاء من الشعر المبارک عن انس قالت رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والحلاف بحلقہ واظاف بہ اصحابہ فمایریدون ان نفع شعرہ الاقی بد رجل ۔ (مسلم)

عن ابن سیرین قال قلت لعبیدۃ عندنا من شعر النبی صلی اللہ علیہ وسلم احبتنا من قبلک اھل الناس فقال لان تکون عندی شعرۃ منہ احب لی من الدُنیا ومافیہا ۔ (بخاری)

عن جعفر عن خالد بن الولید فقد قلنسوۃ لہ یوم الیرموک فقال اطلبوھا فلم یجدوھا ثم طلبوھا فوجدوھا فاذا ھی قلنسوۃ خلقتی فقال خالد اعتمر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فحلق رأسہ وابتر الناس جوانب شعرہ فسبقتہم الی ناصیۃ وجعلتہا فی ھذہ القلنسوۃ فلم اشھد قتالاً وھی معی الارزسن النصر ۔ (مستدرک)

قالت اسماء بنت ابی بکر ھذہ جبۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (بقیہ صــ 176 پر)



مہکتی چارسُو ہے صاحبِ قرآنؐ کی خوشبو

مہکتی چارسُو ہے صاحبِ قرآنؐ کی خوشبو ۔۔۔ زمین وآسماں کے نبیوںؑ کے سلطان کی خوشبو
جو ہیں اشجارِ جنّت سبز تر افشاں کی خوشبو ۔۔۔ خدا کے نیک بندوں کو گلِ ریحان کی خوشبو
بلا شک سورہ یٰسٓ تو قرآن کا دِل ہے ۔۔۔ لبِ حافظ سے مہکی سورۃِ رحمٰن کی خوشبو
محمد مصطفٰے شمس الضحیٰ بدر الدجیٰ طٰہٰؐ ۔۔۔ لبوں پر پیارے ناموں کی سجی کیا شان کی خوشبو
وہ گوہر آمنہ کا جس سے مہکا ہے جہاں سارا ۔۔۔ نویدِ انبیاءؑ ہے صاحبِ بُرہانؐ کی خوشبو
زباں پر ورد ہے صلِّ علیٰ صلِّ علیٰ ہر دم ! ۔۔۔ بسی لب پر زباں پر عرش کے مہمانؐ کی خوشبو
از آدمؑ تا بہ یوسفؑ سلسلہ اس پیاری نکہت کا ۔۔۔ اٹھی کیا پیرہن سے یوسفِؑ کنعان کی خوشبو
فرشتوں کی صفت والوں کو اک بوئے رسالت تھی ۔۔۔ وہ مہکی جب خطیبؐ برسرِ فاران کی خوشبو
منوّر ساعت اسریٰ کی تحریکِ عالم سب ۔۔۔ جبینِ عرش پر اُس نور کے عنوان کی خوشبو
جہاں ستّر شہیدانِ وفا کی تا ابد مہکے ۔۔۔ اُحد کا نوری دامن خُلد کے میدان کی خوشبو
کہیں ثور و حرا یا کعبہ کے اطراف ہے مہکی ۔۔۔ وہی طیبہ میں مہکی صاحبِ ذیشان کی خوشبو
ریاضِ جنّتہ ہے وہ مسجد نبویؐ کا کیا گوشہ ۔۔۔ جہاں پر بس گئی ہے روضۂ رضوان کی خوشبو
گلاب و یاسمن ہو نسترن ہیں پاکر جھمپا میں ۔۔۔ پسینہ سے نبیؐ کے برگ و گلِ بستان کی خوشبو
محمدؐ کے غلاماں چل پڑے ہیں جانبِ کوثر ۔۔۔ حشر کے روز دامانِ شہِ ذیشان کی خوشبو

بہاریں خلد کی ہیں مہکی اُن سے ہے شہ ؔاس
جبیبؐ کبریا و دلبرِ یزداں کی خوشبو

یس۔ محمد یوسف شمّاؔس ایم اے، اکنامکس
قاضی پورہ۔ ادونی



نعت
نبئ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

سیّد سراج الدّین منیرؔ حیدرآبادی

وہ ذاتِ محترم شاہ امم آئینۂ یزداں
وہ اعجازِ طلسم کُن وہ نورِ جلوۂ پنہاں

وہ نورِ آگہی صد حاصل دل حاصلِ عرفاں
مجرّد منتہی اکمل فروغِ دیدۂ حیراں

محمدؐ مصطفٰے اصلی علی سرمایۂ ایماں
مجسم صورتِ قرآں مکمل سیرتِ یزداں

وہی نورِ مجرّد جو ہے تخلیقِ آدمؑ ہے
وہی نورِ مجسّم ہے بنائے عالم امکاں

مقامِ آدمیت آدمی نے آپؐ سے پایا
نگاہِ آدمی سے تھا مقامِ آدمی پنہاں

کسے ہے جرأتِ انکار فیضِ مصطفائی سے
ہے ممنونِ کرم خورشید کا ہر ذرّۂ تاباں

کرم شاہِ اممؐ ہم کور چشمان بصیرت پر
ہوئے ہم تارکِ قرآں اسیرِ گردشِ دوراں

نہ پوچھو دل ہمارے آج محروم یقیں کیوں ہیں
نہ پوچھو ہم ہوئے کیوں کر اسیرِ دامنِ حرماں

نہ پوچھو پھر رہے ہیں کیوں جبینِ خوں چکاں لے کر
نہ پوچھو کس طرح ہم چشمِ عالم میں ہوئے عریاں

نہ پوچھو زندہ ہیں پھر زندگی کو کیوں ترستے ہیں
نہ پوچھو خوف سے ہم موت کے ہوتے ہیں کیوں لرزاں

ہوئے ہیں پختہ تر خوئے غلامی میں غلام ایسے
کہ زنجیر و سلاسل ہی بنے ہیں زیست کے ساماں

یہ سب سچ ہے مگر اے سیّد عالمؐ تمہارے ہیں
اماں دیجیے خطاکاروں کو زیرِ سایۂ داماں

ضمیر مردہ ہیں جس آگ سے ہو زندگی پیدا
عطا قلبِ مسلماں کو ہو ایسی آتشِ سوزاں

کرم اے سیّدِ کل تاجدارِ عالمِ ہستی
منیرؔ خستہ جاں تو آپ کی نسبت پہ ہے نازاں

پیش کش:۔ سید علی احمد قادری کلیم حیدرآباد

نعت

حضور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم

سیّد محمد حنیف غازی لطیفی ۔ مدنیلی

تم سے ازل سے اپنا تعلق حضور ہے
ہر آن اس کا ذہن پہ چھایا سرور ہے

انسانیت کو خُلق کو خدمت کو صدق کو
عظمت جہاں میں بہ طفیلِ حضور ہے

قوسِ قزح، شفق میں، ستاروں میں چاند میں
ہر گُل میں ہر شجر میں محمدؐ کا نُور ہے

ہوتے ہیں لوگ داخلِ اسلام دمبدم
وہ نُور، حق کی راہ دکھاتا ضرور ہے

جنّت مجھے ملے گی، یہ جانے مرا نصیب
شہرِ مدینہ دُنیا میں دارِ سُرور ہے

تیری مصیبتوں کا ہے حل ان سے لو لگا
اے کلمہ گو! حضورؐ سے کیوں دُور دُور ہے

رب کی رضا ہے راہِ ہدایت مگر سُنو!
اُنؐ کی رضا کلیدِ رضائے غفور ہے

ہوتے کلیمؑ آج تو، ہوتے اک اُمّتی
پڑھتا نبیؐ کا کلمہ کھڑا کوہِ طور ہے

اُن کے بغیر دین نہ ایمان کا پتا
تُو کیا، تری بساط کیا تیرا غرور ہے

میرے نبیؐ ملے تو ملیں ساری نعمتیں
واعظ! تیری نگاہ میں حور و قصور ہے

یہ سب رسولِ پاکؐ کی نسبت کا فیض ہے
مجھ کو کہاں تمیز تھی، کس کا شعور ہے

وہ چاند ہیں حجاز کے 'غازیؔ' بے نوا
اک بے قرار ہند میں ان کا چکور ہے

مدرسہ لطیفیہ

افضل العلماء حضرت مولانا الحاج نیؔر ربانی رحمۃ اللہ سابق سر قاضی شہر وشارم
سابق مدرس دار العلوم سبیل الرشاد - بنگلور

مطلعِ نورِ حق نما مدرسۂ لطیفیہ
مسکنِ آلِ مصطفےٰ مدرسۂ لطیفیہ

کشتیٔ دِل لگے نہ کیوں ساحلِ امن سے بھلا
قوم کا جب ہے ناخدا مدرسۂ لطیفیہ

پھیلی ہے جس کی روشنی تا بہ افق صدی صدی
ہے وہ چراغ فیض کا مدرسۂ لطیفیہ

ناخنِ عقل کو نہیں جس پہ ہنوز دسترس
اُس کا ہے یہ گرہ کشا مدرسۂ لطیفیہ

دِل ہی سمجھ سکے اِسے دِل کا معاملہ ہے یہ
دِل سے قریب ہے بجا مدرسۂ لطیفیہ

کُھلتا ہے رازِ من عرف فیض سے اس کے ہر نفس
حاصِل ذوقِ مدّعا مدرسۂ لطیفیہ

اس کا مقام ہے بلند اس کی فضا بسیط ہے
سب میں ہے سب سے ہے جُدا مدرسۂ لطیفیہ

جوہرِ آئینہ ہے کیا آئینہ ساز کے لیے
مظہرِ شانِ کبریا مدرسۂ لطیفیہ

فقر میں شانِ خواجگی کیف میں جوشِ آگہی
یہ ہے جہاں وہی فضا مدرسۂ لطیفیہ

اس کے سلف کا مرتبہ کیا کہیں قطبِ وقت تھے
ان کے ہے فیض کا صلا مدرسۂ لطیفیہ

کیوں نہ ہو بارشِ کرم اس پہ بہ فیضِ مصطفےٰ
نیؔر مطلعِ وفا مدرسۂ لطیفیہ

پیش کش: ملک محمد سالم عفی عنہ بی کام؛ پی۔جی۔ڈی۔ایف۔ٹی۔ (میل وشارم) نبیرۂ حضرت مولانا نیؔر ربانیؒ

داغِ وفاتِ ہلال

مرثیہ بر وفاتِ حسرت آیات

عالیجناب سیّد شاہ ہلال پاشاہ قادری شطاری صاحب

نائب ناظم دارالعلوم لطیفیہ حضرت مکان ویلور

تاریخ رحلت: 10؍ اکتوبر 2007ء

علیم صبا نویدی

سوئے جنّت چلے گئے ہیں ہلال
ہائے کیا داغ دے گئے ہیں ہلال

آج حضرت مکان پُرنم ہے
قبر پہ آنسوؤں کی شبنم ہے
زیست کیا درد و غم کا عالم ہے
سب کو اک داغ دے گئے ہیں ہلال
سوئے جنّت چلے گئے ہیں ہلال

آج دارالسرور غم گیں ہے
چاہتوں کا ظہور غم گیں ہے
ہر دلِ ناصبور غم گیں ہے
ہائے کیا داغ دے گئے ہیں ہلال
سوئے جنّت چلے گئے ہیں ہلال

آج در و دیوار بھی روتے ہیں!
ذہن و دل اور جگر بھی روتے ہیں
اہلِ علم و نظر بھی روتے ہیں
ہائے کیا داغ دے گئے ہیں ہلال
سوئے جنّت چلے گئے ہیں ہلال

آج آہوں کا ہر طرف ہے دھواں
اشک ہی اشک ہر طرف ہے رواں
محوِ غم اب ہیں حضرتِ عثمانؔ
ہائے کیا داغ دے گئے ہیں ہلال
سوئے جنّت چلے گئے ہیں ہلال

آج بچوں کے لب پہ آہیں ہیں
آج مجروح سب کی چاہیں ہیں
دھند میں غم کی ساری راہیں ہیں
سب کو اک داغ دے گئے ہیں ہلال
سوئے جنت چلے گئے ہیں ہلال

آج طاہر ہلال کی دنیا
بن گئی ہے ملال کی دنیا
جونہی بکھری ھلال کی دنیا
ہائے کیا داغ دے گئے ہیں ہلال
سوئے جنت چلے گئے ہیں ہلال

آج سب سوگ میں ہیں ڈوبے ہوئے
اک نئے روگ میں ہیں ڈوبے ہوئے
غم کے سنجوگ میں ہیں ڈوبے ہوئے
ہائے کیا داغ دے گئے ہیں ہلال
سوئے جنت چلے گئے ہیں ہلال

بیوی بچوں کا نور جاتا رہا
گھر کا سارا سرور جاتا رہا
اک عزیز اپنا دور جاتا رہا
سب کو اک داغ دے گئے ہیں ہلال
سوئے جنت چلے گئے ہیں ہلال

آج ماتم کناں بہاریں ہیں !
کس قدر بے زباں بہاریں ہیں
اور بے خانماں بہاریں ہیں
ہائے کیا داغ دے گئے ہیں ہلال
سوئے جنت چلے گئے ہیں ہلال

آج سب چاہتیں ہوئیں بیمار
زیست کی راحتیں ہوئیں بیمار
پیار کی قربتیں ہوئیں بیمار
ہائے کیا داغ دے گئے ہیں ہلال
سوئے جنت چلے گئے ہیں ہلال

نیک صورت بھی نیک سیرت بھی
وقت کے تھے ہلال وقعت بھی
جن کے حق لکھی ہے جنت بھی
ہائے کیا داغ دے گئے ہیں ہلال
سوئے جنت چلے گئے ہیں ہلال

آج حضرت مکاں کا ہر ذرہ
غم رسیدہ ہے اور افسردہ
آنکھیں نم دیدہ، دل ہے رنجیدہ
ہائے کیا داغ دے گئے ہیں ہلال
سوئے جنت چلے گئے ہیں ہلال

آج تربت پہ پھول روتے ہیں
چاہتوں کے اصول روتے ہیں
چہرے ہو کر ملول روتے ہیں
ہائے کیا داغ دے گئے ہیں ہلال
سوئے جنّت چلے گئے ہیں ہلال

حضرتانِ مکان دار السرور
قربی و محوی، ذوقی ازویلور
ہر طرف ان کی ہے دُعا کا نُور
ہائے کیا داغ دے گئے ہیں ہلال
سوئے جنّت چلے گئے ہیں ہلال

ماہِ رمضاں میں چل بسے ہیں ہلال
رحمتوں میں مہک گئے ہیں ہلال
عید والے نہ بن سکے ہیں ہلال
ہائے کیا داغ دے گئے ہیں ہلال
سوئے جنّت چلے گئے ہیں ہلال

زیرِ رحمت ہیں باقر و طاہر
جا ملے ان سے اب ہلال آخر
یہ ہے روحانی نُور کا محور
ہائے کیا داغ دے گئے ہیں ہلال
سوئے جنّت چلے گئے ہیں ہلال

بے شمار ان کی خوبیاں تھیں یہاں
ایسا مخلص جوان اب ہے کہاں
آج افسردہ ہے ہر اک مہماں
ہائے کیا داغ دے گئے ہیں ہلال
سوئے جنّت چلے گئے ہیں ہلال

کس طرح خود کو اب سنبھالیں ہم
دل سے غم کس طرح نکالیں ہم
رات دن اشک ہی بہالیں ہم
ہائے کیا داغ دے گئے ہیں ہلال
سوئے جنّت چلے گئے ہیں ہلال

جو دعائیں صبا کے لب پر ہیں
وہ یہاں کی فضا کے لب پر ہیں
شام کی ہر ادا کے لب پر ہیں

جو بھی ہو وہ ہلال جیسا ہو
ایسے صاحب کمال جیسا ہو

میرے اللہ بخش دے اُن کو
اپنی اک جا بخش دے اُن کو

نظم بہ یادِ شیخ المشائخ اعلیحضرت مولانا مولوی سید شاہ محمد باقر قادری رحمۃ اللہ علیہ

بموقعہ سالانہ فاتحہ: مورخہ ۸ ر جون ۲۰۰۸ء

علیم صبا نویدی

کیوں فضائیں دود آلودہ ہیں آج
ہر طرف زخمی نظاروں کا ہے راج

آنسوؤں میں نم ہوا حضرت مکاں
اور محوِ غم ہوا حضرت مکاں!

حضرتِ باقرؔ کی یادوں کے چراغ
ہو گئے روشن، ہوئے بسمل دماغ

دل سنبھالے سے سنبھلتا ہی نہیں!
درد سینے سے نکلتا ہی نہیں

لب پہ ہے آہ و فغاں کی بارشیں
جسم میں دردِ نہاں کی بارشیں

روح فرسا ہے بچھڑنے کا ملال
اعلیٰ حضرتؒ سا کہاں صاحب کمال!

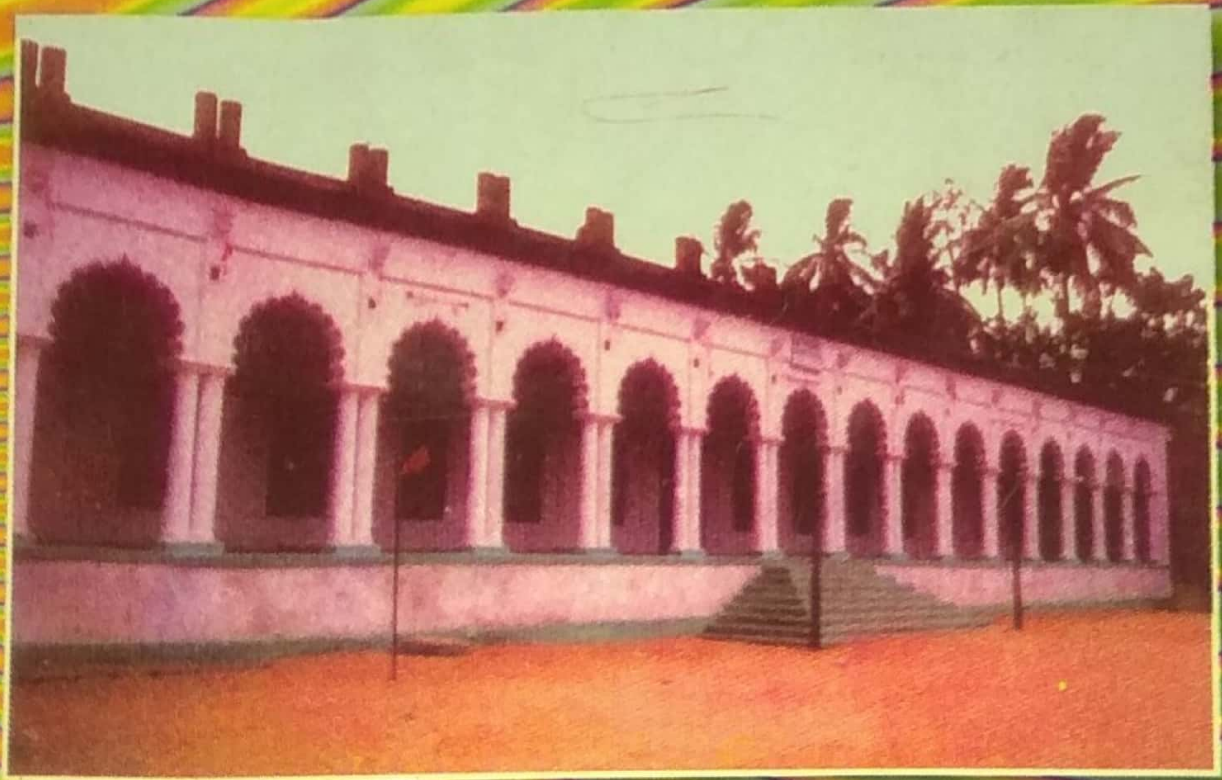
سایہ افگن نور جن کی قبر پر
رحمتیں جن کی لحد میں سر بہ سر

کتنا اعلیٰ مرتبہ حضرتؒ کا ہے
اللہ اللہ! اللہ کی قدرت کا ہے

اعلیٰ حضرت کی دعاؤں کا کمال
ہے نویدیؔ نظم تیری بے مثال

پیش کش : مولوی جمیل احمد شریف لطیفی ایم اے

سالنامۂ اللطیف ویلور



دارالعلوم لطیفیہ کا ایک منظر

دارالعلوم لطیفیہ مکانِ حضرت قطب ویلور